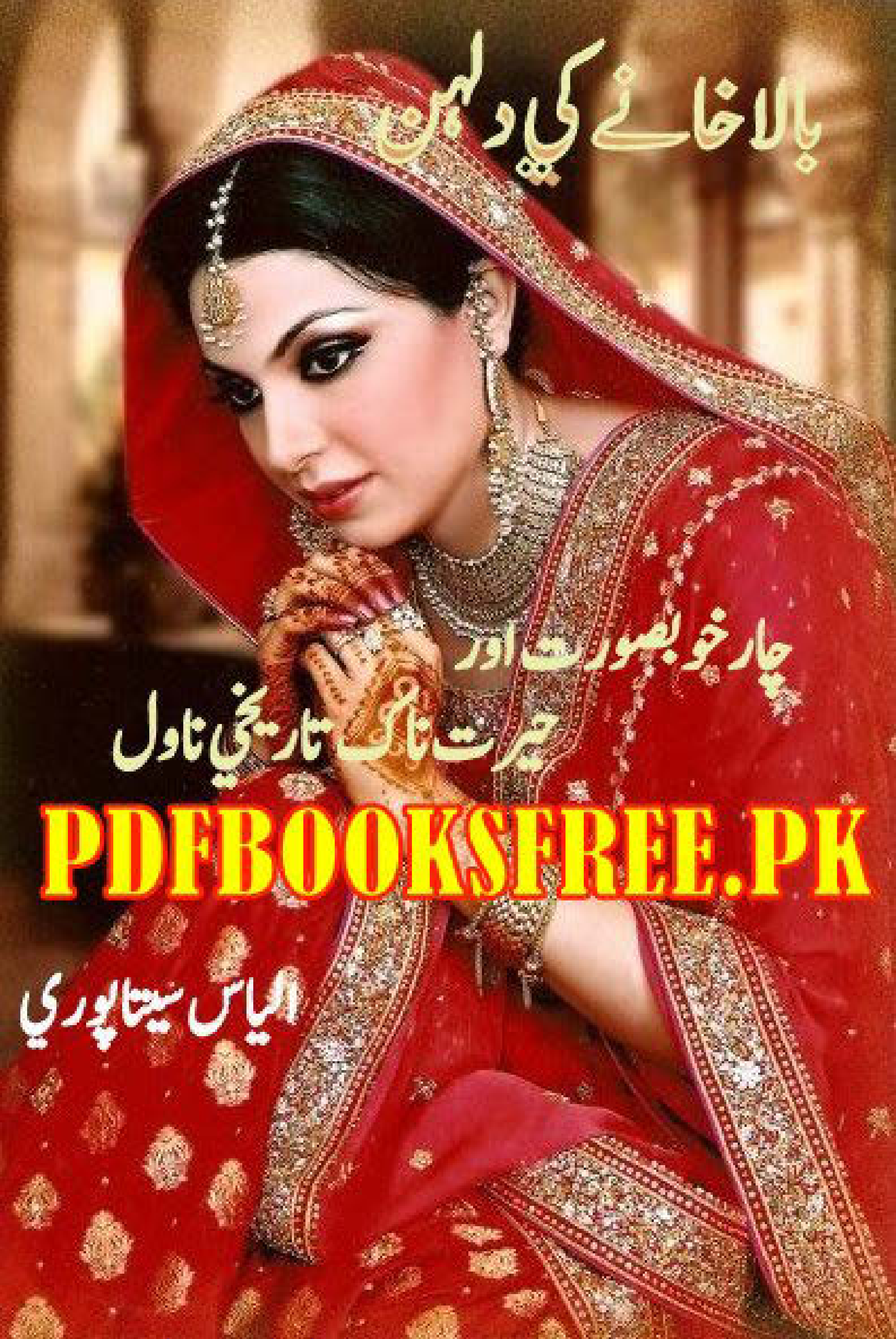

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الیاس سیتاپوری

کی منتخب تاریخی کہانیاں

بالاغنی کی دلھن

نایاب پبلی کیشنز۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۔ سعید منشن ملیا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ۔ کراچی ۱

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانان کا مقتل ۵
قراقرم کے فرزند ۴۹
بزورِ شمشیر ۹۲
کفن بردوش ۱۲۸
بالاخانے کی دلہن ۱۹۵

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM@ONEURDU.CO

جانی
مقاتل

جب تک نادر کو شہزادے سلیم کا مستقبل تابناک نظر آتا رہا وہ اس کے ساتھ رہا لیکن جیسے ہی اس نے محسوس کیا کہ شہزادہ اپنے باپ اکبر اعظم کے مقابلہ کرنے میں مذبذب ہے، اس کی فکر کا انداز ہی بدل گیا۔ اب وہ ان دو ہاتھیوں کی لڑائی کے درمیان نہیں آنا چاہتا تھا اس نے شہزادے سلیم سے نہایت دانائی سے علیحدگی کی اجازت حاصل کر لی اور اسی کی ایما پر بنگالے روانہ ہو گیا۔ ان دنوں بنگال کی صوبے داری پر شہزادے سلیم کا برادرِ نسبتی راجا مان سنگھ فائز تھا۔

اس سرسبز و شاداب و دریاؤں کی سرزمین نے اسے بے حد متاثر کیا۔ راجا مان سنگھ نے اسے اپنے اصطبلوں کا نگران بنا دیا۔ پرانا نگران بوڑھا ہو چکا تھا۔ قلعے کے اندر ہی اس کا قیام تھا۔ عہدے سے سبکدوشی کے بعد اصولاً اسے اپنی قیام گاہ چھوڑ دینی چاہیے تھی لیکن نادر تنہا تھا اس لیے اس نے اس قیام گاہ کے دو کمرے خالی کرا لیے۔ بقیہ میں بوڑھا نگران اپنے تین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

نفری کنبے اور دو ملازموں کے ساتھ رہتا رہا۔ ملازموں میں ایک عورت تھی اور ایک مرد، وہ بڑے میاں کی منظوری سے مرد ملازم سے اپنے کام بھی لینے لگا۔ بوڑھے نوازش علی کو اگر یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ نادر اس منصب پر شہزادے سلیم کی وساطت سے آیا ہے تو وہ اس کا جینا حرام کر دیتا۔ وہ اس منصب پر اپنے بھتیجے شیرباز کو فائز دیکھنا چاہتا تھا لیکن بار بار بلانے کے باوجود وہ آگرے سے نکلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ مان سنگھ کے دبدبے اور شہزادے سلیم کے خوف سے نوازش علی نے خاموشی اختیار کر لی لیکن اس کے انداز اور تیور میں حسد اور کھسیانا پن صاف محسوس ہوتا تھا۔ اس نے معلوم نہیں کس دل سے نوجوان نادر سے یہ مربیانہ سلوک بھی روا رکھا کہ اس کے کھانے پینے کے معقول بندوبست کے ہونے تک یہ ذمے داری اپنے سر لے لی۔

اصطبل کے عملے اور جانوروں کے تفصیلی جائزے کے بعد اس نے ملازم تحفے کو ساتھ لیا اور قلعے کے باہر گھوم پھر کر علاقے کے جغرافیائی محلِ وقوع اور مقامی لوگوں کے خد و خال اور عادات و اطوار کا جائزہ لینے نکل کھڑا ہوا۔ یہاں اس نے جگہ جگہ ٹیلے کھڑے دیکھے جن کی زیادہ سے زیادہ اونچائی دس گز اور چوڑائی بیس گز تھی۔ اس نے اپنے ملازم رہبر سے پوچھا۔ "یہ یہاں کثیر تعداد میں ٹیلے کیوں تعمیر کیے گئے ہیں؟"

تحفے نے جواب دیا۔ "حضور! یہاں سیلاب اور طوفان کا بڑا زور رہتا ہے، ان کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے یہاں والے ان ٹیلوں پر چڑھ جاتے ہیں۔"

اتنے میں چند سیاہ فام عورتیں ان کی طرف بڑھتی نظر آئیں ان کے جسم تقریباً عریاں تھے انہوں نے قریب آتے ہی مقامی زبان میں تحفے سے کچھ پوچھا اور جواب پاتے ہی ان عورتوں نے نادر کے قدموں میں جھک کر سلام کیا۔

نادر کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے تحفہ اس کی پریشانی بھانپ گیا۔ ہنستے ہوئے بولا "حضور! ابھی نئے ہیں، بغیر بتائے مقامی رسم و رواج نہیں سمجھ سکیں گے" پھر ان عورتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "یہ یہاں کی مقامی سیاہ کی عورتیں ہیں اور یہاں کا یہ دستور ہے کہ اعلا منصب داروں کے روبرو تعظیم و تکریم کے لئے مردوں کی جگہ ان کی عورتیں جایا کرتی ہیں یہ عورتیں بھی اسی غرض سے حاضر ہوئی ہیں۔"

سیاہ چمکتے ہوئے گدرائے جسموں میں تناسب اس غضب کا تھا کہ نادر ان کے رنگ کو بھلا بیٹھا اور ان کے رس میں کھو گیا، ان کی عریاں بانہیں آبنوس کی تراشی ہوئی گول شاخیں تھیں اور بیضوی مسکراتے ہوئے چہرے کسی ماہر سنگ تراش کے ایسے شاہکار تھے جو سنگِ اسود (سیاہ پتھر) تراش کر بنائے گئے ہوں، ان کے ابھار جسم کی حرکت سے یوں ہلنے لگتے جیسے کپڑے کے اندر دو فاختائیں پھڑپھڑا رہی ہوں۔

چالاک تحفہ نادر کی محویت اور انہماک کا مفہوم سمجھ گیا۔ بولا۔ "حضور! یہ بنگال ہے، مقامی زبان میں بنگ جگہ کو کہتے ہیں اور آل کا مطلب ہے ٹیلے، بنگال یعنی ٹیلوں کی سرزمین۔" پھر اپنا مطلب اشاروں میں ادا کرتا ہوا بولا۔ "یہ سرزمین ہی ٹیلوں کی ہے، ٹیلوں کی کیا فکر کرنا، جتنے درکار ہوں گے مل جائیں گے۔"

عورتیں تعظیم و تکریم بجا لانے کے بعد چلی گئیں لیکن نادر کے جذبات میں آگ لگ گئی۔ وہ شمالی ہند سے تعلق رکھتا تھا جہاں عورتیں پردے میں رہتی ہیں لیکن یہاں ان کا جلوہ دیدنی تھا۔ ایک کیف، ایک نشہ، ایک مستی سارے خون کے ساتھ دوڑنے لگی۔

جب وہ کمرے کا قفل کھول کر اندر داخل ہوا تو ایک نہایت حسین اور وحشت زدہ لڑکی کو اندر کھلنے والے دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ معلوم نہیں کس چیز سے گھبرا گئی تھی۔ نادر تیزی سے آگے بڑھا اور اندرونی دروازے سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اب لڑکی کے بھاگنے کی راہ بند ہو چکی تھی۔

لڑکی وحشت زدہ سی اٹھی اور اس کی نظریں جو نادر سے ٹکرائیں تو نادر کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو گئی ان میں ایک سحر تھا جس نے نادر کے اندر کی دنیا کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ سینے کا تموج ایک بھونچال تھا جس سے نادر کا وجود ہلنے لگا، گلابی چہرہ شراب تھا جس نے نادر کو بے خود و بے بس کر دیا۔ ابھی وہ کسی نتیجے پر بھی نہ پہنچا تھا کہ کسی نے پشت پر قدرے دھکا دیا اور وہ اپنی جگہ سے دھکیلا ہوا آگے کو دوڑ سا گیا۔ دروازہ پاٹوں پاٹ کھل گیا اور لڑکی غڑاپ سے اس میں داخل ہو گئی۔ اس نے پھرتی سے گھوم کر بند ہوتے ہوئے دروازے میں جو دوسری شکل دیکھی وہ گھر کی خادمہ تحفے کی تھی۔ تیس بتیس سالہ گدرائے ہوئے جسم اور تیکھے نقوش والی سانولی تھی۔

کمرے میں بیٹھ کر وہ دیر تک اندرونی دروازے سے کان لگائے بیٹھا رہا جہاں اس کی معلومات کے مطابق سابق داروغۂ اصطبل کی نوجوان خوبصورت بیٹی حور بانو موجود تھی اس نے حور بانو کی آواز یا چوڑیوں کی کھنک سننے کے لئے گھنٹوں دروازے سے کان لگائے رکھے لیکن اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ اس طرح کئی دن گزر گئے منصبی امور سے فرصت پا کر وہ جب بھی واپس آتا اس کی توجہ کا مرکز حور بانو کا خیال ہوتا۔ حور بانو اپنی ایک جھلک سے اس کے ہوش و حواس پر چھا گئی۔

اندر کی خادمہ تحفے اب جب بھی اس کے کمرے میں آتی، ادھر ادھر کی باتوں میں کافی وقت گزار دیتی۔ بظاہر دونوں ہی چند دن پہلے پیش آنے والے حسین حادثے کو بھلا چکے تھے لیکن نادر کے دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ ایک دن جب تحفے آئی تو اس کی گود میں ایک نہایت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

خوبصورت بلی دبکی ہوئی تھی۔ نادر نے پوچھا۔ "یہ بلی پالنے کا کسے شوق ہے؟"

فتّے نے جواب دیا۔ "حور بانو بی بی کو۔ وہ اس سے بہت محبت کرتی ہیں!"

نادر نے بلی کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس نے دو ایک بار میاؤں میاؤں کیا اور نادر کو اجنبیت سے دیکھنے لگی۔ اسے بلی میں حور بانو کی شبیہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے اسے اپنی ناک سے لگایا تو ایک عجیب سی خوشبو محسوس کی۔ حور بانو کے کنوارے جسم کی خوشبو۔ سارے جسم میں ایک مستی، ایک کیف دوڑ گیا۔ پھر اچانک ایک خیال کے تحت اس نے فتّے سے پوچھا "اندر کون کون ہے؟"

فتّے نے جواب دیا "حور بانو اور ان کی والدہ۔ نوازش علی میاں کہیں گئے ہوئے ہیں۔"

نادر نے پوچھا۔ "یہ بتاؤ تمہاری بی بی کچھ پڑھی لکھی بھی ہیں؟"

فتّے نے کچھ سمجھتے ہوئے جواب دیا "خوب اچھی طرح۔ کیوں؟"

نادر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا "حور بانو کی والدہ کے کیا مشاغل ہیں؟"

فتّے نے جواب دیا۔ "مشاغل کیا ہوں گے بھلا ان کے، ان کا زیادہ وقت افیون کے نشے میں گزر جاتا ہے۔ اس وقت بھی نشے میں پڑی ہوئی ہیں!"

نادر کو جیسے اطمینان سا ہو گیا۔ بولا "فتّے! اگر تم چاہو تو ہم تمہیں مالا مال کر سکتے ہیں، ہم یہاں تنہا ہیں تم ہمارے کام بھی کر دیا کرو، ہم تمہیں اس کا معقول معاوضہ دے دیا کریں گے!"

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور لکھ کر بلی کے گلے میں ایک رقعہ باندھ دیا۔ "خوبصورت بہت خوبصورت۔ بالکل حوروں جیسی، بلکہ حور......" وہ حور کے آگے بانو بھی لکھنا چاہتا تھا لیکن حوصلہ نہ پڑا۔ پھر بلی کے ساتھ فتّے کو ایک اشرفی بھی ملی۔ فتّے نے جھجکتے جھجکتے اشرفی مٹھی میں دبالی۔

جب وہ واپس جانے لگی تو نادر نے ہلکی ہلکی آواز میں کہا "فتّے! حور بانو سے کہنا آپ کی بلی بہت حسین ہے۔ شاید آپ ہی کی طرح اور دیکھو یہ بلی انہی کی گود میں دینا اور کہنا ہم اس گستاخی کی معافی چاہتے ہیں!"

فتّے چلی گئی۔ نادر رات گئے تک کسی خطرے کا منتظر رہا۔ اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ حور بانو پر اس کی اس حرکت کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ پوری رات بے چینی اور اندیشے میں گزر گئی۔ صبح جب نوازش علی سے اس کا سامنا ہوا اور انہوں نے بے دلی سے اس کے سلام کا جواب دیا تو اس کی تشویش میں کچھ زیادہ اضافہ ہو گیا۔ فتّے دو ایک بار آئی بھی تو زیادہ دیر ٹھہری نہیں۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پورا ماحول اس کی شرارت اور فتّے کے چور سے واقف ہو چکا ہے۔ وہ اپنے کمرے ہی میں پڑا رہا کہیں

جا بھی نہ سکا۔

دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے اس نے نوازش علی کو گھوڑے پر سوار کہیں جاتے دیکھا تو کچھ جان میں جان آئی۔ اس نے باہر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کچھ ہی دیر بعد دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس نے مرتعش ہاتھوں سے جب دروازہ کھولا تو فتّے پہلے دن کی طرح بلی کو گود میں دبائے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ فتّے نے اندر آتے ہی بلی کو نادر کی گود میں دے دیا اور کہنے لگی۔ "حور بانو کہہ رہی تھیں کہ بلی اتنی خوبصورت تو نہیں ہے، لیکن حسنِ ذوق اپنی جگہ ہے۔ بہر حال یہ جسارت ناقابلِ معافی ہے۔"

نادر کی ہمت بندھی اور جان میں جان آئی کہ حور بانو بھی تیار ہے۔ نامہ و پیام کا سلسلہ مشکل تھا لیکن حور بانو تو اتنی حسین تھی کہ اس کے لئے بڑی سے بڑی جرأت کی جا سکتی تھی۔ سو نادر نے نوازش علی کی عدم موجودگی میں کئی مرتبہ حور بانو کو دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کی جسارت کی۔

پھر کئی دن اسی طرح نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔ فتّے مستعدی، راز داری اور ہوشیاری سے یہ خدمت انجام دیتی رہی۔ یہاں تک کہ بات خط و کتابت تک جا پہنچی۔ ابتدائی خطوط میں دونوں طرف سے ذہنوں کی نوک جھونک ہوتی رہی۔ پھر یہی نوک جھونک مروّت اور لحاظ کا رنگ اختیار کرنے لگی اور آخر مروّت اور لحاظ نے محبت کی شکل اختیار کر لی اور خطوں میں سوز و ساز کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اسی طرح ایک دن جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اسے اپنے صندوق کے پاس سونے کی ایک بالی پڑی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے اسے اٹھا لیا۔ ابھی وہ اس پر غور ہی کر رہا تھا کہ فتّے چوروں کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ نادر نے صاف یہ محسوس کر لیا کہ فتّے باتیں تو اس سے کر رہی ہے لیکن اس کی نگاہیں زمین پر ادھر ادھر کچھ تلاش کر رہی ہیں۔

نادر بالی ہتھیلی پر رکھ کر اسے دیکھنے لگا۔ فتّے اس کی طرف لپکی اور خوشامد سے کہنے لگی۔

"یہ بالی مجھے دے دیجئے۔ یہ کہاں سے ملی؟"

نادر نے اسے مٹھی میں بند کر لیا اور چھیڑنے کے لئے پوچھا "یہ ہے کس کی؟"

فتّے نے ٹالنا چاہا۔ بولی۔ "کسی کی بھی ہو یہ آپ مجھے دے دیجئے۔"

نادر نے کرتے کی جیب میں رکھ کر بولا "جب تک یہ نہ بتاؤ گی کہ کس کی ہے اور یہاں کیسے آئی میں نہیں دوں گا!" پھر اندرونی دروازے کے پیچھے کسی کی آہٹ محسوس کر کے بولا "[illegible] تو چور پکڑا گیا۔"

اسی لمحے اندرونی دروازے کے پیچھے سے چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز سنائی دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اور دبی دبی ایک مترنم آواز آئی۔ "خدا کے لئے مت دیکھئے آئندہ آپ کے کمرے میں نہیں آؤں گی!"

فتنے نے مزید وضاحت کی، کہنے لگی۔ "حور بانو تو غلطی سے اس کمرے میں آ گئی تھیں، معلوم نہیں کس طرح کان کی بالی یہاں گر گئی، اب وہ خوف زدہ ہیں کہ اگر....."

نادر نے مزہ لیتے ہوئے بات کاٹ دی۔ "یہ بالی ایک شرط پر واپس ہو گی!"

فتنے نے سہم کر پوچھا "کون سی شرط؟"

نادر نے جواب دیا "تم اپنی حور بانو سے کہو کہ گو یہ بات شرافت سے بعید ہے لیکن چونکہ وہ خود ہمارے کمرے میں بلا اجازت داخل ہونے کی غلطی کر چکی ہیں اس لئے انہیں اس کے جرمانے میں ایک اور غلطی کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔"

اندر سے شرمائی ہوئی آواز آئی "فتنے! تم ان سے معلوم کرو کہ یہ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

فتنے نے یہی سوال اپنی زبان سے بھی ادا کر دیا تو نادر نے کہا "میں یہ بالی اسی کو دوں گا جس کے کان سے یہ میرے کمرے میں گری ہے!"

اندر سے دبی سی آواز آئی۔ "کہو بالی جہاں پڑی تھی وہیں ڈال کر باہر چلے جائیں ہم اندر آ کر اٹھا لیں گے۔"

لیکن نادر کو یہ شرط بالکل پسند نہ آئی، جواب دیا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا!"

اندر سے گھٹی گھٹی ہراساں آواز آئی "اللہ کیوں پریشان کرتے ہیں آپ ذرا دیر میں بابا جان آ جائیں گے!"

"مجبوری" نادر نے کہا "ہمارا تو مخلصانہ یہی مشورہ ہے کہ آپ اپنا وقت ضائع نہ کریں"

فتنے اندر چلی گئی اور کھسر پھسر دونوں میں معلوم نہیں کیا باتیں ہوئیں کہ ذرا دیر بعد سکڑی سمٹائی شرمائی لجائی فتنے کے کاندھے کا سہارا لئے اس کی پشت میں اپنا چہرہ چھپائے حور بانو کمرے میں داخل ہو گئی اور فتنے کی بغل سے ہاتھ بڑھا کر بولی "اب تو دے دیجئے!"

نادر نے شوخی سے کہا۔ "واہ یوں نہیں!" پھر جیب سے بالی نکالی، کمرے حور بانو کے پاس پہنچ گیا اور جرات سے کام لے کر کان کی طرف بالی والا ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ جس کی امانت ہے ہم اسی کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، کان کی امانت کان ہی کو دی جائے گی!"

حور بانو اور زیادہ دبک گئی، نادر نے بالی اس کے کان میں ڈال دی۔ جس وقت انگلیاں حور بانو کے جسم سے مس ہوئیں تو کئی بوتلوں کا نشہ چڑھ گیا۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ دیوانگی میں وہ کتنی بڑی جرات کر بیٹھا تھا۔

حور بانو کا شرم سے چہرہ سرخ ہو گیا ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ فتنے کی بغل سے

اور نادر کے چہرے پر اپنی آنکھوں سے ٹکی، خجالت اور بے بسی کا تاثر دیتا ہوا پھر وہیں دبک گیا۔ نادر نے اس ایک جھلک میں اپنا سب کچھ گنوا دیا۔ تمتماتے ہوئے سرخ گالوں اور بڑی بڑی سیاہ مخمور آنکھوں نے اسے پوری طرح فتح کر لیا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ دونوں جا چکی تھیں اور وہ دیوانوں کی طرح بند دروازے پر نظریں جمائے دیر تک کھڑا رہا

نہیں یہ اس کا حسن ظن تھا یا حقیقت کہ دروازے کے پیچھے چوڑیوں کی کھنک اور دبی دبی مترنم ہنسی کی آواز کیف و مستی بن کر اس کے رگ و پے میں اترتی چلی جا رہی تھی۔

نادر نے خط و کتابت سے تعلق استوار کرنے کے بعد پہلی دفعہ حور بانو کو دیکھا تھا اور اب دوبارہ دیکھنے کی ہوس کی آگ میں جل بھن رہا تھا۔ پھر جنوں کی حدود میں پہنچ جانے کے بعد فتنے کے ذریعے اسے یہ تشویشناک خبر ملی کہ حور بانو کا باپ نوازش علی آگرے جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس خبر نے اس کا دل ڈبو دیا۔ لگا فتنے پر مہربانیوں اور نوازشوں کی بھرمار ہو گئی۔ کئی بار حرف مطلب زبان تک آتے آتے رہ گیا۔

فتنے بھی اس کی بے چینی سے خوب واقف تھی لیکن شاید وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

ایک دن صبح ہی صبح جب وہ آئی تو نادر اداس سر جھکائے بیٹھا اپنے انجام پر کچھ سوچ رہا تھا۔ فتنے کچھ دیر کھڑی اس کی حالت پر غور کرتی رہی۔ پھر بولی۔ "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

نادر نے سر اٹھایا اور پھیکی مسکراہٹ سے پوچھا۔ "تم کب آئیں فتنے؟"

فتنے نے جواب دیا۔ "ابھی ابھی آئی ہوں۔" پھر ایک دم چہرہ لٹکا کر کہنے لگی۔ "جیسے جیسے ان لوگوں کے آگرے جانے کے دن قریب آتے جا رہے ہیں میری مصروفیت اور پریشانی میں اضافہ ہو رہا ہے!"

نادر نے حیرت اور افسوس سے پوچھا۔ "ان لوگوں کے جانے سے تمہیں کس پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا؟"

فتنے نے دل جلے انداز میں جواب دیا۔ "میں نہیں جانا چاہتی، میں یہیں رہنا چاہتی ہوں!"

نادر نے کہا۔ "تو رہو ہمارے پاس، ہمارے ساتھ رہو، تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟"

فتنے کے چہرے پر خوشی کی تازگی دوڑ گئی۔

نادر نے کچھ دم لے کر اپنی درخواست پیش کر دی۔ بولا "فتنے ان لوگوں کے جانے سے پہلے ہمارا ایک کام کر دو!"

فتنے نے پوچھا "کیا کام فرمایئے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

نادر نے ہمت کرکے صاف صاف مطلب بیان کردیا۔ "تم ہمیں ایک بار حور بانو سے اور ملادو!"

یہ کہہ کر وہ فتنے کی صورت دیکھنے لگا اس طرح اب وہ اپنے سوال کے ردعمل کا جائزہ لے رہا تھا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد فتنے نے جواب دیا۔ "ایسی ملاقاتوں سے کیا فائدہ کیوں آپ جی کو جلاتے ہیں۔ بہرحال آج دوپہر آپ انتظار کریں۔ میں کوشش کروں گی اگر حور بانو بھی رضامند ہو گئیں تو ملاقات ضرور ہو جائے گی۔"

نادر کا مارے خوشی کے حال ہی کچھ اور ہو گیا۔ اس نے فتنے کو انعام کے طور پر کچھ اشرفیاں اور کھانے کو پھل پیش کیے۔ فتنے نے اشرفیاں مٹھی میں دبائیں اور پھل کھا کر منہ پونچھتی ہوئی واپس چلی گئی۔

دوپہر سے دو گھڑی پہلے ہلکے گلابی کپڑوں میں ملبوس حور بانو لجاتی شرماتی فتنے کی کوششوں سے اندرونی دروازے تک آکر ٹھٹک گئی۔ نادر نے پرشوق نظروں سے دیکھا کہ فتنے کے گورے گورے صحت مند ہاتھ حور بانو کو نادر کے کمرے میں دھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور حور بانو بار بار پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ اسی کشمکش میں فتنے کے ایک زوردار دھکے سے حور بانو نادر کے کمرے میں داخل ہو گئی اور فتنے نے پھرتی سے دروازے بند کر لیے۔ حور بانو کا دوپٹہ فتنے کے ہاتھ میں پھنس کر دروازے کے دوسری طرف ہی رہ گیا۔ فتنے نے کوئی پرواہ کیے بغیر دروازے کی زنجیر چڑھا دی۔ اب حور بانو کا بہت برا حال تھا، اس کشمکش میں جہاں وہ بے دوپٹہ ہو گئی تھی وہیں اس کے بال بھی بکھر گئے تھے، شرم و حجاب میں فرار کی راہیں مسدود دیکھ کر وہ کمرے کے فرش پر اکڑوں بیٹھ گئی اور دونوں گھٹنوں میں سر ڈال کر چہرہ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور انگلیوں سے سر چھپا لیا۔

دوسری طرف سے سرگوشی میں فتنے کی آواز سنائی دی۔ "میں یہیں برابر کے کمرے میں موجود ہوں باتیں کر کے دروازہ تھپتھپا دینا میں زنجیر کھول دوں گی!"

نادر جھجکتا جھجکتا حور بانو کے قریب پہنچ گیا۔ وہ گٹھری بنی ہوئی حور بانو کے سر پر فکرمند کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے اس کے بالوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور سرگوشی میں کہا۔ "حور بانو!"

حور بانو کچھ اور سکڑ گئی، نادر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا، بولا۔ "حور بانو شرمائیے نہیں، ادھر دیکھیے ہماری طرف۔ جب سے ہم نے آپ کو دیکھا ہے، آنکھیں خواب کو ترس گئی ہیں!"

حور بانو بدستور سکڑی سمٹی رہی بالکل چھوئی موئی کی طرح جو انسانی لمس سے مرجھا جاتا ہے۔

نادر نے زیادہ جسارت سے کام لیا اس کے پہلو میں گدگدی کر دی جس کی تاب نہ لا کر حور بانو فرش پر ڈھیر ہو گئی اور اشکبار نظروں سے نادر کو دیکھا۔

"ارے آپ رو رہی ہیں! یہ کیوں؟" نادر پریشان ہو گیا۔

حور بانو نے بھرائی آواز میں کہا۔ "بابا جان کو آ جانے دیجیے، ہم ان سے فتنے کی بھی گردن کٹوا دیں تو ہمارا ذمہ!"

نادر نے کہا۔ "اور فتنے کے ساتھ ہم کو بھی قتل کرا دیجیے ہم تو زندگی سے یونہی بیزار ہو چکے ہیں!"

حور بانو نے کوئی جواب نہ دیا۔ نادر نے اس کے گرد آلود کپڑوں کی دھول جھاڑتے ہوئے کہا۔ "ہم بخوشی قتل ہونے کو تیار ہیں لیکن اس سے پہلے ہمیں اپنے دل کا بوجھ تو اتار لینے دیجیے!"

حور بانو نے بے بسی سے نادر کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو "کیا بوجھ ہے؟"

نادر نے کہا۔ "پہلے اس خاکی فرش کو تو چھوڑیے اور چوکی پر تشریف لے چلیے اس کے بعد دل کی داستان عرض کی جائے گی۔ اب آپ اتنی اجنبی ہو گئی ہیں ہمارے لیے خطوط میں تو آپ خاصی شوخ نظر آتی ہیں!"

حور بانو نے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا دوپٹہ!"

نادر دروازے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ "ہم ابھی لا دیتے ہیں آپ کا دوپٹہ لیکن پہلے آپ بھی یہ وعدہ کیجیے کہ دوپٹہ مل جانے پر ہمیں شرف ہمکلامی سے محروم نہیں فرمائیں گی!"

حور بانو نے شرمائی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ "وعدہ!"

نادر نے دروازے کو آہستہ آہستہ دو بار تھپتھپایا اور سرگوشی میں کہا۔ "فتنے حور بانو کا دوپٹہ دے دو!"

جواب میں ذرا سا دروازہ کھلا اور دوپٹہ نادر کے ہاتھ میں آ گیا۔ نادر نے یہ دوپٹہ حور بانو کے حوالے کر دیا۔

حور بانو نے دوپٹے کو سر پر ڈال کر اس کے دونوں سروں سے شانوں اور سینے کو چھپا لیا۔

نادر نے درخواست کی "اب براہ کرم چوکی پر تشریف لے چلیں!"

حور بانو دلہنوں کی طرح چل کر چوکی پر جا بیٹھی۔ اس کے سامنے خود نادر خادم کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کھڑا ہو گیا۔

نادر نے پہلی بار اس قیامت کا سرتاپا جائزہ لیا۔ ہلکے گلابی لباس میں ڈھنپا ہوا گلابی جسم ایسا لگتا تھا جیسے گلاب کے پھول نے نسوانی پیکر اختیار کر لیا ہو۔ گلابی اور گلنار چہرے پر سیاہ بالوں کی وہی حیثیت تھی جو صبح یا شام کو افق پر کھلی ہوئی ہلکی شفق میں مثل سانپ سیاہ بادلوں کی ہوا کرتی ہے۔

نادر نے بالوں کی چند ریشمی انگلیوں میں لے کر ناک سے لگائیں اور ان کی خوشبو سے مست و سرشار ہو گیا۔ حور بانو ایک بار پھر سکڑنے لگی۔ نادر نے کہا۔ "حور بانو یقین کیجئے ہم آپ کی محبت کے اسیر ہو چکے ہیں اور ہم اس سے بالکل نہیں ڈرتے کہ آپ کے والد ہمیں جرم محبت میں قتل بھی کر سکتے ہیں۔"

حور بانو کی نحیف سی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "لیکن آپ شاید یہ نہیں جانتے ہم کسی کی امانت ہیں۔ کسی سے منسوب ہو چکے ہیں!"

نادر نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟ پھر آپ نے ہم سے راہ و رسم کیوں بڑھائی؟"

حور بانو نے شرمندگی سے جواب دیا۔ "شرمندہ ہیں، غلطی ہوئی!"

"حور بانو۔ ہم ہمیشہ کے لئے آپ کو اپنا بنانا چاہتے ہیں۔"

"مگر میں پیدائش کے فوراً بعد ہی اپنے چچا کے لڑکے شیر باز کے لئے مانگی جا چکی ہوں۔ ہماری نال کے جھگڑے میں شیر باز کی ماں نے ہماری طلب کا بیعانہ ڈال دیا تھا۔"

نادر ہنسنے لگا۔ لاپرواہی سے بولا۔ "یہ کوئی بات نہیں، اصل چیز تو نکاح ہوتی ہے۔"

حور بانو نے اکتا کر کہا۔ "ہمیں واپس جانے دیجئے۔"

نادر نے جواب دیا۔ "ابھی ہم دونوں کی باتیں تو ہوئی نہیں!"

دوپٹے کی آڑ سے اس نے نادر کو دیکھا۔ بڑی بڑی پلکوں کے دو رویہ صحرائی جنگلے میں نشیلی آنکھوں کی کٹوریاں اس طرح محفوظ تھیں جیسے انہیں سیاہ تاروں کی باڑ کے اندر قید کر دیا گیا ہو۔

نادر نے کہا۔ "حور بانو! آپ ہمیں بس اس بات کی اجازت مرحمت فرما دیں کہ اگر ہم آپ کے پدر بزرگوار سے آپ کے رشتے کی بات کریں تو آپ اس کی مخالفت نہیں کریں گی!"

حور بانو نے وحشی ہرنی کی طرح خوفزدہ نظروں سے نادر کو دیکھا اور کہنے لگی۔ "بابا جان سے اس موضوع پر بات کبھی نہ کیجئے گا، وہ آپ سے بالکل خوش نہیں ہیں!"

نادر نے پوچھا۔ "ہم سے خوش کیوں نہیں ہیں؟"

حور بانو اب کچھ بے تکلف ہو گئی تھی، کہنے لگی۔ "جس منصب پر آپ فائز ہیں وہ یہاں شیر باز کو دیکھنا چاہتے تھے۔" ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "لیکن خدا کو شاید یہ منظور نہ تھا اس لئے اس نے یہاں آپ کو بھیج دیا اور شیر باز کو ایک ایسے خیالِ خام میں مبتلا کر دیا کہ پتہ نہیں اس کا کیا انجام ہو۔"

نادر نے امید و بیم میں دریافت کیا۔ "ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے، کچھ کھل کر فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا!"

حور بانو نے دکھ کے ساتھ کہا۔ "آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ جہاں پناہ شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر کی زندگی کا چراغ قریب غروب ہے، اور ان کی جانشینی کی جنگ میں باپ بیٹے یعنی شہزادے سلیم اور خسرو میں آویزش جاری ہے، خسرو چاہتا ہے کہ اپنے باپ سلیم کی جگہ اپنے دادا اکبر کے آنکھ بند کرتے ہی ہندوستان کا فرمانروا بن جائے لیکن شہزادے سلیم اپنے بیٹے خسرو کو حتی الامکان کامیاب نہ ہونے دیں گے!" پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ شیر باز شہزادے خسرو کی حمایت کر رہا ہے!"

نادر نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "خسرو اور اس کے حمایتی احمق ہیں!"

حور بانو نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "یہاں ایسی باتیں نہ کیجئے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا!"

"وہ کس طرح؟" نادر نے پوچھا۔

حور بانو نے جواب دیا۔ "شہزادہ سلیم راجا مان سنگھ کے بہنوئی ہیں اور خسرو ان کا بھانجا، راجا مان سنگھ اپنے بھانجے کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہاں خسرو کے خلاف زبان کھولنے کا یہ مطلب ہے کہ راجا مان سنگھ کی مخالفت کی جائے۔ یہ علاقہ راجا مان سنگھ کا ہے، اس کا بطور خاص خیال رہے!"

نادر نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "سر دست ہم ان سیاسی جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہمارے باب میں آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا آپ ہمیں یوں ہی جلتے رہنے دیں گی؟"

حور بانو خاموش ہو گئی۔ نادر نے اس کے بالوں کو بوسہ دیا تو وہ تلملا کر رہ گئی۔ اکتا کر بولی۔ "ہمیں جانے دیجئے!"

"آپ کو روک کون سکتا ہے!" نادر نے کہا۔ "ذرا اپنا چہرہ اوپر تو اٹھائیے۔ ہم جی بھر کے اسے دیکھ تو لیں!"

حور بانو کھڑی ہو گئی۔ غصے میں بولی۔ "اب ہم مزید برداشت نہیں کر سکتے!"

نادر نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تو چھڑانے کی جدوجہد کرتی ہوئی بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

"چھوڑ دیجیے، ستاتے نہیں، اگر باداجان کو ان باتوں کی اطلاع ہو گئی تو ہم دونوں کو جان سے مار دیں گے!"

نادر نے اپنی گرفت اور مضبوط کر لی، بولا۔ "بس ایک شرط پر ہم آپ کو چھوڑ سکتے ہیں!"

"شرط ورط کچھ نہیں، آپ ہمیں چھوڑ دیجیے بس!"

نادر پر ایک کیف طاری تھا۔ سارے جسم میں مستی سی دوڑنے لگی، عالمِ سرمستی میں کئی جگہ بوسے ثبت کیے اور کہنے لگا "حور بانو! ہم آپ کے بغیر زندہ نہ رہ سکیں گے کچھ بھی ہو اب تو ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ یا تو آپ کو حاصل کر لیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔"

لیکن حور بانو کے پاس ان تمام باتوں کا ایک ہی جواب تھا۔ "ہمیں چھوڑ دیجیے، ہمیں جانے دیجیے!"

اور جب ان دونوں کی علیحدگی عمل میں آئی تو نادر کو کچھ بھی پتہ نہ تھا کہ حور بانو کا آئندہ اقدام اس کی حمایت میں ہو گا یا مخالفت میں۔

اندرونی دروازہ کھلنے پر فتے کا ناخوشگوار اثرات لیے چہرہ نمودار ہوا تو اس کے کانوں میں بڑبڑاہٹ کی بھنک پڑی، فتے ترشی سے کہہ رہی تھی۔ "آپ کو یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا اگر حور بانو نے سچ مچ شکایت کر دی تو میں پہلے ہی قتل کر دی جاؤں گی!"

نادر نے لاپرواہی میں جواب دیا۔ "داروغۂ اصطبل ہم ہیں، اب بوڑھا نوازش علی تو کچھ بھی نہیں رہا، ہم جب چاہیں اسے قید میں ڈال سکتے ہیں!"

لیکن جب اندر سے حور بانو نے بھی فتے کے ذریعے کہلوا دیا کہ "ہم مجبور ہیں، آپ کا ساتھ شاید نہ دے سکیں گے!" تو نادر پریشان ہو گیا۔

اصطبل کے سائیس، بہشتی اور دوسرا عملہ اب بھی نوازش علی کی عزت کرتا تھا، جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ نوازش علی آگرے جانے کی تیاری کر رہا ہے اور راجہ مان سنگھ نے بھی لے چلے جانے کی اجازت دے دی ہے تو انہیں بڑا صدمہ ہوا۔ جب یہ لوگ نوازش علی کو رکنے پر مجبور کرتے تو وہ پوچھتا۔ "اب میں یہاں کس تقریب سے رکوں؟ میرا منصب مجھ سے چھن چکا، یہاں مزید ٹھہرے رہنے کا جواز ہی کیا باقی رہ گیا ہے؟"

محلے کے کچھ لوگ نوجوان نادر اور حور بانو کو ایک ساتھ اپنے ذہنوں میں لاتے اور ان دونوں کی آپس میں مستقل وابستگی کی تجویز پیش کرنا چاہتے لیکن کسی کو ہمت نہ پڑی، کسی نے اشاروں میں اگر یہ بات کہی بھی تو بوڑھا نوازش علی گویا بھتے سے اکھڑ گیا اور یہ کہہ کر کہنے

والے کی زبان بند کر دی کہ "میں نے راجا مان سنگھ کی خدمت کی ہے اور مرا جانہیں چاہتا کہ شہزادہ سلیم برسر اقتدار آتے وہ اپنے بھانجے خسرو کو ہندوستان کا حکمران دیکھنا چاہتا ہے۔ جدھر راجا ہو گا ادھر ہی نوازش علی ہو گا کیونکہ نوازش علی نمک حرام نہیں ہے۔"

جو فتے پہلے مہربان تھی، اب وہ بھی کھنچی کھنچی رہتی تھی اسی کی کوششوں سے حور بانو اس سے ملی تھی، گو اس ملاقات کے صلے میں اس نے فتے کو اشرفیوں سے نواز دیا تھا لیکن اب مزید اشرفیوں کی طمع بھی فتے میں نرمی اور خوش اخلاقی پیدا نہ کر پا رہی تھی۔ فتے کو نادر سے ایک ہی شکایت تھی کہ حور بانو سے ملاقات کے دوران نادر نے احتیاط اور بردباری سے کام نہیں لیا، اگر حور بانو واقعی اپنے باپ نوازش علی سے شکایت کر دیتی تو معلوم نہیں کس کس کے لئے کب کی قیامت آ چکی ہوتی۔ نادر بھی صبر اور احتیاط سے کام لے رہا تھا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ نوازش علی عنقریب آگرے چلا جائے گا تو وہ بے چین ہو گیا۔ وہ یہاں تک تیار ہو چکا تھا کہ اگر وہ حور بانو کو جائز طریقے سے حاصل نہ کر سکا تو ناجائز طریقوں سے بھی باز نہ رہے گا لیکن اس سلسلے میں وہ ایک ملاقات اور کرنی چاہتا تھا، اس آخری ملاقات میں وہ حور بانو کے قدموں میں گر کر درخواست کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ اگر اس درخواست سے حور بانو کا دل پسیج گیا تو ٹھیک ورنہ پھر وہ اس سلسلے کا انتہائی اور آخری قدم اس طرح اٹھائے گا کہ وہ کسی بھی طرح حور بانو کو قابو میں لا کر چپ چاپ آگرے روانہ ہو جائے گا اور اپنے مربی اور محسن شہزادے سلیم کے سایۂ عاطفت میں پناہ لینے کی کوشش کرے گا۔

جب فتے کو حور بانو سے ملاقات پر آمادہ کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ "حور بانو خود ہی ملاقات پر آمادہ نہیں ہیں، کہتی ہیں ان کی ماں کڑی نگرانی کر رہی ہیں!"

نادر نے اداسی سے پوچھا۔ "لیکن حور بانو کی والدہ پہلی ملاقات پر بھی تو گھر ہی میں موجود تھیں، پھر وہ ملاقات کس طرح ممکن ہو گئی تھی؟"

فتے نے جواب دیا "یہ راز کی باتیں نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔"

"پھر بھی!" نادر نے کہا۔ "ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہم ہر قیمت پر حور بانو سے ایک آخری ملاقات ضرور کریں گے!"

فتے نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "لیکن اس ملاقات سے حاصل کچھ بھی نہ ہو گا، حور بانو اپنے باداجان کی مرضی کے خلاف کوئی بڑا قدم اٹھانا تو درکنار، کوئی معمولی سا وعدہ بھی نہیں کر سکتیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

نادر نے ضدی انداز میں کہا۔ "یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ خود بانو ہمارے خلاف قدم اٹھاتی ہیں گی یا حمایت میں، تم تو بس کسی طرح ہم دونوں کی ملاقات کرادو۔"

فتے کچھ نرم پڑ گئی، بولی "میں تو راضی ہوں لیکن خود خود بانو شاید تیار نہ ہوں!"

نادر نے عاجز آ کر کہا۔ "اُفوہ! تم کوشش تو کرو!"

فتے نے بادلِ ناخواستہ کہا۔ "اچھا کوشش کروں گی۔"

نادر نے فوراً ہی چند اشرفیاں فتے کے حوالے کیں، بولا۔ "انہیں رکھو، ملاقات کے بعد اور بھی دیں گے۔"

فتے نے اشرفیاں کرتے کی جیب میں ڈالیں اور آنچل سے چہرے کا پسینہ خشک کرتی ہوئی چلی گئی۔

*

موسلا دھار بارش میں چند گھڑسوار قلعے میں داخل ہوئے اور پھر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے سیدھے نوازش علی کی ڈیوڑھی کے صدر دروازے پر پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ شلوار نما تنگ موہریوں کے پاجامے پر لمبے لمبے کرتے کمر پر رنگین پٹکوں سے کسے ہوئے تھے اور پٹکوں کے رنگ برنگے سرے ناف کے نیچے لٹک رہے تھے ان کے لباس پانی میں شرابور تھے اور لٹکتے ہوئے پٹکوں کے سروں سے پانی ٹپک ٹپک کر ان کے جوتوں کو مزید تر کر رہا تھا۔ ان دس آنے والوں میں ایک سرکش جوان بھی تھا، اس کی گردن میں ایک قسم کا متمردانہ کھنچاؤ اور ترچھا پن تھا، بقیہ نو ساتھی اس کے ماتحت اور اطاعت گزار نظر آتے تھے۔

نادر انہیں دیکھتے ہی اپنے کمرے سے باہر آ گیا اور مغرور نوجوان سے نہایت نرم لہجے میں دریافت کیا "کوئی شاہی پیغام؟ ہم آپ حضرات کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔؟"

اجنبی نوجوان متکبرانہ شان سے مسکرایا اور کہا۔ "ہم داروغہ اصطبل نوازش علی سے ملنا چاہتے ہیں!"

نادر نے بھی حاکمانہ انداز اختیار کیا اور پُر وقار لہجے میں جواب دیا۔ "نوازش علی اپنے منصب سے علیحدہ کیے جا چکے ہیں اور ان کی جگہ ہم نے یہ منصب سنبھال لیا ہے!"

اجنبی نے نہایت لاپروائی اور رعونت سے نادر کو دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "اچھا تو اب تم جوان کی جگہ داروغہ اصطبل! خوب لیکن نوازش علی کہاں ہیں؟"

نادر نے جواب دیا۔ "وہ بھی اپنے کنبے کے ساتھ اسی حویلی میں قیام فرما ہیں!"

اجنبی نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "اور خود تم کہاں رہتے ہو؟"

نادر کو اجنبی کا اندازِ تخاطب پسند نہ آیا، اس نے بھی رعونت سے جواب دیا۔ "ہم بھی اسی حویلی میں رہتے ہیں، اصولاً اپنے منصب پر فائز ہونے کے فوراً بعد ہمیں یہ حویلی بوڑھے نوازش علی سے خالی کرا لینا چاہیے تھی لیکن ہم نے ازراہِ ترحم ایسا نہیں کیا!"

اجنبی کی گردن اور زیادہ اکڑ گئی، اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پیش قبض کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ نادر کو خطرے کی بو محسوس ہوئی، اس نے بھی اپنی پیش قبض کے دستے پر ہاتھ رکھا اور اجنبی کی ذہنی کیفیات اس کے چہرے سے پڑھنے کی کوشش کی۔

اجنبی نے رعونت سے پوچھا۔ "نوازش علی کو معزول اور تمہیں اس منصب پر فائز کس نے کیا؟"

نادر نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "جسے لوگوں کو ان کے مناصب سے معزول اور فائز کرنے کے اختیارات حاصل ہیں، اسی کے حکم سے یہ سب کچھ ہوگیا!"

"نوازش علی کو بلاؤ!" اجنبی نے حکم دیا۔

نادر اپنے کمرے میں جاتا ہوا بولا۔ "افسوس کہ ہم تم جیسے بے ادب اور آدابِ گفتگو سے ناواقف شخص سے مزید بات چیت نہیں کر سکتے!"

اس کے چلے جانے کے بعد فتے نے اس خود سر اجنبی کی رہنمائی کی اور اسے نوازش علی سے ملوا دیا۔ کافی دیر بعد فتے اس کے کمرے میں داخل ہوئی، اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور اس کے انداز میں ایک قسم کی سرکشی اور بے نیازی سی پائی جاتی تھی۔

نادر نے دریافت کیا۔ "فتے! یہ کون لوگ ہیں جو نوازش علی سے ملنے آئے ہیں؟"

فتے نے جواب دیا۔ "جناب ان میں ٹیڑھی گردن والا تو اپنے سابق داروغہ اصطبل نوازش علی کا بھتیجا شبیر بانے ہے اور بقیہ اس کے ساتھی، جو ہر وقت اس کی جاں نثاری میں اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں!"

نادر اس خبر سے بہت زیادہ پریشان ہوگیا۔ خود بانو کا تعلق دور تک تھا، اس نے سوچا کہ اب خود بانو کی حصولیابی نہ صرف ناممکن بلکہ ملاقات تک ناممکن ہے۔ اس نے معنی خیز نظروں سے فتے کی طرف دیکھا، ان نظروں نے اس سے کیا پوچھا تھا فتے نے پڑھ لیا، کہنے لگی۔ "بات تو اب ناممکن ہی نظر آتی ہے، پھر بھی ایک فیصلہ کن ملاقات کرانے کی کوشش ضرور کروں گی!"

نادر نے اس کی ہمت بندھائی، بولا۔ "ہاں فتے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم تمہاری پشت پر موجود ہیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

لیکن دو دن کے اندر ہی نادر نے یہ محسوس کر لیا کہ فتّے کی اطاعت گزاری میں وہ پہلی جیسی سرگرمی نہیں رہی۔ اب نوازش علی میں بھی وہ پہلے جیسی مایوسی نہیں پائی جاتی تھی اب اصطبل کا عملہ بھی اس کا کم ہی ادب لحاظ کرتا تھا۔ اسے ایسا لگتا جیسے اب وہ داروغۂ اصطبل نہیں رہا۔ چند دنوں پہلے تک وہ جب باہر نکلتا تھا تو وہاں کی مقامی عورتیں اس کا بڑا ادب و احترام کرتی تھیں لیکن اب وہ بھی نظر انداز کرنے لگی تھیں، نادر کو شک گزرا کہ کہیں شیر باز دار الحکومت سے کوئی خفیہ حکمنامہ تو نہیں لایا ہے اور ایک یہ شک بھی اسے بار بار پریشان کر رہا تھا کہ کہیں خدانخواستہ شہنشاہ اکبر نے شہزادہ سلیم کی جگہ اس کے بیٹے خسرو کو اپنا ولی عہد تو نہیں نامزد کر دیا! اسی اضطراب اور خلفشار میں کئی دن گزر گئے، وہ اپنے فرائض منصبی اس طور پر انجام دے رہا تھا، گویا پروانۂ معزولی موصول ہونے ہی والا ہے اور اس پروانے کی موصولی تک وہ بہرحال اپنی منصبی خدمات انجام دینے کا پابند ہے۔

بارش کی ایسی جھڑی لگی تھی کہ لوگ اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ نوازش علی اس کا بھتیجا شیر باز اور اس کے ساتھی بھی اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکے ہوئے تھے۔ نادر بہت اداس تھا، مشہور سلاطین اور فاتحین کی چند سوانح عمریاں اس کے پاس تھیں، وہ ہر وقت انہی کے مطالعے میں کھویا رہتا تھا۔

سہ پہر کو خلافِ معمول سر پھرا شیر باز اپنے چچا نوازش علی کے ساتھ اس سے ملنے آ گیا۔ نادر نے خندہ پیشانی اور خوش دلی سے دونوں کا استقبال کیا اور انہیں اپنے سامنے اونچی جگہ پر بٹھایا۔

شیر باز نے بیٹھتے ہی رعونت سے کہا۔ "دوست! ہم تمہیں کئی دن سے چپ چاپ اور اداس دیکھ رہے ہیں۔ اگر اس اداسی کا سبب یہ خیال ہے کہ ہم تمہیں تمہارے منصب سے معزول کرنے یا کرانے آئے ہیں تو اس خیال کو فوراً اپنے دل سے نکال دو، ہم اتنے معمولی منصب کو اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتے۔"

نادر اس تلخ لب و لہجے کا کوئی ایسا ہی جواب ضرور دیتا لیکن محض اس خیال سے چپ رہا کہ آنے والے اس کے مہمان ہیں اور مہمانوں کی گستاخیاں بھی صبر و شکر سے برداشت کر لینی چاہئیں۔

شیر باز نے مزید کہا۔ "تم نے ہمارے چچا کو پریشان نہیں کیا، اس کا ہم بطورِ خاص شکریہ ادا کرتے ہیں اور تمہارے احسان کو شاید ہم جلد ہی اتار دیں گے کیونکہ زیادہ دنوں تک کسی کے احسان کو بارِ دوش بنا کر رکھنا دیانت اور شرافت کے خلاف ہے!"

نوازش علی کی بوڑھی اور تجربہ کار عقل نے شاید اسے فوراً ہی یہ محسوس کرا دیا کہ نادر اب زیادہ دیر تک شیر باز کی باتوں کا متحمل نہیں ہو سکے گا، وہ مفاہمت کے لہجے میں بولا۔ "اگر

ان کا نام نادر ہے تو یہ آدمی بھی نادر ہی ہیں، میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اپنا زیادہ وقت نہیں برباد کرنا چاہیئے، اس وقت ہم دونوں اس لئے حاضر ہوئے تھے کہ آخری بار تمہاری شرافت اور مخلصانہ رویے کا شکریہ ادا کر جائیں، پھر کچھ پتہ نہیں کہ کبھی ملاقات ہو بھی یا نہ ہو!"

نادر کا دل ڈوبنے لگا۔ الفاظ خشک گلے میں پھنسنے لگے، بدقت تمام دریافت کیا۔ "کیا آپ لوگ واقعی جا رہے ہیں؟"

"ہاں!" نوازش علی نے جواب دیا۔ "شاید دو دن بعد ہم یہاں نظر نہ آئیں!"

نادر نے مخلصانہ پیشکش کی۔ "اگر آپ چاہیں تو ہم اپنے موجودہ منصب سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں اور آپ بدستور اسی منصب پر فائز رہ سکتے ہیں۔"

شیر باز کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی، اس نے غرور سے کہا۔ "نہیں ہمیں اس معمولی منصب کی کوئی ضرورت نہیں، ہم آگرے واپس جائیں گے اور کوشش کریں گے چچا جان کو شاہی میر آخور (شاہی اصطبل کا افسرِ اعلیٰ) کا منصب مل جائے۔"

نادر چپ ہو رہا۔ شیر باز دیر تک اپنی خود ستائی میں لگا رہا۔

جب چچا بھتیجے راجا مان سنگھ سے ملنے خلیفت آباد چلے گئے تو ایک بار پھر جودھا بائی سے ملنے کی خواہش نے سر اٹھایا لیکن اب اس نازک معاملے میں بہت احتیاط اور صبر و تحمل کی ضرورت تھی۔ فتے کا تو یہ حال تھا کہ جب بھی اس کی نادر سے نظریں چار ہوتیں وہ نظریں چرا کر ادھر ادھر ہو جاتی۔

جب وہ سوچتا کہ جودھا بائی عنقریب یہاں سے چلی جائے گی تو اس کا دم الجھنے لگتا، وہ یہ سوچ کر بالکل ہی مایوس ہو جاتا کہ اب شیر باز کی موجودگی میں شاید جودھا بائی اس سے باتیں کرنا بھی گوارا نہ کرے۔

گہری گھٹاؤں نے ہر سو اندھیرا پھیلا رکھا تھا، کمرہ میں رات کی سیاہی کا گمان ہوتا تھا، نادر نے چاندار ڈھلی اور فانوس روشن کر کے ایک تاریخی مخطوطے کا مطالعہ کرنے لگا۔ اسی لمحے کسی نے آہستہ آہستہ اندرونی دروازے پر دستک دی۔ نادر نے مخطوطے کے زیرِ مطالعہ صفحات میں نشانی رکھ کر اسے بند کر دیا اور اندرونی دروازے پر نظریں گاڑ دیں، کسی نے پھر دستک دی۔ نادر اٹھ کر دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا اور پوچھا۔ "کیا ہے؟ کون کس سے بات کرے گا؟"

اندر سے آئی لرزتی آواز میں فتے نے کہا۔ "دروازہ کھولیے جودھا بائی آخری بار آپ سے چند باتیں کرنا چاہتی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ONEURDU.COM

نادر کو یقین نہ آیا وہ سمجھا کہ کہیں اس طرح چلتے چلتے اس کے خلاف کوئی دامِ تزویر تو نہیں بچھایا گیا ہے۔

اس نے بے رخی سے جواب دیا۔ "کیا بات ہے؟ حور بانو کی والدہ کہاں ہیں؟"

فتنے نے بدستور سرگوشی میں جواب دیا۔ "حور بانو سے جب آپ کی ملاقات کرائی ہوتی ہے تو انہیں افیون مقررہ مقدار سے کچھ زیادہ کھلا دی جاتی ہے۔ آج بھی یہی کیا گیا ہے۔ اب آپ دونوں آزادی سے باتیں کر سکتے ہیں!"

نادر نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ اسی لمحے حور بانو فتنے کا ایک زوردار دھکا کھا کر نادر کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ نادر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور چوکی کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "ہمارے نصیب کہ آپ نے اس ناچیز کو یاد تو فرمایا، یہ تو بتایئے کہ کیا واقعی ہمیں مایوس اور تباہ حال چھوڑ کر دار الحکومت جا رہی ہیں، آپ ہمیں کس پر چھوڑے جا رہی ہیں۔"

حور بانو ایک بے جان مجسمے کی طرح نادر کی مدد سے پرتکلف چوکی پر جا بیٹھی۔ گردن جھکی ہوئی، جسم میں خوف اضطراب کا رعشہ، زبان میں لکنت، دل میں بے شمار الجھنیں اور دماغ اندیشوں اور خدشوں سے بوجھل۔

نادر نے آزردگی سے کہا۔ "حور بانو، معاف کیجئے گا۔ ہم نے آپ کو مبارک باد تو دی ہی نہیں۔ آپ کو جس کا انتظار تھا۔ آخر وہ آ گیا، اب تو آپ خوش ہیں؟"

حور بانو نے اٹک اٹک کر جواب دیا۔ "ان تکلیف دہ باتوں کا ذکر نہ کیجئے۔ کیا ہماری خاطر سے آپ خود آگرے چلنا گوارا نہ فرمائیں گے؟"

نادر نے اداسی سے جواب دیا۔ "آپ کی خاطر تو ہم جان تک دے سکتے ہیں لیکن آپ نے دل کو جو چرکا لگایا ہے اب اسے خشک ہی ہو جانے دیجئے!"

حور بانو نے دہشت زدگی سے کہا۔ "ہمارے پاس زیادہ باتوں کا وقت نہیں ہے آپ کو ہماری خاطر سے آگرے چلنا ہو گا شاید وہاں اللہ کوئی بہتری کی صورت نکال دے آپ ہمارے بارے میں بھی سوچیے؟"

نادر نے چونک کر حیرت سے پوچھا "کیوں ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ؟ اب تو شب و روز آپ ہی کے تصور میں کٹتے ہیں؟"

حور بانو نے دوپٹے کا آنچل انگلی میں لپیٹنا شروع کر دیا، بولی "شیر باز ابھی چند سال شادی نہیں کرنا چاہتا" پھر ذرا شرما کر کہا۔ "دوسرے اب ہم خود بھی اسے پسند نہیں کرتے!"

نادر نے خوشی چھپاتے ہوئے اوپری دل سے پوچھا۔ "اس سلسلے میں وہ کہتا کیا

ہے؟ چند سال تک وہ کیوں رکنا چاہتا ہے آخر؟"

حور بانو نے خوف زدہ آواز میں کہا۔ "یہ اس کی بے وقوفی ہے اور کچھ نہیں معلوم نہیں کیا کیا سوچتا رہتا ہے؟"

نادر نے دوپٹے کی اوٹ میں چھپے ہوئے حجاب کی سرخی سے تمتماتے ہوئے چہرے کو جب کھولنے کی کوشش کی تو حور بانو نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ نادر نے چہرے سے دونوں ہاتھوں کی آپس میں پیوست انگلیوں کو الگ کرنے کی کوشش کی اور جذباتی آواز میں کہنے لگا۔ "ہم نے دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب آپ ہم سے ملیں گی تو ہم صبر و احتیاط سے کام لیں گے لیکن آپ کا ہوش ربا سراپا اور سحر انگیز شباب عہد شکن ہے۔ آپ للہ ہمیں کسی آزمائش میں نہ ڈالیے اور ہمارے سامنے بے تکلفی سے بے حجابانہ بیٹھیے!"

حور بانو نے تیز تیز سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ بھی یہ وعدہ کریں کہ آپ ایک حد میں رہیں گے!"

"یہ ہمارا وعدہ ہے!" یہ کہہ کر نادر نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

حور بانو نے آہستہ آہستہ انگلیوں میں شگاف پیدا کیا اور چہرے کو کچھ اوپر اٹھا کر انگلیوں کے شگافوں سے نادر کو دیکھا تو اس کے ہوش و حواس میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ لمبی لمبی پلکوں میں محصور شوخ اور شریر سیاہ پتلیاں اس طرح حرکت کر رہی تھیں جیسے ننھی ننھی دو ابابیلیں دو مختلف سفید فضاؤں میں محو پرواز ہوں۔ ہونٹوں میں شوخ مسکراہٹ کی مستی خیز حلاوت تھی۔

نادر نے ایک جھٹکے سے اس کے دونوں ہاتھوں کو چہرے سے ہٹا دیا تو حور بانو منہ کے بل سجدے میں چلی گئی۔ نادر نے اس کے پہلو میں انگلیاں ڈال دیں اور کہنے لگا۔ "سیدھی ہو جائیے، ورنہ ہم کرتے ہیں گدگدی!"

حور بانو فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی اور شرمائی شرمائی نظروں سے نادر کو دیکھنے لگی۔

نادر نے شاید پہلی بار اس فتنے کو اچھی طرح دیکھا تھا، بالوں کی محراب میں چاند جیسی دمکتی ہوئی شفق رنگ پیشانی اور سرمگیں مخمور آنکھوں کے نیچے انگارے جیسے دہکتے ہوئے رخسار، کھڑی متناسب ناک اور چھوٹے سے دہانے میں اوپر کا ہونٹ پتلا اور نیچے کا موٹا، گردن نہ کوتاہ نہ لمبی، گریبان کے نیچے جو کچھ تھا اس کی سحر انگیزی اور گرمی نے نادر کو از خود رفتہ کر دیا۔ وہ چوکی پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا، بولا "حور بانو! ہمیں یقین نہیں آ رہا کہ ہم آپ کو اتنے قریب سے دیکھ رہے ہیں!"

حور بانو بھی اپنے آپے میں نہ تھی، بولی "معلوم نہیں وہ کون سی گھڑی تھی جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

ہم نے آپ کو دیکھا تھا ورنہ ہمارے سوا وہ کون سی لڑکی ہے جو کسی غیر مرد کے روبرو اتنی بے باکی سے بیٹھ کر باتیں کرے!"

نادر نے جواب دیا۔ "ہم نے آپ کو اپنا سمجھ لیا ہے، جب آپ بھی ہمیں اپنا سمجھ لیں گی تو اس قسم کے سوہانِ روح خیالات سے نجات حاصل کرلیں گی!"

حور بانو دزدیدہ نظروں سے مسکرا مسکرا کر دیکھتی رہی۔

نادر نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے دبانے سہلانے لگا۔ ایک سرسری اور معمولی سی چھڑانے کی کوشش کے بعد حور بانو نے بھی سکوت اختیار کیا۔

نادر نے پوچھا۔ "حور بانو ایک بات تو بتلائیے!"

حور بانو نے نظریں اٹھا کر فوراً جھکا لیں، جیسے اجازت دی ہو۔ "پوچھئے!"

نادر نے افسوس سے کہا۔ "جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ یہ مرمریں ہاتھ ہمارے بجائے شیر باز کے ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے تو ہمارے دل کی دھڑکنیں رکنے لگتی ہیں!"

حور بانو نے ہمت کر کے کہا۔ "ہم لوگ آگرے جا رہے ہیں۔ اس وقت ہم اسی غرض سے آئے تھے کہ آپ کو بھی آگرے چلنے پر آمادہ کرلیں!"

"لیکن ہمارے چلنے کا فائدہ؟"

"بات دشوار ہی لیکن آپ کوشش ضرور کریں، ممکن ہے خدا کامیاب کر دے!"

نادر نے مایوسی سے کہا۔ "کیا آپ شیر باز پر ہمیں ترجیح دینے پر واقعی آمادہ ہیں؟"

حور بانو نے زبان کے بجائے حامی میں گردن ہلا دی۔

نادر کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ پوچھا۔ "اور آپ کے والد نوازش علی؟ کیا وہ بھی ہمیں پسند کرلیں گے؟"

حور بانو نے جواب دیا۔ "بس انہی کو راضی کرنا تو آپ کا سب سے بڑا کام ہے!"

نادر نے کریدا۔ "کیا آپ شیر باز کو واقعی پسند نہیں کرتیں؟"

حور بانو نے منہ بنا کر کہا۔ "جب سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ شیر باز شہزادے کی مخالفت میں اس کے بیٹے خسرو کا ساتھ دے رہا ہے، ہمیں شیر باز کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا ہے۔"

نادر نے جواب دیا۔ "لیکن آپ ملوکیت اور سیاست میں نہ جائیں، یہاں سب کچھ ممکن ہے!"

حور بانو نے چڑ کر کہا۔ "لیکن یہ ناممکن ہے کہ شہنشاہ اکبر بیٹے کی جگہ پوتے کو

جانشین بنادیں!"

نادر نے کہا۔ "اچھا جناب حور بانو صاحبہ! ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم آپ کے فوراً بعد ہی یہاں سے آگرے کے لئے روانہ ہو جائیں گے اور وہاں پہنچ کر آپ کے باپ کو کسی طرح رضامند کرنے کی کوشش کریں گے!"

حور بانو خوش ہو گئی اور کچھ سوچ کر بولی۔ "شیر باز خود سر، مغرور اور جھگڑالو انسان ہے، ہو سکتا ہے وہ کسی بات پر آپ سے جھگڑ بیٹھے، اس سلسلے میں ہمارا یہ مشورہ ہے کہ ہر قیمت پر جھگڑے سے بچتے رہیں اور خاص طور پر بادا جان سے۔ کوشش یہی کریں کہ خوش اخلاقی کا دامن نہ چھوٹنے پائے!"

نادر نے ہنس کر جواب دیا۔ "سادہ لوح پری! اگر ہم مصلحت اندیش نہ ہوتے اور آپ کی ذات ان لوگوں کے درمیان نہ ہوتی تو ہم ان سے کب کے لڑ جھگڑ چکے ہوتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ ہم میں سے ایک کسی کی جان بھی جا چکی ہوتی۔"

حور بانو نے مزید مشورہ دیا۔ "اور بادا جان کو خوش کرنے کی کوشش جاری رکھیے، اسی میں شاید کوئی صورت نکل آئے!"

"بہتر ہے!"

"اور ہاں اس کا بھی بطورِ خاص خیال رکھیئے گا کہ آپ کی کسی بات سے بھی بادا جان کو یہ شبہ بھی نہ ہو کہ آپ کے دل میں ان کے خلاف کسی قسم کی کدورت پائی جاتی ہے!"

نادر نے تائید میں گردن ہلا دی۔ "آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر!"

"آخری بات!" حور بانو نے کہا۔ "راجا مان سنگھ خسرو کے حامی ہیں، آگرے میں شہنشاہ کی حالت تشویشناک ہے، شیر باز خسرو کا فرستادہ بن کر آیا ہے اور مان سنگھ نے شیر باز سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے بہنوئی شہزادے سلیم کے مقابلے میں اپنے بھانجے خسرو کی مدد کریں گے اور آپ چونکہ شہزادے سلیم کے بھیجے ہوتے ہیں اس لئے راجا مان سنگھ آپ پر یقین نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ اب بھی آپ کی بجائے بادا جان اور شیر باز کی زیادہ عزت کرتے ہیں کیونکہ انہیں قیاس اور قرائن سے معلوم ہو چکا ہے کہ راجا مان سنگھ آپ کو پسند نہیں کرتے!"

نادر نے حور بانو کی بد اندیشیوں کو ہنسی میں اڑا دیا، بولا۔ "آپ ان فکروں میں بالکل نہ پڑیئے حور بانو! شہزادے سلیم کے حریف عنقریب ندامت اور خفت سے دوچار ہوں گے!"

نادر نے چلتے چلاتے حور بانو کو اپنی آغوش میں لے لیا اور بے اختیار کئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ONEURDU.COM

ہلوسے لے لئے۔ وہ کسمسائی، تڑپی مچلی لیکن یہ سب کچھ رسماً تھا، آتشِ شوق تو اس کے اندر بھی فروزاں تھی۔

دوسرے دن خورد بانو کا باپ نوازش علی نادر پر از حد مہربان نظر آیا۔ فجر کی نماز پڑھ کر جب دونوں مسجد سے باہر نکلے تو راستے میں اس کی نوازش علی سے ملاقات ہو گئی اور سلام میں نوازش علی نے سبقت کی۔ خلافِ امید نوازش علی نے نادر سے کہا۔ "بیٹے نادر، پرسوں ہم سب آگرے چلے جائیں گے، ہماری خواہش ہے کہ تم ان آخری دو دنوں میں ہمیں اس بات کا موقع دو کہ ہم تمہاری دعوت کریں اور کچھ وقت تمہارے ساتھ بھی گزاریں۔"

نوازش علی کے اس تبدیل رویے پر وہ حیران تھا لیکن پھر یہ سوچا کہ ضرور خورد بانو نے اپنے باپ کو راضی کر لینے کے لئے کسی منصوبے پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ نئے کئی بار مختلف سلسلوں سے اس کے کمرے میں آئی اور اجنبی کی طرح واپس چلی گئی۔

ترچھی گردن والا شیرباز بھی اس سے ملا اور فراخ دلی سے متکبرانہ پیش کش کی، بولا۔ "اگر بنگال کی آب و ہوا تمہیں پریشان کرنے لگے تو آگرے چلے آنا، ہم وہاں تمہیں اس سے بھی اچھے کسی منصب پر فائز کرا دیں گے!"

نادر، خورد بانو کے مشورے کے مطابق جھگڑے سے بچنا چاہتا تھا۔ خاموش رہا، اس تلخ پیش کش کو سہہ گیا۔

ظہر کے بعد نوازش علی نے نادر کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہا اسے نوازش علی کی مہربانی اور جھکاؤ سے روحانی خوشی محسوس ہو رہی تھی، گو بادل گھرے کھڑے تھے پھر اصطبل سے دو گھوڑے نکلوائے اور دونوں ایک ساتھ گھومنے پھرنے کی غرض سے گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔ کھیتوں کی حدود پر اگی ہوئی پگڈنڈیوں پر ان کے گھوڑے سنبھل سنبھل کر چلنے لگے۔ دھانوں کی فصلیں تیار کھڑی تھیں اور ان کے پودے پانی میں اپنا نچلا حصہ چھپائے اور سر اٹھائے اس طرح کھڑے تھے جیسے سبز پریاں پانی میں چھول چھپیاں کھیلنے کی خاطر صف بستہ کھڑی کسی اشارے کی منتظر ہوں۔

نوازش علی نے ذاتی نوعیت کا سوال کیا، پوچھا۔ "تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟"

نادر نے جواب دیا۔ "ماوراءالنہر کے بالائی حصے میں بسنے والے ازبکوں کے خاندان سے۔"

نوازش علی نے نیا سوال کیا۔ "تمہارے خاندان میں کبھی کوئی بڑا آدمی بھی گزرا ہے؟"

"ہاں ایک شخص۔" نادر نے جواب دیا۔ "یوں تو بہادروں اور ناموروں سے ہمارا خاندانی شجرہ پٹا پڑا ہے لیکن ایامِ گزشتہ میں جس کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا ایک ایسا نامی شخص گزر چکا ہے جس کے نام سے ہر سپاہی واقف ہے۔"

نادر جواب دیتے ہوئے فخر محسوس کر رہا تھا اور یہ سوچ کر خوش بھی ہو رہا تھا کہ نوازش علی یقیناً خورد بانو کو اس سے وابستہ کر دینے پر آمادہ ہو گیا ہے اور خاندان کی بلندی یا پستی کی بابت وہ اسی لئے کرید رہا ہے۔

نوازش علی نے حائل ہونے والے ایک نالے کو گھوڑے کی چھلانگ سے عبور کرتے ہوئے پوچھا۔ "خاندان کے اس نامی گرامی شخص کا کیا نام ہے؟"

نادر کا گھوڑا بھی اس نالے کو پھلانگ گیا اور جواب دیا۔ "شیبانی خان۔"

"شیبانی خان!" نوازش علی چونک پڑا اور گھوم کر نادر کو غور سے دیکھا۔ "یہ شیبانی خان، ازبکوں کا وہی سردار ہے نا جس نے مغلیہ سلطنت کے بانی بابر کو تقریباً زندگی بھر ستائے رکھا اور ایک بار اس نے قلعے میں محصور بابر کی بہن کو زبردستی اپنی داشتہ بنا لیا تھا؟"

نادر کا چہرہ غصے سے تمتما گیا۔ "شیبانی خان پر یہ ایک تہمت ہے جو آپ لگا رہے ہیں۔ بابر نے اپنی مرضی سے اپنی بہن کو شیبانی خان سے بیاہ دیا تھا اور رہا بابر کو ستانے کا سوال تو جب دو حکمران لڑتے ہیں تو ان میں سے ایک فاتح اور دوسرا مفتوح تو ہوتا ہی ہے۔ ماوراءالنہر اور اس کے قرب و جوار میں شیبانی خان فاتح اور بابر مفتوح تھا تو ہندوستان میں بابر فاتح اور افغان حکمران ابراہیم لودھی مفتوح۔"

نوازش علی مسکرانے لگا۔ پوچھا۔ "کیا ناراض ہو گئے؟ ہم تو محض ایک بات کہہ رہے تھے، اس سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ تمہارے دل کو صدمہ پہنچایا جائے۔"

نادر چپ رہا۔

نوازش علی نے ہتک اور ذلت کا ایک نیا تیر چلایا۔ پوچھا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ شیبانی خان چنگیز خان کے سب سے بڑے بیٹے جوجی خان کی نسل سے تھا؟"

نادر نے آہستہ سے جواب دیا۔ "ہاں وہ اسی جوجی خان کی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔"

نوازش علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن جوجی خان کی بابت تو یہ مشہور ہے کہ یہ چنگیز کی بیوی بورتا کی ناجائز اولاد تھا۔ چنگیز کے مخالف قبیلے نے جوجی کی ماں بورتا کو دو سال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

تک اپنے قبضے میں رکھا تھا پھر جب وہ دوبارہ چنگیز خان کے قبضے میں پہنچی تو چند د
ہی اس سے جوجی پیدا ہو گیا!"

نادر کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا، اس کے جی میں آئی کہ وہ نوازش عل
ے قتل کر دے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔

نوازش علی نے اس کے زخمی دل پر پھاہا رکھنے کی کوشش کی۔ کہا۔ "اس میں
کی کیا بات ہے، ہم میں سے معلوم نہیں کتنے ایسے ہوں گے جن کی مائیں سپاہیوں کی
اور بداخلاقی کا شکار ہوئی ہوں گی۔"

اب نادر کی جان میں جان آئی۔ نوازش علی کہتا رہا۔ "اور وہ خاندان جو ف
افواج کی گزرگاہوں میں آباد ہوتے ہیں، یقیناً بے لگام سپاہ کی خرمستیوں کا شک
رہتے ہیں۔"

نادر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ آخر نوازش علی کہنا کیا چاہتے ہ
جب کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تو بڑے بڑے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ج
اور تعلیم سے محروم دیہاتیوں کی طرح اجڈ انداز میں سر اٹھائے کھڑے تھے۔ انہی
کے درمیان ایک عمارت نظر آئی۔ نوازش علی اس کے صدر دروازے پر آ پہنچ ک
سے اتر پڑا۔ دربانوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں، نوازش علی نادر کو لے کر عمارت
ہوا، اندر کچھ اور لوگ بھی ملے۔

اندر پہنچ کر نوازش علی نے برجوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو
سلطنت کے خطرناک باغیوں کو قید کر دیا جاتا تھا اور یہ مشہور تھا کہ جو قیدی یہا
بند ہوا پھر مر کر ہی آزادی حاصل کر سکا ہے۔"

نادر کو یاد آیا کہ جنت آباد (لکھنوتی) کی یہ وہی مشہور جگہ ہے جو جاد
نام سے دور دور تک مشہور ہے۔ اس نے پوچھا۔ "یہاں ایک حوض بھی تو ہے
کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی خطرناک قیدی باسانی مرنے پر آمادہ
تو اسے پینے کے لئے اسی حوض کا پانی دیا جاتا تھا جو جسم میں داخل ہو کر
کرتا تھا۔"

نوازش علی نے حیرت سے کہا۔ "ہم تمہیں وہیں لئے چلتے ہیں!"

تھوڑی دیر بعد دونوں حوض کے کنارے پہنچ گئے۔ سطح آب پر بہت
جمی ہوئی تھی اور وہاں کچھ عجیب سی نمیدہ بو پھیلی ہوئی تھی۔

نوازش علی حوض کی دیوار پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس ہی نادر ک

بیٹھ گیا۔

نوازش علی اچانک کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گیا تھا وہ کچھ سوچ رہا تھا، نادر حوض
رائی کا اندازہ لگانے لگا۔

یکایک نوازش علی نے کہا۔ "اور نادر! ہمیشہ ہماری یہ بات یاد رکھنا کہ اگر گھر میں
لڑکی ہو تو کسی پر بھی اعتبار نہ کرنا۔"

نادر بوکھلا گیا کہ آخر اس بات کا یہ کون سا موقع ہے۔

نوازش علی نے کچھ اور وضاحت کی۔ بولا۔ "آج گھر کے ایک ایسے دروازے کا
ہمیں کھلا ہوا ملا کہ ہم حیران رہ گئے۔ اس میں فتے کا ہاتھ ضرور رہا ہو گا، لیکن وہ قبول
ں رہی۔"

نادر بدستور چپ رہا۔ نوازش علی نے بات اور آگے بڑھائی۔ کہا۔ "ہم لوگ خاندانی
بت اور ذاتی شرافت کے قائل ہیں لیکن جب آدمی ان دونوں میں سے ایک چیز بھی نہ
جائے تو پھر وہ اس کا مستحق نہیں رہ جاتا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی مروت یا رعایت
کیا جائے۔"

نادر کا ماتھا ٹھنکا۔ بولا۔ "جناب آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ایک بار کھل کر
دیں۔"

نوازش علی ایک دم غصے سے اکھڑ گیا۔ "تم نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تم
اشرفیوں کا لالچ دے کر فتے کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور وہ بھی عاقبت نااندیشی میں جلے
کیا کر گزری۔"

نادر چور بن گیا، نوازش علی نے کہا۔ "ہم چاہتے تو حور بانو کے ٹکڑے کر دیتے لیکن
ہم سب آگرے جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر لڑکی خود بخود ــــــــ یہاں کے خوابوں
بھول جائے گی!" پھر نادر کو ڈانٹا۔ "اور تم! تم وہ ذلیل انسان ہو جس نے ہمارے احسانات
اگر حور بانو سے عشق کیا اور اسے ورغلاتا رہا لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا، حور بانو
پشیمانی اور فتے کا اعتراف جرم، اب تم بولو کہ تمہیں تمہارے گناہ کی کیا سزا
دی جائے؟"

نادر نے جیسے خوابوں میں سوچا۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ حور بانو پشیمان ہو
فتے اعتراف جرم کر لے، یہ یقیناً نوازش علی کی چال ہے۔ جو اس طرح اعتراف گناہ
نا چاہتا ہے۔

نوازش علی کہتا رہا۔ "جب ہم تمہیں قلعے سے لے کر چلے تھے تو یہ ارادہ کر لیا تھا
سی بھی جگہ موقع پا کر تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کر دیں گے لیکن ایسا کرنے میں یہ احتمال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

موجود تھا کہ اگر ہم وقت ہاتھ پیر ڈالے اور چستی سے اپنا کام نہ کرتے تو تم یقیناً ہم پر غالب آجاتے۔ یہ سوچ کر ہم نے یہ طے کیا کہ اس عمارت میں داخل ہو کر حوض کی دیوار پر بیٹھ کر جو کرنا ہے کریں۔ یہ کہتے ہوئے نوازش علی نے ایک زوردار دھکے سے نادر کو زہریلے پانی کے حوض میں گرا دیا۔ اس کے گرتے ہی خود عمارت کے پھاٹک کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چل دیا۔

عمارت کے پاسبانوں نے نوازش علی کو تنہا نکلتے دیکھا تو انہیں نادر کی فکر ہوئی۔ نوازش علی اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر یہ جا وہ جا اور قلعے واپس چلا گیا، عمارت کے پاسبان نوازش علی کے جاتے ہی نادر کو تلاش کرتے ہوئے، عمارت کے مختلف حصوں میں گھومنے لگے۔ نوازش علی کو یہ یقین ہو گا کہ اگر اس کے پیچھے عمارت کے پاسبانوں نے کسی طرح نادر کو نکال بھی لیا تو وہ حوض کا زہریلا پانی پی جانے کے سبب زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے گا۔ ایک ایسا شخص جس نے اس کی بیٹی کو ورغلانے کی کوشش کی ہو اسی سزا کا مستحق تھا۔

پاسبان نادر کو تلاش کرتے ہوئے جب حوض کے قریب پہنچے تو انہیں اندر کسی کے بے معنی شور کرنے کی آواز سنائی دی، ان میں سے ایک نے حوض میں جھانک کر دیکھا تو نادر پیر کر زندہ رہنے کی کوشش میں مصروف تھا، حوض کی سطح آب کی دیوار کی وجہ سے سیاہ ہو رہی تھی۔ ان دیواروں میں ایک چیز بھی ایسی نہ تھی جسے پکڑ کر وہ چڑھنے اور حوض سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ وہ جب بھی حوض کے کنارے پر پہنچا اور کی دیوار سے پیر یا ہاتھ لگانا چاہتا، کائی کی وجہ سے پھسل کر رہ جاتا۔ بدبودار پانی کی سڑاند اس کا دماغ خراب کیے دے رہی تھی۔ اور چند گھونٹ پانی حلق کی راہ سے پیٹ میں جا چکا تھا۔

ایک پاسبان نے جیسے ہی حوض میں جھانک کر دیکھا، نادر نے چیخ کر کہا: ”خدا کے لیے مجھے حوض سے نکال لو، ہم فریب کا شکار ہو گئے ہیں۔“ پاسبانوں نے جلدی جلدی اپنی پگڑیاں بن کر لٹکا کر پھینکا اور اس کا ایک سرا پکڑے رکھا اور دوسرا حوض میں ڈال دیا۔ اور چیخ کر کہا: ”اسے مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور اس کے سہارے سے باہر نکل آئیے۔“

پیٹ میں پہنچا ہوا پانی اثر دکھا رہا تھا اور نادر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے آہستہ آہستہ غنودگی طاری ہو رہی ہے اور اس پر عنقریب گہرے خواب کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ اس نے زندگی کی آخری خواہش اور کوشش کے زیر اثر پگڑی کا سرا دونوں ہاتھ سے تھام لیا اور اس کی مدد سے اوپر چڑھنے لگا۔ کئی بار اس نے اپنے پیر کو کائی زدہ دیوار سے ٹیکا کر اوپر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار پیر پھسل گیا اور اس

دونوں پیر حوض کے پانی میں ڈوب گئے۔ کسی نے اوپر سے چیخ کر کہا: ”دیوار سے پیر ہٹائیے، ہاتھ کی مدد سے اوپر آجائیے۔“

نادر نے اس ہدایت پر عمل کیا اور بدقت تمام اوپر آ گیا لیکن اب اس کا برا حال تھا۔ اور وہ چکرا رہا تھا اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ کسی پاسبان کی آواز عالمِ خواب میں سنائی دی: ”آپ اس میں کس طرح گر گئے تھے؟“

نادر کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا کہ ”ہم گرے نہیں گرائے گئے تھے۔“ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔

پھر اسے کتنی دیر بعد ہوش آیا، نادر کو کچھ پتہ نہ تھا۔ اس وقت وہ جہاں تھا، جگہ مانوس نظر آتی تھی۔ دھندلی نظروں سے فتّے اور ایک سائیس کو اپنے پاس کھڑے دیکھا۔ پاس ہی مونڈھے پر ایک طبیب بیٹھا ہوا اس کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں وہاں موجود لوگوں کے چہرے پر بشاشت دوڑ گئی۔

نادر نے کمزور آواز میں دریافت کیا: ”نوازش علی کہاں ہیں؟“

فتّے نے جواب دیا: ”وہ لوگ چلے گئے۔“

”کہاں؟“ نادر نے بے چینی سے پوچھا۔

فتّے نے بے دلی سے جواب دیا: ”پہلے وہ لوگ راجا مان سنگھ کے پاس جائیں گے اس کے بعد آگرے چلے جائیں گے۔“

نادر نے دانت کٹکٹائے اور غصے میں کہا: ”افسوس کہ وہ بدبخت بڈھا چلا گیا۔ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو ہم اس کا گلا ضرور دبا دیتے۔ مکار، دھوکے باز، فریبی۔ ہم اسے دیکھ لیں گے۔“

طبیب نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا اور نرمی سے بولا: ”آرام کیجئے، تمہارے پیٹ سے حوض کا زہریلا پانی خارج کیا جا چکا ہے، اب تم بچ جاؤ گے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اب!“

دوسرے دن جب طبیعت کچھ زیادہ بحال ہو گئی تو نادر کو طبیب نے بیٹھنے کی اجازت دی۔ فتّے اس کے پاس ہی موجود تھا، اسے ایسا لگا جیسے نوازش علی کے چلے جانے کی خبر کوئی خواب کی بات ہو۔ اس نے فتّے سے ایک بار پھر اس کی تصدیق چاہی، پوچھا: ”کیا نوازش علی اپنے کنبے کے ساتھ واقعی چلے گئے؟“

فتّے نے افسردگی سے کہا: ”ہاں وہ سب چلے گئے!“

اس نے پوچھا: ”خادم بخشے کہاں ہے؟“

فتّے نے جواب دیا: ”وہ بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔“

نادر نے فتّے کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پوچھا: ”اور تم نہیں گئیں ان کے ساتھ؟“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

فتنے نے جواب دیا: میں چلی تو جاتی ان کے ساتھ لیکن مجھے آپ پر رحم آگیا اور اسی خیال سے ٹھہر گئی۔

نادر نے انسانی پیکر کے اس شریف ترین نسائی روپ کو ممنونیت کی نظر سے دیکھا اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے بہ دقت تمام پوچھا: حور بانو کہاں ہے؟

فتنے نے نظریں چرانے کی کوشش کی، منہ پھیر کر بولی: وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ چلی گئی۔

نادر نے ہیجان آمیز لہجے میں پوچھا: جاتے وقت اس نے کوئی پیغام بھی نہیں دیا تھا؟

ہاں۔ فتنے نے دکھ سے آہ بھر کر کہا: ایک پیغام دیا تھا لیکن وہ پیغام اسی وقت آپ کو بتاؤں گی جب آپ بالکل تندرست ہو جائیں گے۔

نادر اٹھ کر بیٹھ گیا اور اصرار سے بولا: میں بالکل تندرست ہوں، تم ڈرو مت، جو کچھ کہنا ہے بے جھجک اسی وقت ابھی کہہ دو۔

فتنے نے بات ٹالنی چاہی تو نادر نے جھنجھلا کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ بولا: تم ڈرتی کیوں ہو؟ بتاتی کیوں نہیں؟

فتنے نے ٹھہر ٹھہر کر کہا: حور بانو کو یقین تھا کہ آپ مر جائیں گے لیکن پھر بھی انھوں نے چلتے چلاتے آپ کے نام یہ پیغام چھوڑا ہے کہ پہلی ملاقات پر گالی دیتے ہوئے آپ نے حور بانو کو جس طرح بے آبرو کرنے کی کوشش کی تھی، بابا جان نے اس کا سچا انتقام لے لیا ہے اور یہ کہ انھیں اس انتقام سے بڑی تسکین ہوئی ہے۔

نادر کو فتنے کی بات پر یقین نہ آیا۔ حور بانو اس سے بے پناہ محبت کرنے والی لڑکی، ایسی بات کیونکر کہہ سکتی ہے؟ بولا: یہ تم اپنی طرف سے کہہ رہی ہو۔ حور بانو ایسی بات کبھی نہیں کہہ سکتی۔

فتنے اپنی بات پر قائم رہی۔ بولی: میں جھوٹ کیوں بولوں، مجھ سے جو کہا گیا تھا کہہ دیا۔

نادر کسی پاگل کی طرح اس کی صورت دیکھنے لگا۔

پھر دو لمحے بعد فتنے نے کہا: یہ بنگال ہے، یہاں کی کسی شے کا اعتبار نہیں۔ یہاں کے لوگ بے وفا، موسم ناقابل اعتبار، دھوپ چھاؤں غیر یقینی۔ جب بزرگوں سے تو میں نے اس جگہ کی یہی خاصیت سن رکھی ہے۔ جبھی لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جو لوگ یہاں رہ بس جاتے ہیں وہ بھی ان ہی خاصیتوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ حور بانو ایک مدت سے یہاں رہ رہی تھیں، ان پر بھی یہاں کے اثرات کام کر گئے۔

لیکن نادر کو فتنے کی باتوں پر ذرا بھی یقین نہ آ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر فتنے کی بات درست ہے تو خود فتنے پر ان خصوصیات کا کوئی اثر کیوں نہ ہوا؟ اس نے پوچھا: اور فتنے تم کہاں کی رہنے والی ہو؟

فتنے نے جواب دیا: شمالی ہند کی بستی شیانی کی۔

نادر نے نفرت سے پوچھا: بنگال کی آب و ہوا نے تم پر کوئی اثر نہیں کیا؟

فتنے شرمیلے پن سے مسکرائی۔ بولی: اثر کیوں نہیں، میں بچپن سے اب تک حور بانو کے گھر میں رہی ہوں لیکن آج میں نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ یہ بے وفائی نہیں تو اور کیا ہے؟

نادر نے پوچھا: لیکن اس بے وفائی کی ضرورت ہی کیا تھی؟

تیس بتیس سالہ فتنے نے معنی خیز انداز میں نادر کو دیکھا اور جواب دیا: صرف آپ کے لئے

میں نے محسوس کیا کہ اس وقت کسی اور سے زیادہ میری آپ کو ضرورت ہے۔

نادر نے اس کا جو مطلب لیا، وہ پریشان کن اور تشویشناک تھا، پھر بھی ان نازک حالات میں اسے فتنے کی ضرورت ضرور تھی۔ آگرے واپس پہنچ کر حور بانو کا پتہ لگانے میں فتنے بہت زیادہ سودمند ثابت ہوگی، یہ سوچ کر اس نے فتنے کو گوارا کر لیا۔

ویران اور اداس شاہی محل اب بنگال کے جنت آباد (لکھنوتی) میں اس کا دل نہ لگتا تھا۔ وہ اپنے فرائض منصبی بھی اچھی طرح انجام نہ دے سکتا تھا۔ طبیعت آہستہ آہستہ ٹھیک ہو چکی تھی۔ جب وہ گھوڑے پر سوار دہقان کے کھیتوں اور کاشتکاروں کی بستیوں کے بیچ سے گزرتا تو آبنوسی اعضا اور رنگ سانولے، تمتماتے ہوئے بیضوی چہرے والی دوشیزائیں اس کے احترام میں جھک جھک جاتیں لیکن فتنے یہ کہتی تھی کہ بنگال ہے، یہاں کی ہر شے ناقابل اعتبار ہے۔

ایک دن جب وہ گھومتا پھرتا کسی نالے کے پاس سے گزرا تو اس وقت وہ شمال سے مشرق میں بہہ رہا تھا۔ لیکن جب شام کو پھر ادھر سے گزرا تو نالہ اپنا رخ بدل چکا تھا۔ لیکن اب وہ شمال سے جنوب میں بہنے لگا تھا۔ وہ نالے کے کنارے کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ آخر یہ کیا بات ہوئی؟ پاس سے گزرتے ہوئے ایک مدقوق کسان سے اس نے پوچھا: او بڈھے! کیا تو بتا سکتا ہے کہ اس نالے کا بہاؤ کس سمت رہتا ہے؟

مدقوق بڈھے نے نادر کو خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور جواب دیا: کبھی اتر سے پورب اور کبھی اتر سے دکھن۔ اس کے بہاؤ کی کوئی ایک سمت نہیں ہے۔

نادر متردد ہو گیا۔ اسی لمحے اس کے کانوں میں بنگال سے متعلق فتنے کی آواز گونجی۔ اسی وہم نے اس کا دل بنگال سے اچاٹ کر دیا۔ آگرے سے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ آگرے میں ہندوستان کا بادشاہ قریب المرگ ہے اور وہاں جانشین کے لئے باپ بیٹے میں رسہ کشی جاری ہے۔ اس نے حتمی ارادہ کر لیا کہ وہ راجا مان سنگھ سے مل کر سبکدوشی حاصل کرے گا اور وہ فوراً ہی آگرے روانہ ہو جائے گا۔

اجازت طلب کرنے پر کچھ پس و پیش کے بعد راجا مان سنگھ نے نادر کو آگرے جانے کی اجازت دے دی لیکن دبے لفظوں میں اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کر دیا کہ اگر وہ باپ بیٹے کی کشمکش میں خسرو کا ساتھ دے گا تو اس کی عنایات ہمیشہ نادر کے ساتھ رہیں گی۔

نادر فتنے کو لے کر آگرے روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ آگرے سے دور ہی تھا کہ اسے بھر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

انتقال کی خبر ملی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تھوڑی سی کش مکش کے بعد شہزادہ سلیم، نور الدین جہانگیر کے نام سے تخت نشین ہو چکا ہے۔ اس خبر سے وہ بہت خوش ہوا اور راستے میں ... بغیر، دھاوے مارتا ہوا وہ آگرے میں داخل ہوگیا۔

دو دن آرام کرنے کے بعد اس نے جہانگیر سے ملنے کی راہ نکالی اور پھر قلعے ... اس دروازے سے، جس پر پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے، نادر قلعے میں داخل ہوگیا۔

ایک جگہ سبزہ زار پر خسرو اپنے مصاحبوں میں گھرا باتوں میں مصروف تھا۔ وہ تخ... گلاب سے گزر کر بیلے کا جوں جیسے سرو کی روش میں پہنچ کر کچھ مطمئن جواہر کے دو ... خسرو اور اس کے مصاحبوں کے درمیان حائل ہو کر نادر کو چھپا لیا تھا۔ نادر نہیں چاہتا تھا کہ ... اس کا نوازش علی یا شیر باز سے سامنا ہو لیکن ابھی وہ بمشکل پچاس قدم چلا ہوگا کہ ایک سرو کی ... نوازش علی نمودار ہوا اور تقریباً نادر کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

نوازش علی نے اس کے سراپا کا بغور جائزہ لیا اور حیرت اور افسوس کے ملے جلے ... میں کہا۔ "تم زندہ ہو؟ آگرے کب آئے!"

نادر کی آنکھوں میں خون اتر آیا لیکن حور بانو کے خیال اور شاہی محل سرا کے احترام ... وجہ سے خاموش رہا۔ خون کے گھونٹ پی کر جواب دیا۔ "ہم زندہ ہیں، گھبراؤ نہیں۔ تم نے ہمیں ... میں گرا دینے کی شکل میں جو قرض دیا تھا ہم اسے چکانے کے لئے آگرے آ گئے ہیں!"

نوازش علی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "کوئی پرواہ نہیں۔ جہاں پناہ کے پاس ... رہے ہو؟"

"ہاں!" نادر نے جواب دیا اور نوازش علی کے چہرے پر مسکراہٹ کی تازگی دیکھ ... مشتعل سا ہوگیا۔

نوازش علی نے گویا سرزنش کی کہنے لگا۔ "جہاں پناہ کے روبرو طبیعت کو مکدر کرنے ... باتوں سے پرہیز کرنا!"

نادر کوئی سخت جواب دینے ہی والا تھا کہ ایک شاگرد پیشہ نے نمودار ہو کر اسے ب...

"اے شہزادہ خسرو طلب کر رہے ہیں؟" شہزادے کے حکم سے سرتابی ناممکن تھی۔ نوازش علی ... ٹل گیا۔

جب نادر شہزادے کے روبرو پہنچا تو شیر باز نے اس کا کشادہ پیشانی سے ... استقبال کیا۔

شہزادے نے سر اٹھایا اور نادر کو ذرا غور سے دیکھا، پھر پوچھا۔ "یہ نوازش ... تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

شیر باز نے فراخ دلانہ جواب دیا۔ "ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں رہا، نوازش علی البتہ کچھ ... زندہ رہتے ہیں!"

شہزادے نے نادر کی طرف دیکھا اور نہایت دانائی سے پیش کش کی۔ "شیر باز! تم اسے کہو کہ ہمارے دادا ہمایوں نے تمہارے احسان کا بدلہ نظام سقے کو ڈھائی دن کی حکومت دے کر چکایا تھا۔ ابھی یہ روایات ہمارے خاندان میں زندہ ہیں، یہ چاہے تو ہمارے عہدہ داروں میں شامل ہو سکتا ہے!"

جب شیر باز نے شہزادے کی پیش کش نادر کے سامنے رکھی تو اس نے نہایت عاجزی سے جواب دیا۔ "شہزادے! ہم تو آپ کے خاندان کی خدمت اور جاں نثاری کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور یہ خدمت آپ لے لیں یا جہاں پناہ لے لیں۔"

نوعمر اور سادہ لوح خسرو نادر کے جواب سے خوش ہوگیا۔ بولا۔ "جب جہاں پناہ سے مل چکو اور واپس ہونے لگو تو ہم سے ضرور مل لینا۔"

نادر نے فوراً وعدہ کر لیا۔ اب نوازش علی کے چہرے پر پریشانی آ چکی تھی۔

اس کے بعد نادر کو بارگاہ جہانگیری میں جانے کی اجازت مل گئی۔ اس وقت جہانگیر ... مصاحبین خاص میں گھرا ہوا خوش فعلیوں میں مصروف تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے نادر کو اپنے قریب بلایا اور اسے شرف ہمکلامی بخشا۔ باتوں باتوں میں جہانگیر نے پوچھا۔ "تم بنگال سے آ رہے ہو، کیا یہ درست ہے کہ وہاں کے لوگ اور وہاں کی ہر شے ناقابل اعتبار ہیں؟"

نادر نے سر جھکا کے فدویانہ عرض کیا۔ "بالکل درست ہے جہاں پناہ! اس غلام نے خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ ایک نالا جو صبح شمال سے مشرق میں بہہ رہا تھا وہی نالا شام کو شمال سے جنوب میں بہنے لگا۔ جہاں کے ندی نالے تک ناقابل اعتبار ہوں وہاں کے انسانوں پر کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

پھر نادر نے اول سے آخر تک جو کچھ پیش آیا تھا، جہانگیر کے گوش گزار کر دیا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والی ملاقات اور گفتگو کا ذکر بھی کر دیا۔ جہانگیر آنکھیں موندے ... دلچسپی سے سب کچھ سنتا رہا۔ آخر میں کہا۔ "بدولت کو پرچہ نویس تمہاری روداد سے آگاہ کر چکے ہیں۔ خسرو ابھی بچہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے کاندھوں پر اس کا اپنا سر نہیں ہے، یہ دوسروں کے سر ہیں جن سے وہ اپنے ہر معاملے میں غور و خوض اور فیصلے صادر کرتا ہے۔" پھر پوچھا۔ "ہم نے اپنے نمک خواروں اور وقت پر کام آنے والوں کو ان کی توقع سے زیادہ نواز دیا ہے، تم اس وقت یہاں موجود نہ تھے۔ اب بولو تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

نادر نے عاجزی سے عرض کیا۔ "کوئی ... منصب، جس سے یہ ناچیز دشمنوں کی نظر میں معزز قرار پا جائے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

جہانگیر نے پلک جھپکاتے ہوئے پوچھا: بے جھجک گزارش کرو۔"

نادر نے پس و پیش سے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا: اگر جہاں پناہ میری بات کو چھوٹا منہ اور بڑی بات نہ تصور فرمائیں تو یہ ناچیز خواہش کرے گا کہ اسے میر آخور (شاہی اصطبل کا افسر اعلیٰ) بنا دیا جائے!"

جہانگیر نے کچھ تامل سے کہا: اوں ہوں، یہ نہیں، اس کے سوا کچھ اور مانگو۔

نادر نے جواب دیا: پھر جہاں پناہ جس منصب کا اس ناچیز کو اہل سمجھیں، مرحمت فرمادیں!"

جہانگیر نے کہا: پھر سردست ہماری معتمدی میں رہو۔

نادر نے سر جھکا کر اپنی غلامی اور سعادت مندی کا اظہار کیا۔

فتنے نادر کی ایما پر نوازش علی کا مکان ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ نادر کو نوازش علی اور شیرباز ملے بھی تو ان سے اُن کا پتہ نہیں پوچھا جا سکتا تھا۔ ایک دن وہ صیقل گروں کے بازار سے گزر رہا تھا کہ شیرباز نے کسی طرف سے نمودار ہو کر اس کا راستہ روک لیا۔ بولا: اس دن تم شہزادے سے کیوں نہیں ملے تھے؟"

نادر نے جواب دیا: ہاں تم شہزادے سے کہنا کہ ہمیں دوبارہ ملاقات نہ ہونے کا ملال ہے لیکن کوشش کریں گے کہ جلد ہی ملاقات کریں!"

شیرباز اسے ایک طرف لے جاتا ہوا بولا: کیا یہ صحیح ہے کہ تمھیں چچا نوازش نے [illegible] حوض میں گرا کر مار دینے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں صحیح ہے!" نادر نے جواب دیا۔ لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے!

نادر نے بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ اس خوش اخلاقی کے پیچھے ایک مقصد کارفرما تھا۔

نادر نے مسکراتے ہوئے کہا: شیرباز! ہمیں تمھارا گھر نہیں معلوم تھا ورنہ ملاقات کو ضرور حاضر ہوتے۔

شیرباز نے خشک لہجے میں جواب دیا: ہمارے گھر آنے کی کوئی ضرورت نہیں، چچا نوازش تمھیں بالکل پسند نہیں کرتے۔ پھر آنکھ دبا کر شرارت آمیز رازداری سے پوچھا: جہاں پناہ سے کس کی شکایت کی؟"

نادر نے جواب دیا: چغل خوری عورتیں کرتی ہیں۔ مردوں کو مردوں کی طرح رہنا چاہئے۔

شیرباز نے اسے مشورہ دیا۔ بولا: تم خود بھی سمجھدار ہو پھر بھی ہم تمھیں ایک راز کی بات بتائیں گے۔ گھوڑے کی پچھاڑی اور بادشاہ کی اگاڑی خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔

شاید نادر نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا اور وہ کر دل ہی دل میں ایک خلش، کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔ اچانک سوال کیا: تم نے شادی کرلی؟"

شیرباز نے بے نیازی سے نفی میں گردن ہلادی، بولا: ابھی نہیں!

نادر نے پوچھا: پھر کب تک کرو گے؟"

اس سوال پر شیرباز نے اسے کچھ اس طرح دیکھا کہ نادر پشیمان ہوگیا۔ شیرباز نے جواب دیا: شادی سے پہلے ایک عظیم الشان مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کا عہد۔ کوئی اعلیٰ منصب، پھر شادی!"

یہ کہتے کہتے اس کے چہرے پر اندرونی خوش آئند احساسات کی سرخوشی مسکراہٹ بن کر پھوٹ نکلی۔ ایسی مسکراہٹ، جس میں چہرے کے ساتھ جسم کا رواں رواں شریک تھا۔

جب یہ دونوں جدا ہوئے تو نادر نے نہایت ہوشیاری سے شیرباز کا پیچھا کر کے اس کا گھر دیکھ لیا۔ ایک بدخشی اسلحہ فروش کی دوکان کے پیچھے، جس کے بغل میں جانوروں کا باڑہ تھا۔

گھر پہنچ کر نادر نے فتنے کو یہ خوش خبری سنائی کہ اسے حور بانو کا گھر معلوم ہو چکا ہے لیکن فتنے کو اس خبر سے خوشی نہیں ہوئی کہنے لگی: لیکن آپ خاطر جمع رکھیں، حور بانو آپ کو اس دن نہیں مل سکتی!

نادر نے کہا: فتنے! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم حور بانو سے مل کر ہمارے بارے میں ان کی آخری رائے معلوم کرو۔

فتنے نے بے دلی سے کہا: آپ کہتے ہیں تو میں چلی جاؤں گی، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کا خونی باپ مجھے قتل نہ کردے۔

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ نادر نے جواب دیا۔ یہ جیتا آباد جنگل نہیں، آگرہ ہے، آگرہ! یہاں وہ ایسی جرأت نہیں کرسکتا!

نادر کئی بار بدخشی اسلحہ فروش کی دوکان میں گیا اور کافی دیر تک بیٹھ کر واپس آیا۔ دوکان سے نکلتے ہوئے ایک دن اس کی نوازش علی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ سامنے سے آ رہا تھا اور نادر دوکان سے نکل رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور نادر نے غیر ارادی طور پر نوازش علی کو سلام کیا۔ نوازش علی نے سلام کا جواب دینے کے بجائے نادر کا راستہ روک لیا، اور گھور کر کہنے لگا: ہمارا خیال تھا کہ تم سے ہمیں نجات مل چکی ہے لیکن تم سخت جان اور بے شرم نکلے۔ اب پرانی باتیں بھلا دو اور ہم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے دور دور رہیں!"

نادر نے بھی تیوری بدلی اور تلخ لہجے میں جواب دیا: ہم عنقریب تمھارا قرض اُتار دیں گے!"

نوازش علی چراغ پا ہوگیا۔ معلوم نہیں کیا کیا برا بھلا بکتا رہا۔ آخر میں صاف صاف کہہ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اور دیکھنا اس فتنے کو اپنے قابو میں رکھو۔ اگر اس نے دوبارہ ہمارے گھر میں قدم رکھا تو دونوں ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں گے۔ سمجھ گئے ہو؟"

جب نادر گھر پہنچا تو وہاں خوف زدہ فتنے پہلے سے موجود تھی، اسے نوازش علی نے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ اب پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا تھا اس نے طے کر لیا کہ کچھ بھی ہو۔ نوازش علی کا علاج شہنشاہ جہانگیر کو اشتعال میں لا کر کرنا پڑے گا۔

اس نے فتنے سے پوچھا: "جب تم گھر میں داخل ہوئی تھیں تو کیا حور بانو سامنے موجود تھیں؟"

"ہاں موجود تھیں!" فتنے نے جواب دیا: "لیکن مجھے دیکھتے ہی گھبرا گئی تھیں!"

نادر نے اشتیاق سے پوچھا: "حور بانو کی صحت کیسی ہے؟"

"بہت اچھی، دونوں رخسار قندھاری انار ہیں!"

نادر نے اور پوچھا: "آنکھوں کی چمک کا کیا حال ہے؟"

فتنے نے جواب دیا: "میں نے آنکھوں کی چمک پر تو غور نہیں کیا لیکن جب وہ مجھے دیکھ کر خوف زدہ انداز میں مسکرائیں تو ان کے دانت البتہ چمک رہے تھے"

نادر نے مزید پوچھا: "حور بانو نے ہمارا نام بھی لیا تھا بھلا؟"

"نہیں" فتنے نے جواب دیا: "وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھیں کہ اماں دیکھنا یہ فتنے بدذات پھر آ گئی، اسی وقت نوازش علی آ گئے!"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر حور بانو کا مجھ سے پردہ کرا دیا گیا اور نوازش علی نے مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ جب میں کچھ تلملائی تو میرے کئی ہاتھ جڑ دیئے۔"

نادر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حور بانو ہمیں اب بھی چاہتی ہے ہمارا انتظار ہے۔" پھر فتنے کو سمجھاتا ہوا بولا "فتنے! تمہیں خوف زدہ یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس کے کئی دن بعد نادر کو حور بانو کا ایک خط ملا، جسے حور بانو کے خادم نے پہنچایا تھا۔ حور بانو نے لکھا تھا۔

"نادر! ہم اب بھی آپ کے منتظر ہیں۔ ہم بہت زیادہ پریشان ہیں اور سخت الجھنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ سنتے ہیں آپ کو جہاں پناہ کا قرب حاصل ہو چکا ہے۔ خدا کے لئے کچھ کیجئے۔ آخر آپ سوچ کیا رہے ہیں؟ مجھے اباجان سے نفرت سی ہو چلی ہے!"

جواب میں نادر نے بھی دو سطریں لکھ دیں: "حور بانو آپ گھبرایئے مت، ہم یا تو آپ کو حاصل کر لیں گے ورنہ جان دے دیں گے۔ یہ ایک مرد کا عہد ہے، ایک سپاہی کا پیمان، جو

ہمارا اشارہ پورا ہو کر رہے گا۔"

جشنِ نوروز منائے چھبیس ستائیس دن گزر چکے تھے اس جشن میں نادر کو یک [ہزاری] ذات اور پانچ صدی سوار کا منصب عطا ہوا تھا۔ جہانگیر کے شب و روز عیش و عشرت [میں گز]ر رہے تھے، نادر موقع کی تلاش میں تھا۔ وہ حور بانو کے لئے جہانگیر سے بات کرنا چاہتا تھا۔ [ایک رات] کو جب طرب گاہ جہانگیری میں محفل مے نوشی جمی اور پینے پلانے کا ہنگامہ گرم [ہوا تو] پھولوں جیسے مہکتے ہوئے صراحی بردوش خوبرو، محفل امراء اور مقربین کے خالی جام بھرتے پھر رہے [تھے۔ ...] عام سرخوشی میں بھی لوگوں کو آداب شاہی کا بڑا خیال تھا۔ جہانگیر سے نظریں بچا کے حسن و شباب [کے] دیوانے نوخیز اور مہوش ربا ساقیوں کے ہاتھ پکڑ کر آغوش میں کھینچ لیتے اور بے اختیار دیوانہ وار بوسے برسا دیتے۔ باچھوں سے بہتی ہوئی شراب سے پری پیکروں کے رخسار اور [...] اعضا تر ہو جاتے اور وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر ان کے قابو سے نکل کر ہاتھوں سے رخسار [...] لگتیں۔

[...] نگے سروں میں ساز بج رہے تھے اور خوش الحان گانے والیاں لوگوں کے جذبات [...] لگا رہی تھیں۔ ایرانی شعراء کی عاشقانہ اور شہوت انگیز غزلوں، شراب کی گرمی، خوش الحانی [...] جادو اور سازوں کے سحر انگیز زیر و بم نے لوگوں کے دل و جگر کو پھونک کر رکھ دیا تھا۔ حسن و جمال کے پیکر اور رعنائی و زیبائی کے متحرک اور رقصاں پری صفت [...] چہرہ بھی از خود رفتہ ہو رہے تھے۔ نادر بھی اس سیلِ حسن میں ڈوب رہا تھا مگر، حور بانو کی یاد کی [...] جاتے موقع کی تاک میں تھا کہ مناسب موقع ملتے ہی وہ حور بانو کی بات کرے۔

جہانگیر نے مخمور نظروں سے اپنے امراء اور مقربین کو دیکھا اور کہا: "ہم نے شراب کو [...] قرار دیا ہے لیکن آج اس جشن طرب میں یہ حلال قرار پا گئی ہے۔" یکایک اس کی نظر نادر پر [پڑی] جو محفل کے ہنگاموں سے کچھ الگ تھلگ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جہانگیر نے ایک نوخیز [...] فصیحہ کو حکم دیا: "ذرا اس مولوی کو ہمارے حضور حاضر کرو!"

اس مجسمہ رعنائی نے نادر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر، ادب سے جب یہ بتایا کہ شہنشاہ یاد فرما رہے ہیں تو وہ افتاں و خیزاں، تقریباً لڑکھڑاتا ہوا جہانگیر کے قریب پہنچ گیا۔ جھک کر سجدۂ تعظیمی ادا کیا۔

جہانگیر نے سرمستی میں پوچھا: "ہم نے تمہیں یک ہزاری ذات اور پانچ صدی سوار کے [منصب] سے نوازا، تم پھر بھی اداس نظر آتے ہو۔ آخر کیوں؟"

نادر نے اشاروں میں حرفِ مدعا ادا کیا: "جہاں پناہ کی نوازشیں تو عام ہیں — پھر آپ کے اس غلام کے دل میں ایک ایسا شگاف پڑ چکا ہے جسے بہت بڑا مجرم رکھنے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

شاہی مناصب اور اعزاز بھی پیش نہ کر سکیں گے!"

جہانگیر نے چونکا دینے والی بات کی: "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ہمیں معلوم ہے شاہی وقائع نویس ہمیں مطلع کر چکے ہیں کہ تم نوازش علی کی لڑکی مہر بانو کے طلب گار ہو!"

نادر نے سر جھکایا اور وفورِ جذبات سے عرض کیا: "شہنشاہ روشن ضمیر ہیں، جو [illegible] ہی دلوں کے راز جان لیتے ہیں....."

جہانگیر نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا: "لیکن یہ بات معدلتِ جہانگیری کے خلاف ہے کہ ہم کسی امیر کی لڑکی جبراً دوسرے امیر کے حوالے کر دیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ہم اس سلسلے میں نوازش علی پر کوئی دباؤ ڈالیں"

نادر کو ایسا لگا جیسے وہ کسی بہت اونچی جگہ سے گرا دیا گیا ہے۔

جہانگیر کا دریائے بخشش جوش پر آیا۔ اس نے شریکِ محفل پری پیکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ہاں اگر ان میں سے کسی پر تمہاری نظرِ انتخاب پڑے تو ہم اسے اسی وقت تمہارے حوالے کر دیں گے!"

نادر نے رنجیدہ لہجے سے عرض کیا: "غلام عشق کا راہی ہے، اگر ہوس باز نہیں تو پھر کوئی اور کیسے کرے گا؟"

اسی وقت ایک خادمِ خاص کسی طرف سے نمودار ہو کر تیز تیز چلتا ہوا بادشاہ کے روبرو سجدے میں گر گیا اور ادب سے عرض کیا: "جہاں پناہ! امیر الامراء ایک سنگین اور تکلیف دہ مسئلے سے حضور کو مطلع کرنے کے لئے اسی لمحے باریابی کے خواستگار ہیں!"

ایک لمحے کے لئے بروئے سلطنت پر ناگواری سے جنبش ہوئی اور حکومت کی پیشانی پر فکر کی شکنیں ابھریں۔ جہانگیر اسی وقت شاہ برج میں چلا گیا اور امیر الامراء کو وہیں طلب کیا۔

محفل جشن و طرب پھیکی پڑ گئی اور پھر ذرا دیر بعد ہی بادشاہ کے حکم سے یہ محفل برخاست ہو گئی اور چند خاص خاص امراء شاہ برج میں داخل ہوئے جہانگیر امیر الامراء سے کہہ رہا تھا: "لیکن خسرو تو عرش آشیانی (اکبر) کے مزار کی زیارت کو گیا تھا!"

امیر الامراء نے سر جھکاتے ہوئے عرض کیا: "اس غلام کو تو شاہی مخبروں نے تحقیق کے بعد یہ ہوش رُبا اطلاع دی ہے کہ شہزادہ خسرو، شاہی اصطبل سے گھوڑے لے کر اپنے ساڑھے تین سو ساتھیوں کے ساتھ بغاوت کے ارادے سے فرار ہوئے ہیں!"

جہانگیر نے بھاری آواز میں پوچھا: "اس کے ساتھ بھاگ جانے والوں میں امراء میں کون کون شریک ہے؟"

امیر الامراء نے فدویانہ عرض کیا: "حسین بیگ بدخشی، عبدالرحیم، خود مراد اور تن کر چلنے والا

شہزادہ اور اس کا چچا نوازش علی!"

ساری بات نادر کی سمجھ میں آ چکی تھی، جہانگیر نے ایک اچٹتی نظر نادر پر ڈالی۔
دوسرے امراء خاموش کھڑے معاملے کی خطرناک نوعیت سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جہانگیر نے امیر الامراء کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی چھوٹا اپنے بزرگ کو دیکھتا ہے پھر پوچھا: "اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ آپ بمنزلہ عرش آشیانی (اکبر) ہیں!"

امیر الامراء نے مودبانہ عرض کیا: "اگر حضور حکم دیں تو یہ غلام اسی وقت شہزادے کے تعاقب میں روانہ ہو جاتا ہے۔ اور سادہ لوح شہزادے کو اس کے بد نہاد ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے بارگاہِ عالی میں حاضر کر دے"

جہانگیر نے سر کے اشارے سے مشورے کی توثیق کر دی اور دبدبے سے کہا: "مشورے پر عمل کیا جائے!"

امیر الامراء نے فکرمندی سے پوچھا: "اگر اس ناچیز کی نصیحتوں کا شہزادے پر کوئی اثر نہ ہو تو؟"

جہانگیر نے سوالیہ نظروں سے امیر الامراء کو دیکھا اور پوچھا: "مافی الضمیر کی وضاحت"
امیر الامراء نے کہا: "اگر شہزادہ واپس آنے پر آمادہ نہ ہو اور مقابلے کے لئے ہتھیار سنبھالے تو اس صورت میں غلام کو کیا کرنا چاہئے؟"

جہانگیر نے گمبھیر آواز میں اپنا فیصلہ سنا دیا: "اگر وہ کسی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو پھر جو کچھ تم سے ہو سکے، اس میں کمی نہ کرنا کیونکہ سلطنت خویشی اور فرزندی کی مراعات نہیں برداشت کر سکتی"

"کہ بادشاہ خویشی ندارد"

امیر الامراء نے جھک کر اور ہاتھوں کو ہلا ہلا کر چند فرشی سلام کئے اور الٹے قدموں چل کر شاہ برج سے نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی نادر نے نہایت ادب سے عرض کیا: "اگر جہاں پناہ اجازت دیں تو یہ غلام بھی کچھ کہنے کی جسارت کرے"

جہانگیر نے جواب دیا: "اجازت ہے"

نادر نے کہا: "حضور کا شہزادے خسرو کے تعاقب میں امیر الامراء کو روانہ کرنا اس ناچیز کی دانست میں کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے!"

جہانگیر نے تشویش سے پوچھا: "کیوں؟ مفہوم تفصیل سے واضح کرو"

نادر نے جواب دیا: "امیر الامراء کی شہزادے سے پرانی رنجشیں چلی آ رہی ہیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اس وقت جہاں پناہ نے خود ہی امیر الامراء کو شہزادے کے خلاف سختی کرنے کی اجازت دے دی ہے اور اس اجازت کے بعد کہ سلطنت خویشی اور فرزندی کی مراعات برداشت نہیں کر سکتی کچھ بعید نہیں کہ اب جہاں محض زبان سے کام نکل سکے، امیر الامراء تلوار سے کام لیں!

جہانگیر کو یہ مشورہ پسند آیا اور اسی وقت ایک خصوصی فرمان امیر الامراء کی ذاتی کا جاری کر دیا۔

نادر کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن جہانگیر نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ بولا "تمہیں یہ تو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ نوازش علی اور شیخو بھی خسرو کی حماقتوں میں شریک ہیں۔ اس مہم میں تمہیں بھی شریک ہونا ہے۔ اس کے بعد مہم کی کامیابی پر ہم بدملت غدار اور باغی نوازش علی کی بیٹی تمہارے حوالے کر دیں گے!"

نادر تعمیل حکم میں خم ہو گیا۔ پھر دوسرے امراء کے مشورے سے جہانگیر نے مشتبہ اور غیر وفادار افراد اور خاندانوں کی نگرانی اور قید کا فرمان صادر کر دیا۔

مہم پر روانگی سے پہلے نادر فتے کو لے کر حور بانو کے گھر پہنچ گیا اب اس معتوب خاندان کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ شاہی عتاب نے عزیز رشتے داروں کو اس گھر سے گریزاں کر دیا تھا۔

فتے نے بادل نخواستہ ملاقات کا اہتمام کیا، حور بانو بہت اداس تھی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ نادر کو شہزادے خسرو اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب اور گرفتاری پر مامور کیا گیا ہے تو اس کا دل بھر آیا۔

نادر نے سوگوار اور طول چہرہ انگلیوں کی مدد سے اوپر اٹھایا اور کہنے لگا۔ "حور بانو! اب ہم آپ کو عنقریب حاصل کر لیں گے، جہاں پناہ نے وعدہ کر لیا ہے کہ اگر ہم اپنی مہم میں کامیاب ہو گئے تو وہ آپ کو ہمارے سپرد کر دیں گے!"

حور بانو نے ویران اور خشک آنکھوں سے نادر کو دیکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔ نادر نے اس کے دونوں گال تھپتھپا دیے، اور بولا۔ "خدا سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں اپنی مہم میں کامیابی عطا کرے اس کے بعد ہم دونوں ایک ہو جائیں گے۔"

حور بانو نے بے رخی سے لیکن پرسوز لہجے میں جواب دیا۔ "ہم نہ تو آپ کے حق میں دعا کر سکتے ہیں نہ بابا جان اور شیر باز کے حق میں!"

"یہ کیوں؟"

حور بانو نے جواب دیا۔ "اگر شہزادے خسرو بغاوت میں کامیاب رہے تو آپ ناکام رہیں گے اور پھر بابا جان اور شیر باز فتح مندی کی خوشی میں آپ کو کہیں کا بھی نہ رکھیں گے لیکن اگر آپ کامیاب ہو گئے تو پھر ان دونوں کی خیر نہیں۔ ہم یہ بالکل نہیں چاہتے کہ آپ لوگ آپس میں جدال و قتال کریں۔"

فتے نے درمیان میں نازل ہو کر دونوں ہی کو گھبرا دیا۔ آتے ہی کہنے لگی۔ "ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ جہاں پناہ خود بھی شہزادے کے تعاقب میں روانہ ہو رہے ہیں!"

نادر کی دل کی دل ہی میں رہ گئی، وہ جاتے جاتے کہنے لگا۔ "اچھا حور بانو! ہم چلتے ہیں تم گھبرانا مت۔ مصیبتوں کے دن گزر چکے ہیں!"

حور بانو نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک عجب انداز دلربائی سے کہنے لگی۔ "ہم جانتے ہیں کہ آپ کے دل میں دونوں کے خلاف کیسا انتقامی جذبہ کارفرما ہوگا پھر بھی آپ سے یہ درخواست کریں گے کہ اگر دونوں قابو میں آ جائیں تو ان کے ساتھ ذرا ہمدردانہ سلوک کیجیے گا!"

"وعدہ!" نادر نے فراخ دلانہ جواب دیا۔ "آپ مطمئن رہیں حور بانو!"

پھر آس پاس کسی کو نہ دیکھ کر چپکے سے کہا۔ "اب ہمیں گستاخی کی اجازت دیجیے!"

حور بانو نے شرما کر سر جھکا لیا اور دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئی اور لمبی آواز بنا بولی۔ "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا!"

نادر نے ستانے کے لیے کہا۔ "پھر آپ جانیں اور آپ کا کام، ہم کچھ نہیں جانتے حور بانو آپ دیکھ لیجیے گا ایک ایک باغی یا غدار کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا!"

حور بانو نے ہول کر آنکھیں بند کر لیں۔

جب وہ حور بانو سے رخصت ہو کر باہر نکلا تو اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اسے اب گھر واپس نہیں جانا ہے۔ اس نے فتے کو کچھ ضروری ہدایتیں دیں تو فتے نے آزردگی سے پوچھا "حور بانو نے آپ کو کیا جواب دیا؟"

نادر نے کہا۔ "اب ہمیں اس کے جواب کی کوئی پرواہ نہیں کیوں کہ جہاں پناہ نے ہم سے وعدہ کر لیا ہے کہ ہم سے بامراد واپسی پر ہم دونوں کو دھوم دھام سے وابستہ کر دیا جائے گا، ہمیں اس سے قبل الوقوع کیا مل سکتا ہے!"

فتے روہانسی ہو گئی۔ آپ ہی آپ کہنے لگی۔ "آپ کے گھر میں بھی اسی وقت تک ہوں جب تک آپ واپس نہیں آ جاتے اس کے بعد میں بھی کہیں چلی جاؤں گی!"

نادر نے اس کی پوری بات شاید سنی بھی نہیں اور گھر سے باہر نکل کر گھوڑے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ONEURDU.COM

سوار ہو گیا۔

خسرو اپنے ساتھیوں کی معیت میں متھرا سے نکل کر لاہور کی طرف بڑھا۔ نادر کا لشکر تیزی سے ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ جس راستے سے خسرو اور اس کی سپاہ کا گزر ہوا تھا اس کی آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔ لاہور کے قلعے دار کو خسرو کی سرکشی اور بدبختی کا علم ہو چکا تھا اور وہ قلعے میں بند ہو کر بیٹھ چکا تھا۔ جب خسرو وہاں پہنچا اور قلعے کے دروازہ کو بند دیکھا تو بہت ہی جھنجلایا اور اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ کسی بھی طرح اندر داخل ہونے کی کوشش کی جائے اگر مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی تو خسرو کی طرف سے فوجیوں کو سات دن تک شہر لوٹنے کی اجازت حاصل ہوگی لیکن ابھی یہ لوگ پس و پیش ہی میں تھے کہ نادر بھی ان کے سروں پر آ پہنچا

گیا، خسرو اور اس کے ساتھی گھبرا کر دوسری طرف فرار ہو گئے۔

خسرو بھاگ کر چناب کے کنارے پہنچ گیا، وہ شاہ پور کے راستے سے چناب عبور کرنا چاہتا تھا لیکن خدشہ محسوس کر کے وہ سودھرا نامی گھاٹ پر پہنچ گیا۔ جہانگیر نے جملہ گھاٹوں پر بذریعہ فرمان پہرے بٹھا دیے تھے۔ خسرو اور اس کے ساتھیوں نے سودھرا گھاٹ زبردستی عبور کرنا چاہا لیکن ابھی لمحوں میں نادر بھی ان کے سروں پر جا پہنچا۔ اس نے دیکھا کچھ لوگ زبردستی کشتیوں پر سوار ہو کر فرار ہو رہے ہیں۔ نادر اور اس کی سپاہ نے دریا کے بہاؤ پر کشتیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ نادر نے تیراندازی شروع کر دی جواب میں کشتیوں میں سے بھی تیراندازی شروع ہو گئی۔

یہ کشتیاں تیزی سے تیر چلاتی ہوئی چار کوس تک بھاگ چلی گئیں نادر اور اس کے ساتھی بھی برابر تعاقب میں لگے رہے یہاں تک کہ خسرو کی بدقسمتی سے اس کی کشتی ریت پر چڑھ گئی نادر ان کے قریب جا پہنچا، دونوں میں سخت مقابلہ ہوا لیکن حقیقتاً خسرو کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اس کے بیشتر ساتھی مارے جا چکے تھے اور اب ان کی ترکشیں خالی ہو چکی تھیں۔ نادر نے چیخ کر انہیں حکم دیا۔ "اپنے ہتھیار زمین پر پھینک دو تاکہ تمہیں جان سے نہ ماریں!"

سہمے اور خوف زدہ لوگوں نے اپنے جملہ ہتھیار زمین پر گرا دیے۔

نادر احتیاط کے ساتھ ان کے قریب گیا لیکن ابھی وہ گفتگو کا آغاز بھی نہ کر سکا تھا کہ کسی نے اس کی پشت پر سے وار کرنا چاہا لیکن اسی لمحے کوئی سپاہی آڑے آ گیا اور خود کو زخمی کر کے نادر کو بچا لیا۔

نادر نے اس حملہ آور کو فوراً ہی پہچان لیا اور حیرت سے کہا۔ "ارے یہ آپ نوازش علی یا دا!"

نوازش علی کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا، وہ غصے سے نادر کو گھور رہا تھا، کوئی جواب نہیں دیا۔

جہانگیر لاہور کے قریب آ پہنچ چکا تھا۔

گرفتاری کے دوسرے دن ہی امیر الامرا خسرو کی گرفتاری کے لیے نادر کے پاس پہنچ گیا۔

کھیل ختم ہو چکا تھا۔ جہانگیر کامران باغ میں خسرو اور اس کے ساتھیوں کی پیشی کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ پھر ایک ہلکا سا شور اٹھا کہ شہزادہ خسرو اور اس کے ساتھی پابہ زنجیر بارگاہ سلطانی میں لائے جا رہے ہیں۔ پھر چنگیز خانی قانون اور قاعدے کے مطابق خسرو کو دست بستہ اور پابہ زنجیر بائیں طرف سے جہانگیر کے روبرو پیش کر دیا گیا، اس کے دائیں طرف حسین بیگ بدخشی اور بائیں طرف عبدالرحیم کو کھڑا کیا گیا۔ ان کے پیچھے نوازش علی اور شیر باز تھے۔ جہانگیر انہیں خفگی اور جلال سے گھور رہا تھا۔ خسرو کھڑا لرز رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

نادر احساس برتری کے باعث آگے بڑھا اور نوازش علی اور شیر باز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک ادائے بے نیازی سے ان دونوں کی بے کسی اور بے بسی پر مسکرا رہا تھا۔ شیر باز کی گردن میں اس وقت بھی اکڑ موجود تھی نادر کو دیکھتے ہی حقارت سے اس پر تھوک دیا۔

پھر تھوڑی سی دیر بعد جہانگیر کی معدلت گستری پر بیٹے کی محبت غالب آ گئی۔ اس نے باغیوں کے خلاف فوراً ہی اپنا فیصلہ صادر فرما دیا۔ "خسرو کے سر بر آوردہ ساتھیوں کو گدھے اور بیل کی کھالوں میں سی کر اور انہیں گدھوں پر الٹا بٹھا کے آبادی میں پھرایا جائے، اور بقیہ غداروں اور باغیوں کو، کامران باغ اور لاہور کے دروازے کے درمیان سڑک کے آس پاس پھانسیاں گاڑ کر لٹکا دیا جائے!"

بموجب شاہی فرمان حسین بیگ اور عبدالرحیم کو جانوروں کی کھالوں میں سی کر آبادی کے بیچ میں گشت کرایا گیا۔ اور گشت ہی میں ان دونوں کی موتیں واقع ہو گئیں۔

جب نوازش علی اور شیر باز کو پھانسیوں تلے لے جایا گیا تو نادر بھی وہیں پہنچ گیا، اس وقت اس کی کچھ اور ہی کیفیت تھی۔ ایک طرف جذبۂ انتقام تھا تو اسی جذبۂ انتقام کے آس پاس شرافت، انسانیت اور خدا ترسی کے احساسات بھی موجود تھے۔

بھدی اور چیچک زدہ شکل کا سپاہی آگے بڑھا اور شیر باز کے گلے میں پھندا ڈالنے لگا اس نے شیر باز کی ترچھی گردن کو زبردستی سیدھا کرنا چاہا تو وہ چھنک پڑا۔ نادر کو گھورتا ہوا بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

"تم شماتت اور استہزا سے کیوں دیکھتے ہو۔ یہ تو ایک جوا تھا، جوئے میں ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ ہم ہار چکے ہیں اور جان دے کر اپنی ہار کا اعلان کر رہے ہیں لیکن لوگو! یہ کہاں کی معدلت گستری ہے کہ جہانگیر نے اس بازی کے سب سے بڑے جواری اور سرغنہ اپنے بیٹے خسرو کو کوئی سزا نہیں دی۔"

شاہی کارندوں نے شہباز کو خاموش کرنے کے لئے اس کا منہ دبا دیا۔

اس نے بے حد اداس اور غمگین نوازش علی کو دیکھا وہ نادر سے نظریں نہیں ملانا چاہتا تھا۔ نادر اس کے قریب گیا اور معلوم نہیں کیوں اس سے ایک عجیب سا سوال کر بیٹھا۔ پوچھا۔ "اس کے بعد ہم آگرے واپس چلے جائیں گے۔ حور بانو کے لئے کوئی پیغام؟"

نوازش علی نے طیش اور بردباری کے ملے جلے انداز سے نادر کو دیکھا۔ پھر باوقار لہجے میں بولا۔ "ہاں ہے، اگر تم اسے حور بانو تک پہنچا دو۔"

نادر نے شریفانہ انداز میں وعدہ کیا۔ "ہم آپ کے اس حشر سے سوگوار اور مجبور ہیں۔ آپ کا ایک ایک لفظ حور بانو تک پہنچا دیا جائے گا۔"

نوازش علی نے آنکھیں بند کر لیں اور چپکے چپکے کہنے لگا۔ "حور بانو سے کہنا۔ محبت سبھی کرتے ہیں لیکن جس سانپ نے تمہارے باپ کو ڈسا ہے وہ کتنا ہی حسین اور پیاری شکل و صورت کا کیوں نہ ہو، اس کا مستحق نہیں قرار پا سکتا کہ تم اسے اپنے گلے کا ہار بنا لو۔ تم اس سے کہنا، نوازش علی شریف تھا۔ باپ کی وصیت پر عمل کر کے تمہیں بھی اپنی شرافت نفس کا ثبوت دینا ہوگا۔!"

نادر نے نوازش علی کے پیغام کو خوب اچھی طرح حافظے میں بٹھا لیا۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا اور دل اندر سے ملامت کر رہا تھا کہ اے کاش نوازش علی سے ان لمحات میں کوئی ملاقات ہی نہ ہوئی ہوتی۔

باغیوں کو سڑک کے آس پاس کھڑی ہوئی پھانسیوں میں لٹکا دیا گیا۔ رسیوں سے لٹکتی ہوئی لاشوں کے سر ان کے شانوں پر ایک طرف ڈھلک گئے۔ جہانگیر کے حکم سے ان لاشوں کے درمیان سے شہزادے خسرو کی سواری گزاری گئی۔ شہزادہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہاتھی پر سوار تھا اور یہ ہاتھی مستانہ چال چلتا ہوا لاشوں کے بیچ سے گزر کر لاہور دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ ہاتھی کے آس پاس نقیبوں کی فوج اس طرح چل رہی تھی جیسے شاہی سواریوں کی جلو میں چلا کرتی ہے۔ خسرو اپنے ساتھیوں کے حشر سے خوفزدہ اور سہما ہوا رہا تھا اور اس کی جلو میں

والے نقیب باآوازِ بلند چیخ رہے تھے۔

"ہوشیار! خبردار! بادشاہ سلامت کو امرا مجرا ادا کر رہے ہیں!"

جہانگیر ابھی آگرے واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ نادر نے واپسی کی اجازت لی تو جہانگیر کو اپنا قول یاد آگیا۔ اسی وقت ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے نوازش علی کی جائداد اور حور بانو کو اس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

نادر تھکا تھکا اداس اور نڈھال نڈھال آگرے میں داخل ہوا۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔

حور بانو اسے اداس دیکھ کر اداس ہو گئی۔ اس نے سراپا جستجو اور مجسم آرزو بن کر پوچھا۔

"بابا جان کا کیا ہوا؟"

نادر اس کی صورت ہی دیکھتا رہ گیا۔

اس نے نادر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ہلا کر پوچھا۔ "شہباز کہاں ہے۔؟"

نادر جو کہنا چاہتا تھا الفاظ اور ہمت اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

حور بانو قرائن سے معاملے کی تہ کو پہنچ گئی اور بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حور بانو کے آنسوؤں کی جھڑی نے اس کے دل پر آرے سے چلا دیے۔ وہ بے موسم برسات کو نظریں گاڑے دیکھتا رہا پھر بدقت تمام رک رک کر کہا۔ "حور بانو جب آپ کے باپ کو پھانسی کے پھندے تلے کھڑا کیا گیا تھا تو انہوں نے انہیں ایک پیغام دیا تھا!"

حور بانو نے کسی بچی کی طرح ڈبڈبائی آنکھوں سے نادر کو دیکھا بولی۔ "آپ چپ کیوں ہیں۔ بولتے کیوں نہیں۔؟"

نادر نے حور بانو کے چہرے سے نظریں ہٹا کر دروازے کی دہلیز پر گاڑ دیں اور کہنے لگا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ حور بانو سے کہنا، محبت سبھی کرتے ہیں لیکن جس سانپ نے تمہارے باپ کو ڈسا ہے وہ کتنا ہی حسین اور پیاری شکل و صورت کا کیوں نہ ہو وہ اس کا مستحق نہیں قرار پا سکتا کہ تم اسے اپنے گلے کا ہار بنا لو۔ تمہارے باپ نے مزید کہا تھا کہ حور بانو سے کہنا نوازش علی شریف تھا، باپ کی وصیت پر عمل کر کے تمہیں بھی اپنی شرافت نسبی کا ثبوت دینا ہوگا!"

وصیت اور باپ کا پیغام سن کر تھوڑی دیر تک تو حور بانو سر جھکائے چپکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

چپکے روتی رہی پھر وہ بے اختیار چیخ مار کے رو دی اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "پیا
آپ کا پیغام مل گیا؟"

نادر نے ذرا دیر بعد اپنا سر اٹھایا اور بے خیالی میں سوال کیا۔ "حور بانو! اب
ہمارے لئے کوئی حکم ہے؟"

حور بانو نے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔ "کوئی حکم نہیں!"

نادر نے حسرت سے حور بانو کو دیکھا اور پھر آخری بار وہاں کے در و دیوار دیکھ کر
باہر نکل آیا۔

اس کے پیچھے ہی رقیہ بھی آگئی۔ تیز تیز قدم اٹھاتی نادر کے پاس پہنچی اور کہنے لگی
"میں نے تم دونوں کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ اب کیا ارادے ہیں؟"

نادر نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی نظر سے رقیہ کو دیکھا اور بے خیالی میں جواب دیا
"اب کوئی ارادہ نہیں رقیہ۔ ہم جیت کر بھی بازی ہار چکے ہیں۔ ہمارے ہوتے حور کے پاس
رہا ہی کیا ہے جو کسی بات کا ارادہ کرے۔"

رقیہ نے جذباتی انداز اپنائیت کے لہجے میں جواب دیا۔ "تم جہاں جاؤ گے میں تمہارا
ساتھ دوں گی۔ تم کھو گئے تھے۔ شاید میں نے تمہیں پا لیا ہے۔!"

نادر نے شکی انداز میں "ہاں آں" کہا اور پھر یہ دونوں آگرے سے کہیں
چلے گئے۔

سنا ہے حور بانو مدتوں نادر کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ نادر
نہ ایک دن اس کے پاس واپس ضرور آئے گا لیکن وہ پھر کبھی واپس نہ آیا۔ گم سم حور بانو کو
قسمت کے سوا کسی سے شکایت تھی نہ گلہ اور وہ انتظار ہی میں ختم ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

قراقرم کے فرزند

مشرق سے آنے والے عجیب و غریب قوم کے سردار خانِ اعظم نے خوارزم شاہی تباہ و برباد کیا۔ میں اپنے چچا رشید الدین خوارزم کے ساتھ دریائے جیحون کے شمالی ساحل پر بخارا سے تقریباً بہتر میل دور خیمہ زن تھا۔ ہم نے بخارا اور سمرقند کی طرف سے اٹھنے والے دھوئیں کو فضا میں پھیلتے دیکھا اور پھر یہ دھواں اتنا زیادہ اور گہرا ہو گیا کہ اس میں سورج روپوش ہو گیا۔ چند بدحواس لوگ ہماری طرف بھاگتے ہوئے آئے اور ہمیں بتایا کہ سمرقند اور بخارا میں کچھ نہ رہا۔ رواد قد اور چھوٹی جیسی آنکھوں والے منگول خان نے اپنی وحشی سپاہ کے ذریعے سب کچھ تباہ کر دیا۔ وہ خوارزمیوں کا دشمن ہے اور انہیں ڈھونڈ کر ہلاک کر رہا ہے!"

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ بھی بدحواسوں میں شامل ہو چکے تھے۔ ہم دریا کے کنارے کنارے مشرق کا رُخ کیا اور ترمذ سے گزر کر بلخ کی طرف بڑھے جو افغانستان کی سرحد پر واقع ہے، ہمیں بھی اطمینان نصیب نہ ہوا اور ہم چلتے ہوئے ہرات پہنچ گئے اور یہاں گمنام بن کر رہنے لگے۔

میرے والدین پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ چچا رشید الدین بیٹے کی طرح میری تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے تھے۔ بخارا میں ہمارا خاندان اور سرخ پتھروں کا محل تھا۔ ہمیں کچھ پتہ نہ تھا کہ منگولوں نے میری چچی، چچازاد بہن روشن اور چچا کے بڑے داؤد سے کیا سلوک کیا۔ میرے چچا روز صبح شام کی ان تجارتی راہوں پر چلے جاتے جن پر چین سے تجارتی قافلے کا شغر سے گزر کر سمرقند کی بڑی شاہراہ پر چلتے ہوئے جنوب کی چھوٹی سڑکوں سے شہر ترمذ اور بلخ سے ہو کر مرو ہوتے ہوئے ہرات تک پہنچتے تھے۔ چچا ان سے سمرقند اور بخارا کی تباہی کی تفصیلات معلوم کرتے رہتے تھے۔ ایک دن انہیں کسی کا خط ملا جس میں ہمارے دونوں بڑے شہروں کی بربادی کی تعداد لکھی ہوئی تھی، خدا مجھے معاف کرے، میں نے چوری سے وہ خط حاصل کر کے تفصیل اس میں لکھا تھا۔

"خوارزم شاہی ختم ہو چکی ہے، میں نے ان کی نوکری کر لی ہے، یہ لوگ اوپر وسط ایشیا کے سب سے بڑے وحشی بڑے چالاک اور خونخوار ہیں۔ ان کا خانِ اعظم بخارا کی جامع مسجد میں اپنے گھوڑے پر سوار داخل ہوا تھا۔ اس کے آدمیوں نے قرآن پاک کے صندوقوں میں رکھ کر اپنے گھوڑوں کو دانہ کھلایا۔ ہمارے علما کو اپنی لہو و لعب کی محفلوں میں بلا کر ناچ گانے پر مجبور کیا۔ ہمارے سپاہیوں کو قتل، جوانوں کو غلام، بوڑھوں کو ہلاک، جوان اور خوبصورت عورتوں کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ چمڑے کی زرہ اور

خود پہننے والے لوگ قہرِ خداوندی ہیں۔ ان کے خانِ اعظم نے بخارا کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر ہمیں خطاب کیا۔ تم یقین کرو کہ کمرے پر شرے کی شفتی فندہ اور خود پہنے ہوئے یہ شخص کسی اور ہی دنیا کی مخلوق معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا: "تمہارے بادشاہ محمد خوارزم شاہ نے میرے اُن سوداگروں کو جو مسلمان تھے، اور دونوں حکومتوں کے درمیان تجارتی معاہدوں کی غرض سے آئے تھے، قتل کرا دیا۔ میں جاودانی آسمان کا قہر ہوں، تمہارا وہ خدا جس کا سچے ہیں مگر ہے اس بات پر ناراض ہو گیا ہے کہ تمہارے بادشاہ نے میرے چند مسلمان ملازموں کو قتل کرا دیا ہے، میں آسمان کی ضرب ہوں اور یہاں اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے بادشاہ کو تباہ و برباد کر دوں، اسی طرح جس طرح میں نے اور بادشاہوں کو کچلا ہے۔" دوست یہ بڑا ہولناک منظر تھا کہ ہر طرف سے مردوں، عورتوں اور بچوں کے نالہ و بکا کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ انہیں نہایت بے دردی سے ایک دوسرے سے بچھڑایا جا رہا تھا۔ ان وحشیوں نے عورتوں کی، ان کے قریبی رشتے داروں کے سامنے آبرو ریزی کی۔ بعض حمیت مند مظلوں پر جھپٹ پڑے لیکن قتل کر دیئے گئے۔ یہ لوگ مساجد اور محلات میں سنجیدگی سے بیٹھ کر شراب نوشی اور عیاشی میں مشغول ہو جاتے۔ ساری روداد چند لفظوں میں یوں لکھی جا سکتی ہے "آمدند و کندند و سوختند و کشتند و بردند و رفتند" یعنی وہ آئے، تباہ کیا، جلایا، مار ڈالا، لوٹا اور چلے گئے۔

انہوں نے کاریگروں اور ہنرمندوں کو پکڑ کر اپنے وطن بھیج دیا۔ مضبوط نوجوان جنہیں کوئی ہنر نہ آتا تھا اور سپاہی بھی نہیں تھے انہیں شفقت سے کام کرنے کے لئے غلام بنایا۔ تمہارے بیوی بچوں کا کچھ پتہ نہ چلا کہ اُن کا کیا حشر ہوا۔ مجھے خانِ اعظم نے نوکری دے دی ہے، میں قراقرم جا رہا ہوں، قراقرم جو کالی ریت کی زمین ہے۔ خانِ اعظم کا خیال ہے کہ میں پڑھا لکھا عقلمند آدمی ہوں، وہ مجھ سے بہت ساری جغرافیائی اور دوسری معلومات حاصل کرے گا۔ میں جا رہا ہوں لیکن نہیں جانتا کہ کب تک زندہ رہوں گا۔"

خط پڑھ کر میں ڈر گیا۔ اس رات مجھے نیند نہیں آئی۔ چچا بھی چار سو سمتوں دا ی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

قندیل کے سامنے بیٹھے آنسو بہاتے رہے۔ خاندان، مستقبل اور امیدوں کے خون نے انہیں
ہراساں اور خوفزدہ کردیا کہ اس کے بعد وہ چند ہی ماہ زندہ رہے اور مجھے بے یار و مددگار
چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ حکومت سے مجھے نفرت ہو گئی تھی جو کچھ چھوڑا تھا۔ اس کو تجارت
میں لگا دیا کیونکہ میں نے خوب اچھی طرح یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس خون آشام دور اور خونخوار
قوم میں صناع، کاریگر، ہنرمند اور تاجر اپنی زندگی کی امید کر سکتے تھے۔ حکمرانوں اور سپاہیوں
یہ بدترین دشمن تھے، میں نے اپنی کسی بات، رویئے یا فعل سے یہ ثابت نہ ہونے دیا کہ میں
خوارزم کے شاہی خاندان کا ایک فرد ہوں، میرا ارادہ بھی تھا کہ میں تاجر بن کر کالی ریت کی
سرزمین قراقرم جاؤں گا اور وہاں اپنی بہن، اردشنک اور داؤد کو تلاش کروں گا کیونکہ مجھے یہ
تھا کہ انہیں ہلاک نہیں کیا گیا ہوگا اور اگر وہ زندہ ہیں تو انہیں قراقرم میں ضرور تلاش
کرلوں گا۔ اردشنک، مجھ سے بچپن سے منسوب تھی لیکن اب اس رشتے کا میں کوئی
بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بظاہر میرا کوئی مستقبل نہ تھا۔ پہلے تو میں فارس کی حدود ہی میں تجارت کرتا رہا۔
ہرات کے کپڑے، نیشاپور اور بسطام کی طرف لے جاتا اور انہیں فروخت کرکے وہاں کی چیزیں
ہرات میں لاکر بیچ دیتا۔ اس دوران ہرات کے ایک بہت بڑے کاروباری احمد سے میرے
تعلقات استوار ہوگئے۔ اس کا تجارتی مال دور دور جایا کرتا تھا۔ وہ خود ہرات ہی میں رہتا
اس کے آدمی بدخشاں اور کاشغر سے گزر کر چین سے ہوتے ہوئے قراقرم تک چلے جاتے
وہاں تجارتی اشیا انتہائی گراں قیمتوں میں فروخت کرکے واپس آجاتے، قراقرم اور منگولوں
لئے میرے ذہن میں جو خاکہ تھا وہ نہایت مبہم اور پریشان کن تھا۔ میں سوچتا ان وحشیوں
کی کوڑیوں سے آخر تجارت کس طرح کی جاتی ہوگی لیکن واپس آنے والے تاجر بحیثیت دیانت
خریدار ان کی بڑی تعریفیں کرتے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ منگول اپنے سامان کی توقع سے
زیادہ قیمتیں ادا کرتے ہیں، قراقرم جانے کی ہلکی سی تحریک ہوئی جو رفتہ رفتہ اتنی بڑھی
میں نے اپنی اس خواہش کا احمد پر اظہار کر دیا۔ احمد کا خیال تھا کہ میرا وہاں جانا خطرے سے
خالی نہیں کیونکہ میں خوارزم شاہی خاندان کا فرد تھا اور منگول ان کے سخت دشمن تھے ڈر تو مجھے
لگتا تھا لیکن میں یہ خطرہ بعض وجوہ سے لینے پر آمادہ تھا۔ احمد نے جب مجھے قراقرم جانے پر
بضد دیکھا تو مجبوراً جانے کی اجازت دے دی لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ میں اپنے خاندانی
راز ہر قیمت پر راز ہی رکھوں۔

احمد کے کاروباری عملے میں عباس نامی اٹھائیس تیس سالہ ایک جوان کو سب سے
زیادہ اہمیت حاصل تھی یہ احمد کا ہونے والا داماد تھا۔ احمد کی لڑکی فرزانہ ابھی بارہ سال کی

اس کو ابھی اس کا چار یا پانچ سال اور انتظار کرنا تھا۔ احمد نے مجھے عباس کے حوالے کر دیا کہ
ساتھ قراقرم لے جاؤ اور تجارتی امور میں رہنمائی کرو۔

عباس نے بظاہر تو خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے اپنے ہونے والے سسر کی
ہدایات پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کر لیا لیکن اس کے دل میں میرے لئے جذبۂ حسد پیدا ہو گیا
مجھ جیسے غیر پرواز شوں کا احمد کے نزدیک غالباً ایک ہی سبب تھا۔ فرزانہ کے لئے عباس
کی جگہ میرا انتخاب۔ عباس فرزانہ کو چاہتا بھی تھا اور اس کی وجہ اور بھی تھی وہ جس بڑے کاروبار
کا مالک ہونے والا تھا اسی نے بھی فرزانہ میں بے پناہ دلکشی اور حسن پیدا کر دیا تھا۔
عباس نے غالباً یہ سوچا کہ وہ میرے مقابلے میں زیادہ عمر رسیدہ ہے اور شاید میں نو عمری کی وجہ
فرزانہ کے لئے زیادہ مناسب تھا۔

قالین، مخمل، چادریں، نمدے اور خیتس کے علاوہ دمشق کے مشہور باریک کپڑے
اور شربت کے بہت سارے تھان بھی بار کر لیے، ان میں خیتس کو خاص حیثیت حاصل تھی
خشک علاقوں کے لیے نعمت سے کم نہ تھا لوگ اس کے پردوں کو کھڑکیوں اور دروازوں
پر لٹکا کر پانی سے تر کرتے رہتے تھے، جب گرم ہوائیں ان سے ٹکرا کر اندر داخل ہوتیں تو خیتس
کی نمی انہیں خنک کر دیتی اور اندر کی فضا بڑی خوشگوار اور جانفزا ہو جاتی۔ لوگ شراب اور
پانی کی صراحیوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے انہیں خیتس میں لپیٹ کر پانی سے تر کر دیتے اور برف
کا مزہ اٹھاتے۔ قراقرم میں اس کپڑے کی بڑی مانگ تھی ان کے علاوہ احمد نے ایک خاص کپڑا بھی
مجھے دیا تھا اس کپڑے پر بنائی میں ارغوانی زمین پر اونٹ پر حملہ آور شیر کو زرد رنگ میں دکھایا
گیا تھا احمد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں یہ کپڑا مغلوں کے خاقان اعظم کو تحفتہً پیش کر دوں،
جس کا یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ خاقان اعظم مجھ پر دوسروں سے زیادہ مہربان ہو جائے گا۔

اونٹوں اور خچروں پر سامان بار کرکے، ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ہم قراقرم کے
لئے روانہ ہو گئے۔

راستے بھر عباس سرد مہری سے پیش آتا رہا۔ کچھ دنوں تو میں اس کی خفگی اور کدورت
گوارا کرتا رہا لیکن ہم جیسے جیسے اپنی علاقائی حدود سے گزر کر چینی حدود میں داخل ہوتے گئے
عباس کی رنجشیں اور کدورتیں کھل کر میرے سامنے آتی گئیں، یہاں تک کہ جب ہم چغتائیوں کی
حدود مملکت میں داخل ہوتے تو عباس نے مجھ سے کھل کر کہا۔ "جناب! ایک بات بطور خاص
ذہن نشین رہے، اس کے یاد رکھنے میں دونوں ہی کا فائدہ ہے!"

میں بالکل خالی الذہن تھا۔ کسی تشویش کے بغیر دریافت کیا۔ "کون سی بات؟"
عباس کی پیشانی پر شکنیں ہلکی، موہوم سی تین سلوٹیں پڑ گئیں، بولا۔ "پہلے ایک بات بتاؤ
اس کے بعد کوئی بات ہوگی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

"پوچھو!"

"احمد نے تم سے کوئی وعدہ تو نہیں کیا ہے؟" اس نے احمد کا نام اس طرح لیا گویا برا ہی کا دوست ہے۔

"نہیں، مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا!" میں نے جواب دیا۔

عباس نے مزید بولا۔ "تم گھبراؤ نہیں، میں فرزانہ کی بابت کچھ جاننا چاہتا ہوں۔" کے بعد، کچھ دیر چپ رہ کر بولا۔ "وہ میرے لئے ہے، چار پانچ سال بعد وہ میری ہو جائے گی، لیکن ... مگر خدانخواستہ درمیان میں تم آ گئے یا لائے گئے تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا، بس اس کا خیال رکھنا۔"

میں نے بدستور لاپروائی سے جواب دیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں، بے فکر رہو!"

عباس نے ترشی سے کہا۔ "بے فکر کس طرح رہوں، اب کہتے ہو تو بے فکر ہو لوں گا لیکن دل پر بوجھ بدستور رہے گا۔"

جب میں نے اسے سمجھایا کہ اس نے جو کچھ سوچا ہے سراسر غلط ہے اب وہ کسی قدر ہوش و حواس میں میرے قریب آیا۔ پھر بھی دھمکی دیتا ہوا بولا۔ "میرے خلاف جانے یا زبان کھولنے سے پہلے اپنی ماں سے دودھ اور دوستوں سے کہا سنا ضرور معاف کرا لینا۔ یہ مت بھولو کہ تم سلطان محمد خوارزم شاہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو، جو منگولوں کا معتوب خاندان ہے۔ اگر انہیں تمہاری بابت یہ سب کچھ معلوم ہو جائے تو تم خود ہی سوچ لو کہ تمہارا کیا حشر ہو گا۔"

عباس یہاں تک پہنچ چکا ہے مجھے معلوم نہ تھا۔ بظاہر تو میں نے اپنی زبان بند رکھی لیکن میرے اندر ہی اندر اس کے خلاف نفرت اور حقارت کا لاوا پھوٹ رہا۔ میں صرف اتنا ہی کہہ سکا "میری ماں کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا اس لئے اس سے دودھ معاف کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن میں موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ میں کس طرح تمہارے خلاف جا سکتا ہوں یا کس معاملے میں تمہارے خلاف زبان کھول سکتا ہوں، یہ باتیں میری سمجھ سے بعید ہیں!"

عباس مجھے ناگواری اور نفرت سے گھورتا رہا۔

میں نے سنا تھا کہ منگولوں کے دارالخلافہ میں جملہ بڑے مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔ انہیں اپنے معاملاتِ مذہبی اور ذاتی میں اس حد تک آزادی ضرور حاصل ہے کہ وہ یہاں کے قوانین یاسا کے پابند رہ کر آباد رہیں۔ یاسا جسے خانِ اعظم چنگیز خان نے منگولوں کے لئے وضع اور رائج کیا تھا۔ مجھے عباس کی باتوں سے سخت دکھ پہنچا تھا۔ میں نے دورانِ سفر ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ قراقرم پہنچ کر اس کا ساتھ چھوڑ دوں گا اور وہیں آباد ہو جانے کی کوشش کروں گا۔

قراقرم تک پہنچتے پہنچتے گنجان آبادیاں پیچھے رہ گئیں اور ہم سطح میدانوں سے گزرنے لگے جہاں اونچے اونچے درختوں کا دور دور پتہ نہ تھا۔ کہیں کہیں املی کے درخت ضرور نظر آ جاتے

جن کی شاخیں اتنی چیمڑ ہوتی ہیں کہ پتلی سے پتلی شاخ کا توڑنا تک محال ہوتا ہے، عجیب عجیب اونچی شاہراہ کے آس پاس میدانوں میں اگی ہوئی جھاڑیوں اور ریگستانی پودوں میں چرتے ہوئے مویشیوں کے ریوڑ نظر آنے لگے تو یقین آیا کہ قراقرم اب زیادہ دور نہیں ہے، پھر کئی دن بعد منگول یورتوں (خیموں) کی سیاہ نمدے والی چھتیں بھی نظر آنے لگیں، یہ یورت حدِ نظر تک مغرب سے مشرق میں پھیلے ہوئے تھے، حالانکہ منگول اگر چاہتے تو یہاں عالیشان عمارتیں تعمیر کرا سکتے تھے کیونکہ اب انہیں دولت کی کوئی کمی نہ تھی، کوریا کے جنوب مشرق میں چین سے لے کر سمرقند بخارا تک ان کی حکومت تھی، اور دنیا کے عظیم الشان اور گراں بار خزانے ان کے قبضے میں جا چکے تھے لیکن ان کے خانِ اعظم چنگیز خان نے انہیں ہدایت کی تھی کہ دنیا پر حکومت کرنے والوں کو عالیشان محلات میں نہیں رہنا چاہئے کیونکہ پختہ چہار دیواریوں میں رہنے والے آرام طلب، تن آسان، رحم دل، کام چور اور بزدل ہو جاتے ہیں، چنگیز کے خیال میں خانہ بدوش، خیمہ نشین اقوام ہی دنیا پر حکومت کرنے کی اہل ہوتی ہیں۔ یورتوں کی سیاہ چھتوں پر جیسے ہی میری نظر پڑی میرا دل دھک دھک کرنے لگا کیونکہ ایشیا کی عظیم الشان سلطنتیں زیر و زبر کرنے والوں کے خان کا شہر اب کچھ زیادہ دور نہ تھا۔

یہیں ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ چنگیز خان کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کی جگہ چنگیز کا منجھلا بیٹا اوغدائی خاقانِ اعظم منتخب ہو چکا ہے خاقان کے معین افسروں نے ہمارے قافلے کی پذیرائی کی اور اس کے آدمیوں نے اپنی نگرانی میں ہمیں سفیروں کے محلے میں پہنچا دیا۔ جہاں چند دن آرام کرکے ہمیں اشیائے تجارت کی فہرست اوغدائی کو پیش کرنی تھی، عباس کا رویہ بڑا معاندانہ تھا۔ اس نے ہر چیز اپنے اختیار میں لے لی اور اس کے سامنے میری حیثیت ایک ملازم سے زیادہ نہیں رہ گئی۔

جہاں میں ٹھہرا تھا، قریب ہی بودھوں کے پجاریوں کی بستی تھی، ایک طرف پتھروں کی بد وضع اور بے ڈھنگی مسجد بنی ہوئی تھی، اس سے ذرا آگے بدھ مت کا مندر تھا اور مندر سے کچھ دور نسطوری عیسائیوں کے چھوٹے چھوٹے لکڑی کے بنے ہوئے کئی گرجے تھے۔ جن کے چھوٹے چھوٹے میناروں پر صلیب کی شکلیں بنی ہوئی تھیں، وہیں مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نسطوری حضرات حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ یہ ان کی الوہیت کے تو ضرور قائل ہیں لیکن مسیح کو خدا کا بیٹا ماننے پر تیار نہیں، شاید یہ اپنے عقیدے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے کچھ لوگوں نے حضرت داؤدؑ کو فرطِ عقیدت میں خدا کا باپ کہنا شروع کر دیا تھا، یہ کہتے تھے اور داؤدؑ خدا کے باپ تھے اور مسیحؑ خدا کے بیٹے۔ نسطوریوں کا یہاں بڑا اثر تھا، اوغدائی کی بیوی تورا کینہ بھی نسطوری عقائد رکھتی تھی۔

اس عظیم اور دہشت ناک شہر میں اپنی بچی، اور شک اور داؤد کو تلاش کرنا بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

دشوار کام تھا۔ میری ہمت جواب دے گئی۔ دوسرے یہ کہ اس وقت تک ہمارا کی اتباع ہی کو تقریباً سات آٹھ سال گزر چکے تھے اور ابھی اور دوشک تقسیم میں معلوم نہیں کس کے حصے میں گئی ہوتا۔

عباس سامان کی فہرست تیار کرنے لگا اور مجھے حکم دیا کہ میں عضوِ معطل کی طرح گھر ہی میں پڑا رہوں، خاقان کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن میں نے اس کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ سامانِ تجارت میں میرا سرمایہ بھی لگا ہوا ہے اور میں اپنے مالکانہ حق سے کسی طرح بھی دستبردار نہ ہوں گا۔ عباس نے میری جرأت اور ضد پر حیرت سے مجھے دیکھا اور زہر خند کرتے ہوئے غیر ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

"تب پھر مجھے خاقانِ اعظم کے روبرو تمہارا تعارف بھی کرانا پڑے گا؟ کیوں کیا خیال ہے؟"

میں نے بے خوف و بے جھجک صاف صاف کہہ دیا۔ "شکریہ تم تعارف کرا سکتے ہو میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن یہ یاد رہے کہ تم بھی میرے چچازاد بھائی ہو، اگر میں مروں گا تو تمہیں ساتھ لے کر مروں گا۔"

عباس گھبرا گیا۔ "لیکن میں تمہارا چچازاد بھائی تو نہیں ہوں!!"

"رہو، اس سے کیا فرق پڑتا ہے!" میں نے کہا۔ "تم میری بات کی تردید میں ثبوت پیش کرتے رہنا لیکن مجھے معلوم ہے کہ منگول مشتبہ معاملات میں زیادہ چھان بین کے قائل نہیں ہیں مقدمات کے فیصلے فوراً کر دیا کرتے ہیں۔"

عباس ہمت ہار گیا۔ نرم اور خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ "لیکن تم اوغدائی سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

اب میں نے لطف لیتے ہوئے کہا۔ "جیسا کہ تم جانتے ہو کہ میرا کوئی مستقل نہیں، کوئی خاندان نہیں۔ میں تو ہرات ہی سے یہ طے کر کے چلا ہوں کہ مغلوں کے خاندان کو اپنی اصل حیثیت سے آگاہ کر کے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے بھی قتل کر دیں۔"

عباس کے سارے کس بل نکل گئے۔ بالکل نرم پڑ گیا۔ بولا۔ "تو تم اپنے ساتھ خواہ مخواہ ہمیں کیوں ملوث کرو گے؟"

"اس لئے کہ تم میرے لئے کنواں کھودنے جا رہے ہو!"

عباس نے کہا۔ "لیکن میں نے جو کچھ کہا تھا کیا تم نے اس کا سنجیدگی سے قبول کیا ہے؟"

"میں مذاق کرنے کا عادی نہیں ہوں!"

عباس کا تو حال ہی بہت برا تھا۔ کہنے لگا۔ "اچھا بھائی! یہ ہمدردی ہے، ہم اپنے

ہزاروں میل دور پڑے ہیں، یہاں ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ مل جل کر رہیں گے اور اپنی جانیں یہاں سے صحیح سلامت لے کر جائیں گے!"

میں نے جواب دیا۔ "میری طبیعت میں شر بالکل نہیں ہے، اس وقت ہمیں اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے لیکن تم لوگ کچھ اس کے برعکس منصوبے بنا چکے ہو تو اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔"

بالآخر ہم دونوں میں یہ طے پایا کہ دونوں ایک ساتھ اوغدائی کے یورت میں جائیں گے اور دونوں ہی اپنی اپنی زبانیں بند رکھیں، اشیائے تجارت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے! ایک کی فہرست عباس پیش کرے گا۔ دوسرے کی میں۔ یہاں ایک بار پھر عباس نے اپنی اس بدگمانی کا اظہار کیا کہ اسے ڈر ہے کہ اس کے ہونے والے سسر نے اس کی جگہ کہیں میرا انتخاب تو نہیں کر لیا ہے۔ میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ "میں حریص نہیں ہوں اور اب شاید یہاں سے واپس بھی نہ جاؤں!"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "یہاں رہ کر کیا کرو گے؟"

میں نے جواب دیا۔ "اوغدائی کی نوکری!"

اس نے بظاہر اداس اور مایوس لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہیں ہمارے ساتھ واپس چلنا چاہیے یہاں تمہارے لئے ہر وقت خطرہ رہے گا۔" لیکن میں جانتا تھا کہ عباس دل سے یہی چاہتا ہے کہ میں یہیں قراقرم ہی میں رہ جاؤں۔

ہم لوگ آگ کے الاؤ کے بیچ سے گزرتے ہوئے اوغدائی کے یورت کے قریب پہنچ گئے۔ ان وحشیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ آنے والوں پر اگر سحر کا اثر ہوگا تو آگ کے الاؤ کے بیچ سے گزرنے کے دوران وہ زائل ہو جاتے گا۔

ہمیں کچھ دیر خاقان کے استقبالیہ یورت میں رکنا پڑا۔ یہاں پھلوں، شرابوں اور گھوڑی کے دودھ کا وافر ذخیرہ مہیا تھا اور آنے والوں کو اس کی اجازت تھی کہ جو چاہیں کھائیں پئیں۔ لیکن کسی نے بھی کھایا پیا کچھ بھی نہیں۔

خاقانِ اعظم کا یورت لکڑی کے ڈھانچے پر سموروں کو منڈھ کر تیار کیا گیا تھا۔ اس کا دروازہ جنوب کی سمت تھا۔ ہم اسی سے اندر داخل ہوئے، وہاں ہمارے آس پاس لکڑی کی چوکیوں پر ترخان، نویان باشی، دستوں کے سردار اور شمان (طبیب، جادوگر اور پجاری) بڑے بڑے بالوں کی دو دو چوٹیاں گوندھے صول پر ترتیب وار بیٹھے اور چہرے کا پانی پچھے ہوئے تھے، ہمارے داخل ہوتے ہی ان کی حریص نظریں ہماری طرف اٹھنے لگیں، ہم لوگ اوغدائی کے قریب پہنچ کر دو زانو ہو گئے۔ وہ ایک اونچی چوکی پر قیمتی نمدہ بچھائے اس پر براجمان تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

ہم نے اپنی فہرست یہ کہہ کر خاقان کے روبرو رکھ دی کہ یہ سارا سامان اس کی خدمت میں بطور تحفہ پیش ہے۔ اوغدائی نے فہرست ہمارے سامنے رکھ دی اور اس میں سے کچھ چیزوں کے لیے یہ حکم دیا کہ انہیں اس کی خدمت میں پہنچا دیا جائے، وہ ان کی قیمتیں ادا کرنے لگی ہے۔

میں نے اس موقع پر خاقان کو ایک ایسا پردہ تحفے میں پیش کیا جس پر تنہائی میں ہی شکار کا منظر پیش کیا تھا۔ اوغدائی زمین میں نیلے رنگ کے شیر کو بھورے بھرے سبزہ زار پر شیاہ زردی پانی جانا مائل اونٹ پر حملہ آور دکھایا گیا تھا۔ اوغدائی بہت خوش ہوا اور اس کے بائیں طرف بیٹھی ہوئی تورا کینہ تو بہت زیادہ محظوظ ہوئی۔ اس نے اس پردے کے صلے میں بہت سارا سونا عطا کیا۔

ہم نے خاقان کو اس کا مطلوبہ سامان پہنچا کر بڑی دولت کمائی۔ اب جو سامان بچ رہا تھا اسے منگول آبادی میں فروخت کرنا تھا۔

میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد لیٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی لیکن کسی کے زور زور سے باتیں کرنے سے میری آنکھ کھل گئی۔ نیم خوابیدگی میں جو کچھ دیکھا، دھندلا دھندلا خواب کی طرح نظر آیا۔ ایک پینتیس چھتیس سالہ دبلا پتلا آدمی، سترہ اٹھارہ سالہ حسین ترین لڑکی کے ساتھ کھڑا عباس سے الجھا ہوا تھا۔ نیند کا نشہ جلد ہی ہرن ہو گیا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آدمی کی نظریں میوہ پر ہی گڑی ہوئی تھیں، مجھے اٹھتا ہوا دیکھ کر مسکراتا ہوا میری طرف بڑھا اس کے ساتھ ہی لڑکی بھی میرے پاس آگئی۔ میں نے پہلی ہی نظر میں دونوں کے بارے میں یہ سمجھ لیا کہ لڑکی تو ایرانی طرف کی ہے اور مرد منگول، جو غالباً کثرتِ شراب نوشی اور عیاشی کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچا رہ گیا ہے۔

میں نے لڑکی کو جو غور سے دیکھا تو دنگ رہ گیا اس کے اعضا میں غضب کا تناسب تھا۔ بیضوی چہرے پر سرخ و سفید رخسار دائیں جانب، ناک اور ہونٹ کے مابین تل پر سیاہ تل، ٹھوڑی میں چاہِ زنخداں، چہرے پر ملاحت اور صباحت ایسی جیسے سرخ شراب کے اوپر مہینے کی شفاف باریک تہہ چڑھا دی گئی ہو۔ ان دونوں کے ساتھ ہی عباس بھی گیا۔ منگول کو یہ بات بہت بری لگی۔ اس نے اپنی زبان میں معلوم نہیں کیا کہا لیکن چہرے کا چڑھاؤ اس کی خفگی کا پتہ دیتا تھا۔

اچانک لڑکی بول اٹھی، اس نے عباس سے ترکی آمیز فارسی میں کہا۔ "تم یہاں مت [illegible] میرے ساتھی منگول کو تم سے نفرت ہو گئی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اگر تم تاجر نہ ہوتے اور خاقان نے تمہیں امان نہ دی ہوتی تو یہ تمہیں قتل کر دیتا۔"

عباس بھی ایک ڈھیٹ تھا۔ نہایت متانت سے دریافت کیا۔ "لیکن میرا قصور [illegible]"

لڑکی نے جواب دیا۔ "یہ تم سے (میری طرف اشارہ کر کے) اس کا پتہ پوچھ رہا تھا

نے پتہ بتانے کے بجائے ہمیں اپنی باتوں میں الجھائے رکھنے کی کوشش کی۔"

مجھے لڑکی کی زبان سے یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ وہ واقعی ہماری ہی طرف سے تعلق رکھتی ہے۔

میں نے ڈرتے ڈرتے لڑکی سے دریافت کیا۔ "کیا تمہارا ساتھی بھی تمہاری یہ زبان جانتا ہے؟"

"نہیں" لڑکی نے جواب دیا۔ "اگر جانتا ہوتا تو میرے بجائے تم سے یہ خود بات کر رہا ہوتا۔"

منگول نے لڑکی سے کچھ کہا اور لڑکی نے اسی کی زبان میں کوئی جواب دیا۔ اس کے بعد وہ عباس سے بولی۔ "تم یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ بڑے ضدی اور سرکش لوگ ہیں، تمہیں کوئی بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

عباس خوفزدہ ہو کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی منگول خوش ہو گیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ یہ منگول ہمارا خریدار تھا اور جب ہم خاقان کے یورت میں گئے تھے یہ بھی وہیں موجود تھا، یہ میرے شکار گاہ والے تحفے سے بہت متاثر ہوا تھا اور اب اپنی اتراری کے ساتھ کچھ خریدنے کی نیت سے آیا تھا، یہ اترار سمرقند کے شمال مشرق میں ایک مضبوط قلعہ تھا اور یہ لڑکی اسی قلعے دار کی بیٹی تھی، جو منگولوں کی تسخیرِ قلعہ کے بعد اس تو انا باشی کے حصے میں آئی تھی۔ یہ تقریباً چار سال سے یہیں رہ رہی تھی۔ اس عرصے میں اس نے منگولوں کی زبان تو سیکھ لی تھی لیکن منگول اس کی زبان نہیں سیکھ سکا تھا۔

لڑکی کا حسن اور قرازم جیسی بیگانوں کی بستی میں ایک ہم قوم کا مل جانا میرے لئے چودھویں کے چاند سے کم نہ تھا۔ میں نے ان کی خواہش پر بہ یک گھوڑے کے تھان اور جنس کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ لڑکی نے کئی تھان لے لئے اور منگول نے جنس کو بہت پسند کیا۔ طبعاً تاجر نہ تھا۔ میں نے چاہا کہ ایک تھان لڑکی کو تحفے میں دے کر بقیہ کی قیمتیں توقع بغیر ہی لگا دوں لیکن لڑکی نے ایسا کرنے سے منع کیا اس نے کہا کہ یہ منگول میرے اس جذبے کی ذرا بھی قدر نہ کرے گا، بلکہ اپنے تھانوں کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کر دو۔

منگول ہم دونوں کی باتیں گونگے کی طرح سن رہا تھا اس نے لڑکی سے کچھ پوچھا جس کا جواب دے کر وہ مسکرائی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کیا پوچھ رہا تھا؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "یہ پوچھ رہا تھا ہم دونوں کیا باتیں کر رہے ہیں، میں نے کہہ دیا کپڑوں کا بھاؤ تاؤ کر رہی ہوں۔" اس کے بعد کہنے لگی۔ "یہ لوگ متمدن لوگوں پر کم ہی اعتماد کرتے ہیں، سمجھتے ہیں متمدن لوگ ظاہر و باطن یکساں نہیں رکھتے اور جھوٹ زیادہ بولتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

میں نے اس کے مطلوبہ سامان کی جو قیمت بتائی، لڑکی نے لے چار سے ضرب دے دیا۔ جب وہ سامان لے کر واپس جانے لگی تو میں نے اس کا نام دریافت کیا۔ وہ جواب ٹال گئی کہنے لگی۔ "نام مت پوچھو کیونکہ جیسے ہی میں اپنا نام لوں گی یہ وحشی فوراً سمجھ جائے گا کہ میں تم سے ذاتی نوعیت کی باتیں کر رہی ہوں۔"

میں چپ ہو رہا۔ وہ سامان لے کر چلی گئی اور میں دل میں یہ سوچتا رہ گیا کہ دیکھو پھر کبھی ملاقات ہوتی ہے یا نہیں۔

ان کے جاتے ہی عباس آیا اور مجھ پر گرم ہونے لگا کہ۔ جب اس کی تذلیل ہو رہی تھی تو میں نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ جملہ سامان تجارت کا اصلی مالک عباس ہے اور اسی سے انہیں بات کرنی چاہیئے۔

میں نے جواب دیا کہ "اصل مقصد تو مال بیچنا ہے، تم بیچو یا میں بیچوں!"

عباس نے کہا۔ "میں ان سے اس قیمت سے کہیں زیادہ وصول کرتا۔ ہم نے ہزاروں میل کا سفر سیر و تفریح کے لئے نہیں کیا۔ ہم کمانے آئے ہیں اور مجھے افسوس ہے تم اچھے تاجر نہیں ہو!"

میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا، خاموش ہو رہا لیکن اس کی چڑھی ہوئی تیوریوں اور سکڑے ہوئے ہونٹوں سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ آج کے ناخوشگوار واقعے سے بہت دل برداشتہ ہے۔

مجھے عباس پر ذرا بھی اعتبار نہ تھا۔ اس کے پاس منگول خریداروں کا تانتا لگا رہتا، انہیں خوب لوٹ رہا تھا اور ماوراء النہر اور خوارزم کے مترجمین کی مدد سے منگولوں سے خوب ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہتا۔ اس نے مجھے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ میں نے چند مقامی مسلمانوں سے تعلقات بڑھائے اور ان سے خواہش کی کہ میں قراقرم کی پوری آبادی میں گھوم پھر کر دیکھنا چاہتا ہوں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے مجھے روکا کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ میرے گھومنے پھرنے کا منگول یہ مطلب لیں گے کہ میں تاجر کے روپ میں کسی مسلم ملک کا جاسوس ہوں جو قراقرم جاسوسی کرنے آیا ہے اور منگولوں کے پاس جاسوسی کی سزا قتل ہے، یہاں مجھ سے ایک ایسی [illegible] سرزد ہو گئی کہ اگر وہ زیادہ پھیل جاتی، تو میں خود بھی اسی غلطی کا شکار ہو کر قتل ہو جاتا۔ جب مجھے قراقرم میں بلا وجہ گھومنے پھرنے سے روکا گیا تو میں نے غلطی سے یہ پوچھ لیا کہ یہاں سمرقند اور بخارا کے مفتوحہ کہاں رہتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ سنگین میرا یہ [illegible] تھا کہ سمرقند اور بخارا کے امراء اور حکمرانوں کی خواتین تقسیم [illegible] ں کس کے حصے آئی ہیں؟

میں نے جس مسلمان سے یہ سوال کیا تھا، وہ جواب دینے کے بجائے تشویش سے میری صورت دیکھنے لگا۔ اس نے کچھ تامل کے بعد پوچھا۔ "تم کہاں سے آتے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہرات سے!"

اس نے پوچھا۔ "پھر تمہیں سمرقند اور بخارا کے امرا اور حکمرانوں کی خواتین کی تفصیلات کیوں مطلوب ہیں؟" پھر نیا سوال کیا۔ "کیا تم عجمی تاجر ہو؟"

میں نے جھوٹ بول دیا۔ "ہاں، میں عجمی تاجر ہوں اور اگر یقین نہ ہو تو میرے چچا زاد بھائی عباس سے پوچھ لو!"

اس شخص نے اور زیادہ حیرت کا اظہار کیا۔ "چچا زاد بھائی؟ لیکن وہ تو تمہیں اپنا نوکر بتاتا ہے!"

مجھے اندازہ ہو گیا کہ عباس میری لاعلمی اور غیاب میں میری کاٹ کر رہا ہے، میں نے لاپروائی سے کہا۔ "عباس میرے چچا کا لڑکا ہے وہ مجھ سے بڑا ہے، اور چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کا بھائی کے علاوہ نوکر بھی تو ہوتا ہے!"

وہ شخص چلا گیا لیکن اس کے جانے کا انداز بتاتا تھا کہ وہ میرے جواب سے مطمئن نہیں ہوا ہے۔

دوسرے دن تک میری مشتبہ ذات خاصی شہرت پا چکی تھی، مجھ سے قراقرم کے کئی مقامی مسلمانوں نے کرید کرید کر یہ جاننا چاہا کہ میں تاجر کے علاوہ حقیقت میں کیا ہوں، میں انہیں یہی جواب دیتا رہا کہ میں صرف تاجر ہوں، اس کے سوا کچھ بھی نہیں، لیکن مجھے رہ رہ کر عباس پر بڑا غصہ آ رہا تھا، یہ کمبخت یوں چپ سادھے ہوئے تھا گویا کچھ ہوا ہی نہ ہو، میں یہاں تک مشتبہ اور اچھوت قرار پایا کہ لوگ مجھ سے کترانے لگے، یہاں تک کہ جب میں مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تو لوگ مجھ سے دور دور رہتے اور مجھے دیکھ دیکھ کر آپس میں اشارے بازیاں کرتے رہتے، یہ سب میرے لئے سخت ناقابل برداشت تھا۔ میں دوپہر کے کھانے کے بعد عباس سے الجھ گیا اور اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اندر اندر میرے خلاف جو سازش کر رہا ہے، میں اس سے لاعلم نہیں ہوں اگر میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوا تو اپنے ساتھ اسے بھی پھنسا دوں گا کیونکہ وہ میرا چچا زاد بھائی ہے۔

عباس ہنس پڑا۔ وہ میری دھمکی سے ذرا بھی مرعوب نہ ہوا۔ نہایت اطمینان سے بولا "تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم خوارزم شاہی خاندان کے ایک فرد ہو اور میں تمہارا کوئی بھی نہیں، محض ایک تاجر ہوں اور میری اس بات کے وہ سینکڑوں تاجر گواہ ہیں جو میرے ساتھ آتے ہیں یا آتے رہتے ہیں، اور ان میں سے ایک بھی تمہیں ایک عجمی تاجر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

حیثیت سے نہیں جانتا۔"
میں اس کے اطمینان سے بھی یہ بات نہ سمجھ سکا کہ وہ اپنا کام ختم کر چکا ہے
میں کسی طرح بھی اپنے اس جھوٹ کو سچ نہ ثابت کر سکوں گا کہ عباس میرے بھتیجے
کا لڑکا ہے۔

عباس نے کہا۔ "یہاں سب کے سبھی لوگ جانتے ہیں کہ سمرقند اور بخارا کے معزز
امرا اور شاہی خاندانوں کی خواتین کے لئے میرے دل میں ذرا بھی جذبۂ تجسس نہیں ہے
تم ان کی جستجو اور تلاش میں ہر وقت بہت پریشان اور کھوئے کھوئے رہتے ہو۔"

بظاہر میں مات کھا چکا تھا۔ عباس نے یہ کہہ کر مجھے اور زیادہ خوفزدہ کر
"خاقان کی طرف سے عنقریب بلاوا آنے والا ہے، اور وہ میرے سلسلے میں بہت سخت
پرسش کرنے والا ہے۔"

مجھے یقین ہو گیا کہ اب میرا جھوٹ، میرا ساتھ نہ دے سکے گا۔ اور میں شاید اب منگولوں
ہاتھوں قتل کیا جانے والا ہوں!

ایک زرکار چھکڑا میرے دروازے پر آ کر رکا، اس کے مخملیں، نیلے سائبان تک لا
مختلف رنگوں کی جھالریں لٹک رہی تھیں اور اس کے آگے دو گھوڑے جتے ہوئے تھے، ا
آواز سن کر ہم دونوں ہی دروازے سے باہر آ گئے۔ عباس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی
اس میں سے دو منگول کودے اور خمیدہ تلواریں کمر سے لٹکائے ہماری طرف بڑھے تو مجھے
ہو گیا کہ خاقان کے دربار میں میری طلبی ہو گئی ہے، ان دونوں نے میرا نام لیا اور اپنی زبان
کہا، وہ غالباً یہ پوچھ رہے تھے کہ "دونوں میں سے جنید کس کا نام ہے؟" عباس نے میری
اشارہ کر دیا۔ ان میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچ کر چھکڑے کی طرف لے جانے
میں کوئی مزاحمت نہ کر سکا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ منگولوں کے نزدیک میری مزاحمت کا م
بغاوت لیا جاتا اور یہ میرا بدترین سنگین جرم قرار دیا جاتا۔

جب میں سہما ہوا چھکڑے پر بیٹھ رہا تھا تو میں نے گویا آخری بار عباس کی طر
دیکھا، اس نے مسکراتے ہوئے اس طرح ہاتھ ہلایا گویا وہ مجھے ہمیشہ کے لئے جدا کر رہا
ہمارے بیٹھتے ہی چھکڑے بان نے گھوڑوں کی لگامیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور چھکڑا
کھاتا ہوا ایک طرف روانہ ہو گیا۔ ہم معمولی یورتوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے شاندار یورتوں
میں داخل ہو گئے اور مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میں اسی راستے سے خاقان اوغدائی کے
تک پہنچا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے خاقان اعظم کا عظیم الشان یورت نظر آنے لگا۔ میرا
لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری موت کا فرشتہ چھکڑے پر میرے ساتھ ہی سفر کر رہا ہے۔

چھکڑا خاقان کے سنہرے یورت سے ذرا آگے جا کر ایک دوسرے شاندار یورت کے سامنے پہنچ
کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں منگول نیچے کود گئے اور ہاتھ پکڑ کر مجھے اتارا۔ وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے خیمے
میں داخل ہو گئے یہ اندر سے بہت ہی شاندار تھا مجھے ایک چھوٹی سی چوکی پر بٹھا دیا گیا جس پر
قیمتی نمدا بچھا ہوا تھا۔ مجھے شبہ گزرا کہ یہ یورت خاقان کی حوالات ہو گا۔ جس میں مجرموں کو لا کر قید
کیا جاتا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد یورت کے اندرونی در کا پردہ ہلا اور اس میں سے دیکھنے میں چھتیس
سالہ دبلا پتلا منگول نمودار ہوا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ اس
کے پیچھے ہی اتراری حسین لڑکی آ گئی منگول نے دونوں منگولوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا، وہ باہر
چلے گئے۔ منگول نے مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی اپنی حسین محبوبہ کے ساتھ دوسری
چوکی پر میرے سامنے بیٹھ گیا۔

اب میری جان میں جان آئی۔ منگول نے لڑکی سے کچھ کہا۔ لڑکی مجھ سے مخاطب ہوئی۔
"غالباً تمہارا نام جنید ہے اور میرا جبری شوہر لوقے خان، خاقان اوغدائی خان کا بھتیجا بھی ہے
اور تومان باشی (فوجی دستے کا سردار) بھی۔ مجھے بہت چاہتا ہے۔"

میں نے کچھ بھی نہ کہا، میں چاہتا تھا کہ پہلے میں اپنے بلائے جانے کی تقریب سے آگاہ
ہو جاؤں، اس کے بعد کچھ کہوں۔

لڑکی نے مزید کہا۔ "میرے منگول شوہر نے تمہیں بہت پسند کیا ہے یہ کہتا ہے کہ تم
اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن دوسرے متمدن شہریوں کی طرح ذرا جھوٹے آدمی ہو!"

میں نے گھبرا کر پوچھا۔ "میں جھوٹا آدمی نہیں ہوں، منگول سردار کو میرے جھوٹے ہونے
کا علم کس طرح ہوا؟"

لڑکی نے منگول کو ایک نظر دیکھا، پھر مجھ سے دریافت کیا۔ "کیا تم خوارزم شاہی خاندان
سے تعلق رکھتے ہو؟"

میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں نے گھبراہٹ میں اس کی تردید کر دی۔ "یہ سراسر
غلط ہے، میرے خلاف سوچی سمجھی اڑائی ہوئی افواہ ہے!"

منگول نے مجھ سے کوئی سوال کیا۔ جس کی ترجمانی لڑکی نے کی۔ "میرا شوہر منگول یہ پوچھتا
ہے کہ تم یہاں کس لئے آئے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں جو کچھ ہوں سب جانتے ہیں!"

لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں یہ مشورہ دوں گی کہ جو حقیقت ہے اسے صاف صاف
بتا دو کیونکہ سچ بول کر قتل ہو جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ آدمی جھوٹ بول کر قتل ہو جائے
تم ابھی ان منگولوں کی فطرت سے واقف نہیں ہو، یہ اذیتیں پہنچا کر تم سے سچ بلوا لیں گے!"

اس وقت میں عجیب مشکل میں تھا۔ اگر سچ بولتا تو میرا قتل کر دیا جانا یقینی تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اگر جھوٹ کا سہارا لیتا تھا تو تکلیف دہ اور اذیت ناک عمل تفتیش کا بھگتنا بھی شاید لازمی تھا۔ لڑکی نے میری مشکل آسان کر دی۔ "ہاں ہاں ڈرو مت، ہمت سے کام لو، جو کچھ حقیقت ہے سچ سچ بتا دو۔"

میں نے چاروں طرف سے محصور ہو جانے والے سپاہی کی طرح ہتھیار ڈال دیے اور دروغ آمیز سچ بول دیا۔ "میرا خوارزم شاہی خاندان سے بہت دور کا تعلق ہے لیکن میرے تجارتی ساتھی عباس کی بدنیتی نے اسے میرے خلاف زہر اگلنے پر مجبور کر دیا اور یہاں میرے جو بھی الزام اڑ رہے ہیں ان کا منبع بھی عباس ہے۔"

لڑکی اپنے شوہر منگول کو کچھ سمجھاتی رہی اور پھر دونوں آپس میں بحث مباحثے میں الجھ گئے۔ میں بس اتنا ہی اندازہ کر سکا کہ منگول میرے خلاف تھا اور لڑکی میرا دفاع کر رہی تھی۔

یکایک لڑکی مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "تم بخارا اور سمرقند کے امرا اور شاہی خاندان کی خواتین کی بابت کچھ جاننا چاہتے تھے؟"

میں نے عاجز آکر سوال کیا۔ "میں تمہارے ہر سوال کا صحیح صحیح جواب دوں گا لیکن مجھے یہ بتا دو کہ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "میرا شوہر تومان باشی ہے اور خاقان نے تمہارا معاملہ میرے شوہر کے سپرد کیا ہے۔ یہ اپنا تحقیقاتی جائزہ خاقان کی خدمت میں پیش کر دے گا اور خاقان تمہارا فوراً ہی اپنا فیصلہ صادر کر دے گا۔"

منگول نے کچھ کہا اور یورت کے اندرونی حصے میں چلا گیا۔

لڑکی نے کہا۔ "افسوس کہ اب تم اس وقت تک میرے شوہر کی قید میں ہو جب تک تمہارے مقدمے کا فیصلہ نہ کر دے۔"

تھوڑی دیر بعد ان دونوں نے پھلوں اور شراب سے میری ضیافت کرنی چاہی، میں نے انکار کر دیا۔ اس وقت مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لڑکی نے کہا۔ "کھانے نہ کرو ورنہ یہ منگول ناراض ہو جائے گا کیونکہ اسے یہ لوگ اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔"

میں نے کچھ پھل کھا لیے لیکن شراب نہیں پی۔

مجھے ملول دیکھ کر منگول نے لڑکی کے ذریعے تسلی دی کہ مجھے گھبرانا نہیں چا

یہاں نیلے جاودانی آسمان کا انصاف قائم ہے کسی زیادتی کا امکان نہیں ہے اگر میں مجرم معاف نہ کیا جاؤں گا اور اگر بے گناہ نکلا تو سزا سے محفوظ رہوں گا۔ یہاں کسی کی سفارش نہیں نہ سفارش نہ رشوت۔

مجھے اپنی قیام گاہ پر نہیں جانے دیا گیا۔ اور تومان باشی کے خیمے میں زیر حراست رہا۔ لڑکی کئی بار آئی اور تسلی دلاسے دے کر چلی گئی۔ اسی دوران مجھے لڑکی کا نام بھی معلوم ہوا۔ اس کا نام خرمائی تھا جو شاید شادمانی کا ہم معنی تھا۔ میں نے اپنے دکھوں کو بھول کر اس سے پوچھا۔ "خرمائی! کیا تم یہاں خوش ہو؟"

اس نے جواب دیا ــــــ "خوشی اور ناخوشی، اضافی اور عارضی چیزیں ہیں، ہمیں خود کو حالات اور مشکلات کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔" پھر مجھ سے سوال کیا۔ "کیا تم اس زیر حراست زندگی سے مطمئن ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "بالکل نہیں۔"

لڑکی نے کہا۔ "پھر اس زندگی کے خلاف کچھ کرو!"

میں نے بے بسی سے جواب دیا۔ "میں مجبور ہوں، اپنے دفاع میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

"یہی حال ہم سب کا ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "ان حالات میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود کو حالات کے حوالے کر دے۔"

مجھے خرمائی کی شکل کی طرح باتیں بھی بڑی پیاری لگ رہی تھیں، میں نے اس سے پوچھا۔ "خرمائی! اگر خاقان نے مجھے معاف کر دیا تو مستقبل کے لئے مجھے کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟"

وہ میرا مطلب نہیں سمجھ سکی۔ پوچھا۔ "تم کیا پوچھنا چاہتے ہو، ذرا صاف بات کرو۔"

میں نے جواب دیا۔ "اس دنیا میں، میں بالکل تنہا ہوں، میں یہاں قراقرم میں رہوں یا ہرات میں میرے لئے دونوں ہی صورتیں یکساں ہیں، اگر میں یہیں رک جاؤں تو کیسا رہے گا؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "تم تاجر ہو، تمہیں تاجر ہی رہنا چاہیے، کسی ایک جگہ پتھر کی طرح پڑے رہنا کوئی اچھی بات تو نہیں۔"

میں نے ہمت سے وہ بات کہہ دی جس کا ابھی شاید وقت نہ تھا۔ "خرمائی! میں تنہائی سے اکتا گیا ہوں، مجھے ایک رفیق کی ضرورت ہے، ایک خوبصورت اور عقلمند رفیق کی، جو بالکل تمہارے جیسا ہو، بالکل تمہاری طرح۔"

وہ ایک دم ناراض ہو گئی۔ "میں تو تمہیں عقلمند سمجھتی تھی لیکن تم احمق نکلے۔ میں تمہاری بات کا مطلب خوب سمجھتی ہوں کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ نکل چلوں گی؟ وہ یہ بھی ایک ہی رہی، اگر تم مجھے دنیا کے آخری کنارے تک لے کر چلے جاؤ گے تو وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

بھی یہ منگول پہنچ جائیں گے ان سے جیتے جی مفر نہیں ہے، اور پھر یہ کہ میں یہاں خوش حال زندگی گزار رہی ہوں!"

میں نے بات بنائی۔ "میرا وہ مقصد ہرگز نہیں، جو غلطی سے تم سمجھ بیٹھی ہو، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے تمہاری جیسی شکل و صورت اور عقل کا ساتھی درکار ہے!"

"باتیں مت بناؤ!" اس نے ترشی سے کہا۔ "تمہاری باتوں کا ایک ہی مطلب ہے اور وہ مطلب وہی ہے، جو میں نے سمجھا ہے۔" پھر افسوس سے بولی۔ "افسوس تو یہی ہے تم یہ باتیں اس حالت میں کر رہے ہو کہ کچھ پتہ نہیں کل کی شام تمہیں دیکھنا نصیب بھی ہو گی نہیں، یہ لوگ رحم کرنا نہیں جانتے۔"

منگول آتا اور ہم دونوں کی باتیں سن کر واپس چلا جاتا۔ اس غریب کو خرمانی نے یہ سمجھا دیا تھا کہ وہ مجھ سے وطن کی باتیں کر رہی ہے، اسے خان کو قراقرم سے بڑی محبت تھی اور اس کے نزدیک یہ بات عین منصفانہ تھی کہ اس کی بیوی خرمانی بھی اپنے وطن سے محبت کرتی ہے۔

میں رات بھر نہیں سو سکا۔ میرا خیال تھا کہ منگولوں نے رات بھر میرے لبوترے کے پاس پہرا دیا ہو گا لیکن یہ محض میرا شبہ تھا کیونکہ صبح تک میں نے کئی بار باہر نکل کر دیکھا، وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ جب اس سلسلے میں، میں نے خرمانی سے پوچھا کہ "میں کیسا قیدی ہوں، جس کی پہرے داری تک نہیں کی گئی، میں چاہتا تو کسی وقت بھی فرار ہو سکتا تھا۔"

خرمانی نے بے دلی اور افسوس سے پوچھا۔ "بھاگ کر جاتے کہاں؟"

میں نے کہا۔ "کہیں بھی جا سکتا تھا کم از کم قراقرم کی حدود سے کوسوں دور نکل چکا ہوتا۔"

اس نے طنزیہ کہا۔ "تم عجیب سمجھ کے آدمی ہو، جو یہ سمجھتے ہو کہ منگولوں کی دسترس محض قراقرم کی حدود تک ہے، تم خاقان کے قیدی ہو، چین سے ماوراءالنہر اور خوارزم تک تمہیں کوئی بھی پناہ نہ دیتا۔"

وہی زمین اور آسمان جو چند دن پہلے تک اچھے لگتے تھے، اب ویران ویران اجاڑ اجاڑ محسوس ہو رہے تھے، ماحول اور گرد و پیش کی ہر شے سوگوار اور ماتم گسار نظر آ رہی تھی۔

منگول توماں باشی نے میرے سامنے پھل وغیرہ رکھ دیئے۔ میں نے کھانے میں تامل سے کام لیا تو وہ خرمانی کے ذریعے کہنے لگا، "ہم منگولوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ ہر مرنے کو کھانا ضروری ہے اس لئے کھانے پینے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔" میں نے جبراً و قہراً کچھ پھل کھائے ابھی میں کھانے سے فارغ نہ ہوا تھا کہ ہمارے لبوترے میں دو آدمی داخل ہوئے، ان میں سے

ایک مسلمان نظر آتا تھا اور دوسرا چینی۔ اس چینی کی لمبی لمبی مونچھیں اور لمبی داڑھی بڑی مضحکہ خیز نظر آتی تھیں۔

خرمانی نے ان دونوں کا تعارف کرایا۔ مسلمان اجنبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محمد بلوتہ ہے، خاقان کا مشیر اور وزیر۔" پھر چینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور یہ مشہور دانا اور عاقل یو چیت سائی ہے، جس کے مشوروں پر خاقان اعظم چنگیز خاں بھی چلا کرتا تھا اور اب اوکتائی خان بھی اس کے مشوروں کو ٹالتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔"

میں نے ان دونوں کو مایوس نظروں سے دیکھا۔ یہ دونوں حضرات کسی اجنبی زبان میں آپس میں گفتگو کرنے لگے، اس کے بعد محمد بلوتہ نے مجھ سے دریافت کیا۔ "کیا تم واقعی خوارزم کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟"

میں نے خرمانی کے مشورے پر عمل کیا اور سچ بول دیا۔ "ہاں یہ درست ہے!"

محمد بلوتہ نے میرے جواب سے یو چیت سائی کو مطلع کر دیا۔ چینی دانا نے افسوسناک انداز میں کچھ کہا، میں بلوتہ کی شکل دیکھنے لگا۔ خرمانی کا چہرہ اتر گیا محمد بلوتہ بھی اداس ہو گیا، اس نے دریافت کیا۔ "تم یہاں کس لئے آئے ہو؟"

میں نے مختصر سا جواب دیا۔ "تجارت کی غرض سے!"

محمد بلوتہ نے کہا۔ "تجارت کی غرض سے یا جاسوسی کرنے؟"

میں نے پوچھا۔ "میں جاسوسی کس کے لئے کروں گا؟"

محمد بلوتہ نے کہا۔ "خلافت عباسیہ کے لئے بغداد اور مصر کی حکومتوں کے لئے!"

میں نے صاف انکار کر دیا۔ "میں صرف تاجر ہوں، اس کے سوا کچھ بھی نہیں!"

"افسوس کہ تم سے سخت غلطیاں ہوئی ہیں!" محمد بلوتہ نے کہا۔ "جب تم واقعی خوارزم شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے تو تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا اور جب یہاں آ گئے تھے تو بخارا اور سمرقند کے امرا خاندانوں کی خواتین کی بابت کوئی جستجو نہیں کرنی چاہئے تھی۔"

میں خاموش رہا، یو چیت سائی نے کچھ کہا جسے میں نہیں سمجھ سکا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں چلے گئے لیکن مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ خرمانی کا شوہر توماں باشی بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔ میں نے خرمانی سے پوچھا۔ "یہ چینی دانا کیا کہہ رہا تھا؟"

اس نے جواب دیا۔ "کہہ رہا تھا، اس نوجوان کا جرم سنگین اور ثابت ہے اس لئے سزا سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

میرا دل ڈوبنے لگا اور بینائی معدوم ہونے لگی، میری دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن سامنے کی ہر شے دھندلی دھندلی [illegible] میں نے خرمانی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

بھرائی آواز میں پوچھا۔ "خاقان تمہارے خیال میں مجھے کیا سزا دے گا؟"

خرمانی نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "سزائے موت۔ یاسا میں جا سوسی کی سزا قتل ہے!"

میں چپ ہو رہا کیونکہ جو کچھ مقدر میں تھا پیش آتا جا رہا تھا اس سے بچاؤ کسی طرح اپنے بس میں نہ تھا۔ یکایک خرمانی کی آواز سنائی دی۔ "تمہاری موت کا مجھے بہت افسوس ہو گا۔ میں خاقان کی بیوی تورا کینہ کے پاس جاؤں گی اور اسے مجبور کروں گی کہ وہ اوغدائی خان سے تمہاری جان بخشی کی سفارش کرے۔"

میں نے بالکل سکوت اختیار کر لیا کیونکہ اب مجھ میں بولنے کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ خرمانی اب بھی کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے سنا وہ کہہ رہی تھی۔ "لیکن اگر میں اپنی کوششوں میں ناکام رہی اور تمہیں قتل کر دیا گیا تو یہ خون خرابا زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے گا۔ لیوچت سائی کہتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ وحشت اور جہالت، تہذیب و تمدن اور علم اور دانائی پر غلبہ پائے۔ ہم مہذب لوگ منگول نہیں بن سکتے لیکن ان منگولوں کو مہذب ضرور بنا سکتے ہیں اور ایک دن ان وحشی فاتحین کو تہذیب ضرور فتح کر لے گی۔"

لیکن میرے لئے خرمانی کی ساری باتیں فضول تھیں کیونکہ میرے قتل ہو جانے کے بعد اگر یہ وحشی تہذیب اور تمدن کے ہاتھوں مفتوح ہو گئے تو مجھے کیا۔ میرے کس کام کے۔

دوپہر سے ذرا پہلے مجھے اوغدائی خان کے یورت میں لے جایا گیا۔ وہاں دو رویہ ترخان اور نویان بالشتی بیٹھے ہوئے تھے اور یورت کے آخر میں اونچے تخت پر اوغدائی اپنی بیوی تورا کینہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں محمد یلوچ اور لیوچت سائی تھے۔ میں اوغدائی خان کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہ بھاری بھرکم تن و توش کا انسان لباس پہنے ہوئے تھا، سر کے بڑے بڑے بال دو چوٹیوں میں گوندھ دیئے گئے تھے۔ لیوچت سائی اور محمد یلوچ کے برابر پڑی ہوئی چوکیاں خالی تھیں، تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھی بھر گئیں۔

خاقان نے مجھ سے کوئی سوال کیا، میں نہیں سمجھ سکا تو محمد یلوچ نے خاقان کی ترجمانی کی۔ اوغدائی خان نے مجھ سے پوچھا تھا کہ "مجھ پر جو الزام لگایا گیا ہے کیا وہ صحیح ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور آہستہ سے کہا۔ "درست ہے۔"

لیوچت سائی کھڑا ہوا اور دیر تک کچھ کہتا رہا۔ یورت کے دربار پر سناٹا طاری تھا۔ جب وہ کہہ چکا تو اوغدائی نے محمد یلوچ سے کچھ کہا۔ اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "جنید! خاقان کہتا ہے کہ مقدمے کی روداد سے میں تمہیں آگاہ کرتا رہوں کیونکہ یہاں نیلے آسمان کی طرح انصاف کی حکمرانی ہے۔ ابھی ابھی چینی دانا نے تمہاری سفارش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب خوارزم شاہی کا اس دنیا میں کوئی وجود نہیں اس لئے خاقان کو چاہئے کہ تمہیں معاف کر دے۔ یہ

بھی کہ اس نے خاقان کے سامنے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ وہ تمہیں معاف کر کے ملازم رکھ کر لے، اس طرح جاسوسی کے خدشے سے بھی نجات مل جائے گی اور ایک پڑھا لکھا نوجوان منگولوں کی حکومت میں کار آمد پرزے کی طرح کام سے لگ جائے گا لیکن خاقان یہ کہتا ہے کہ اس کے قانونی معاملات اس کے بڑے بھائی چغتائی خان کے ہاتھ میں ہیں، وہ چاہے تو معاف کر دے چاہے تو یاسا کے مطابق سزا دے دے۔"

لیوچت سائی کے برابر ہی چغتائی خان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کھڑا ہو کر کچھ دیر تک بولتا رہا۔ محمد یلوچ نے مجھے بتایا کہ چغتائی خان کہہ رہا تھا کہ کسی مجرم کو معافی دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس نے جاسوسی جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے اس لئے اسے یاسا [illegible] گی۔"

اسی دوران اوغدائی کی چہیتی بیوی تورا کینہ نے بھی کچھ کہا۔ جس کی بابت محمد یلوچ نے بتایا کہ تورا کینہ میری سفارش کر رہی ہے لیکن چغتائی خان نے اسے بھی رد کر دیا۔

یکایک لوگوں کی نظریں یورت کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں، میں بھی گھوم کر دیکھنے لگا۔ سامنے سے دو منگولوں کے ساتھ عباس چلا آ رہا تھا، وہ آ کر میرے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔

محمد یلوچ نے اس سے سوال کیا۔ "کیا تم اس نوجوان سے واقف ہو؟"

عباس نے جواب دیا۔ "ہاں خوب اچھی طرح!"

محمد یلوچ نے سوال کیا۔ "یہ کون ہے؟"

عباس نے جواب دیا۔ "یہ ہمارے قافلے کے ساتھ تو ایک تاجر کی حیثیت سے آیا ہے لیکن در اصل یہ خوارزم شاہی خاندان کا ایک فرد ہے!"

چغتائی خان نے فوراً ہی اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "یاسا اس جرم کے لئے قتل کی سزا تجویز کرتا ہے، اور غروب آفتاب سے پہلے پہلے قراقرم کے سب سے بلند ٹیلے پر نیلے جاودانی آسمان کی بارگاہ میں اس کی قربانی پیش کر دی جائے!"

قصہ ختم ہو چکا تھا لیوچت سائی اور محمد یلوچ رنجیدہ ہو کر بیٹھ گئے ___ تورا کینہ غصے میں اندر چلی گئی اسے غالباً اس بات کا ملال تھا کہ اس کے شوہر نے اس کی سفارش نہیں مانی تھی۔

عباس نے محمد یلوچ کے ذریعے خاقان سے درخواست کی کہ "اب چونکہ جنید کو سزائے موت دی جائے گی اس لئے خاقان کو چاہئے کہ جملہ تجارتی اشیاء پر اس کا حق ملکیت تسلیم کر لیا جائے۔" خاقان نے اس کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کہا کہ "اپنے حق کو یہ شخص خود ہی کسی کے حوالے کر سکتا ہے۔"

میں نے خاقان سے درخواست کی کہ "میری چیزیں نویان باشتی اور تے خان کے حوالے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کر دی جائیں۔"

خاقان نے میری درخواست منظور کر لی لیکن محمود اوتے خان انہیں نہیں چاہتا تھا۔

مجھے پھر خیرمان کے یورت میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں خیرمانی بھی بہت رونی اور کہا کہ اوغدائی تو ذرا نرم پڑ گیا تھا لیکن اس کا بڑا بھائی چغتائی خان قطعی اس بات کے درپے رہتا ہے کہ یاسا کے قوانین کی رو گردانی نہ کی جائے۔

میں نے خیرمانی سے دل شکستہ لہجے میں کہا۔ "میں نے خاقان سے یہ درخواست کی تھی کہ عباس کے پاس میرا جو سامان تجارت موجود ہے، اسے تمہارے حوالے کر دیا جائے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے شوہر نے اس کے لینے سے انکار کر دیا ہے اس لئے اب تم سے درخواست ہے کہ تم اس سے وہ سامان حاصل ضرور کرو بعد میں چاہے تم اسے لوگوں میں تقسیم کر دینا لیکن عباس سے میرا حصہ وصول ضرور کر لینا ہے۔"

خیرمانی نے بھی کہا۔ "عباس ذلیل انسان ہے، میں تمہارا حصہ اس سے حاصل کر لوں گی۔" پھر پوچھا۔ "سزائے موت کا فیصلہ سن کر سچ بتانا، دل پر کیسی گزری؟"

میں نے جواب دیا۔ "بس ذرا سی دیر کے لئے پریشانی ہوئی تھی لیکن اب سوچ سوچ کر خوش ہو رہا ہوں کہ میں شاید جلدی ہی اپنے مرحوم والدین کی روحوں سے ملاقات کرنے جانے والا ہوں۔"

دن کے چوتھے پہر سے ذرا پہلے مشرق سے زبردست گرد و غبار کا طوفان اٹھا جس میں نیلا آسمان سورج سمیت روپوش ہو گیا۔ میں پہاڑی کی طرف چلا جا رہا تھا، میری گردن مارنے کا فریضہ بھی خیرمان کے منگول شوہر کو انجام دینا تھا مجھے ایک بلند و بالا ٹیلے پر لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ میرے جیزبان کے ہاتھ میں کھلی ہوئی خمیدہ تلوار چمک رہی تھی، بہت سارے منگول میری موت کا تماشا دیکھنے جمع ہو گئے تھے۔ جب مشرق سے اٹھنے والی خوفناک آندھی نے نیلے آسمان کو چھپا لیا اور اس کی جگہ ہمارے سروں پر گرد و غبار کا آسمان تن گیا تو منگولوں کے ہوش و حواس جاتے رہے تھوڑی دیر کے لئے گردن مارنے کی تقریب روک دی گئی کیونکہ منگولوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب آسمان گرد و غبار میں اپنا منہ چھپا لے اور آندھی کے جھکڑ چلنے لگیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ نیلا آسمان اپنا جلال برسا رہا ہے۔ اوتے خان اور منگول اپنے اپنے سروں کو گھٹنوں میں دے کر بیٹھ گئے اور گرد و غبار کے چھٹنے کا انتظار کرنے لگے۔ اسی عالم میں میں نے ایک شخص کا ہیولا آگے بڑھتے ہوئے دیکھا جو گرد و غبار کو چیرتا اور کانوں کو دونوں ہاتھوں سے چھپائے لڑکھڑاتا ہوا میری طرف چلا آ رہا تھا۔ جب وہ بالکل میرے قریب آ گیا تو میں نے اسے پہچان لیا یہ عباس تھا، وہ آتے ہی تقریباً میرے قدموں میں گر گیا اور زار و قطار روتا ہوا بولا۔ "جنید!

بڑا افسوس ہے کہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے میں تنہا واپس جا کر اپنے ہونے والے خسر کو کیا جواب دوں گا۔"

میں نے سوچا کہ اس قتل گاہ تک پہنچانے والا بھی یہی شخص ہے اور اب یہی ٹسوے بھی بہا رہا ہے، میرا خیال تھا کہ جب اس کے ضمیر نے اپنے کیئے پر تنہائی میں غور کیا ہو گا تو خود شرمندہ ہوا ہو گا اور اب یہ سوچ سوچ کر گھبرا رہا ہو گا کہ اس کا ہونے والا خسر احمد میرے معاملے میں اس پر ضرور برہم ہو گا۔ سوچتے سوچتے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اب جبکہ میرا قتل کر دیا جانا مقدر ہو چکا ہے تو خطا کار لیکن شرمسار عباس کو معاف کیوں نہ کر دیا جائے۔

میں نے کہا۔ "عباس! مجھے یہاں تک پہنچانے والے تم خود ہو، میرا خیال ہے تمہیں تمہارا ضمیر یقیناً کچوکے لگا رہا ہو گا۔"

"ہاں!" عباس کہنے لگا۔ "میں بھی آدمی ہوں، مجھ سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میری وجہ سے تم یہاں تک پہنچے ہو تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں!"

میرا گداز دل بھر آیا۔ میں نے کہا۔ "میں تمہیں معاف کرتا ہوں، اور اگر تم (کاغذ) اور قلم دوات مہیا کر سکو تو میں اس سلسلے میں اپنی تحریر بھی دے سکتا ہوں۔"

عباس کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا اور اس نے جھک کر میری پنڈلیوں کو کئی بوسے دیئے، کہنے لگا۔ "قلم دوات اور قاذری کی کوئی ضرورت نہیں، میں نحیف الجثہ منگول اوتے خان کو بلاتا ہوں جو میں کہوں تم اس کے سامنے کہہ دو۔"

میں نے جواب دیا۔ "لیکن وہ ہماری زبان نہیں سمجھتا۔"

عباس نے کہا۔ "ہاں یہ بات تو ہے تو پھر تم ایسا کرو کہ کسی طرح محمد بلوچ کو بلوا لاؤ اور جو میں کہوں تم اس کے سامنے کہہ دو۔"

"میں تیار ہوں لیکن تم مجھ سے کہلوانا کیا چاہتے ہو؟"

عباس نے چبا چبا کر کہا۔ "یہی کہ تمہارے قتل میں میرا ہاتھ نہیں ہے اور تمہارے بعد تمہارے سامان کا میں وارث قرار پاؤں گا۔"

یکایک آتی زور کا جھونکا آیا اور عباس لڑکھڑا کر دور جا گرا۔ عباس کی آخری بات نے میرے دل میں اس کے خلاف نفرت اور غصے کی آگ دوبارہ بھڑکا دی، میں جانتا تھا وہ اب سامان کو اپنے نام منتقلی کی فکر کھاتے جا رہی ہے، جب وہ دوبارہ میرے قریب آیا تو میں نے اسے دھتکار دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ "او لالچی انسان! میں تجھے کسی قیمت پر بھی معاف نہ کروں گا، میں تیری کوششوں سے اس حال کو پہنچا ہوں، اگر میں اس دنیا میں بدلہ نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

سے سکا تو دوسری دنیا میں تیرا دامن ضرور پکڑوں گا' تو یہ بات بھول جا کہ میں تجھے معاف بھی کر سکتا ہوں۔"

سائیں سائیں اور شاں شاں کرتے خوفناک جھکڑ کسی طرح تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ اسی عالم میں نشیب کے میدانوں سے بہت سارے گھوڑوں کی ٹاپیں گونجنے لگیں، ہواؤں کے تیور کبھی ان آوازوں کو دور کر دیتے کبھی نزدیک لے آتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساٹھ ستر گھوڑے ہمارے قریب آ گئے۔ یہ لوگ ٹیلے پر ادھر ادھر پھیل گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہواؤں کو چیرتے ہوئے کو کپڑوں میں چھپاتے چار گھڑ سوار میرے قریب آ گئے۔ ایک شخص ان کی رکاب میں پیدل آیا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ تومان باشی اوغے خان تھا۔ چار گھڑ سوار بھی اپنے اپنے گھوڑوں سے نیچے اترے، میں نے ان کی جسامت ہی سے انہیں پہچان لیا، ان میں سے دو تو اوغدائی خان اور چغتائی خان تھے، چغتائی خان نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھوڑے کی آڑ میں لے کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ میں ہواؤں کے جھونکوں سے محفوظ ہو گیا۔ پھر اوغدائی خان بھی ہمارے پاس ہی آ گیا۔ ان لوگوں نے ہوا کے جھکڑوں سے بچنے کی یہ عجیب ترکیب نکالی کہ اپنے ساٹھ ستر گھوڑوں کو دو قطاروں میں ہوا کے رخ پر کھڑا کر کے ان کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ ابھی میں نے اوغدائی خان کی بیوی تورا کینہ اور خرمانی کو اس حال میں دیکھا کہ ان کی آنکھوں پر سے سینے تک ایک سفید کپڑا پردے کی طرح لٹکا ہوا تھا۔ ایک طرف یوچیت ساقی اور محمد بلوچ بھی موجود تھے۔ لیکن ان سب میں ایک ایسا شخص بھی تھا جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور جو اپنی صورت شکل اور لباس سے زنخا معلوم ہوتا تھا اس کی لمبی لمبی زلفیں بالکل عورتوں کی طرح تھیں' لباس بھی عورتوں ہی جیسا تھا اور داڑھی مونچھیں ندارد تھیں' زنخا اور مخبوط الحواس یا نیم پاگل۔

یہ بالکل اتفاقی امر تھا کہ ان سب کے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی آندھی کا زور ٹوٹنے لگا اور نیلے آسمان کا ایک گوشہ صاف نظر آنے لگا۔ خاقان اور اس کے کنبے کے سوا تمام منگول آسمان کے اس نیلے گوشے کی طرف سربسجود ہو گئے۔ پھر جب مطلع صاف ہو گیا تو مجھ پر [illegible] اور موت کے خوف نے پھر غلبہ کر لیا میرا خیال تھا کہ مجھے اسی ہجوم کے سامنے قتل کیا جائے گا لیکن میری توقع کے خلاف چغتائی خان نے مجھے مخاطب کر کے کچھ کہا جسے میں نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس نے منگولوں کو مخاطب کیا۔ وہ دیر تک ان سے مخاطب رہا۔ اپنی تقریر کے دوران اس نے کئی بار میری طرف اشارے کیے اور کبھی کبھی وہ مخبوط الحواس زنخے کی طرف بھی اشارے کر دیتا تھا۔ جب وہ تقریر ختم کر چکا تو میں نے دیکھا کہ خرمانی کی آنکھیں ڈبڈبا آئی ہیں' اس نے انہیں نہایت ہوشیاری سے چہرے پر پڑتے ہوئے رومال سے پونچھ ڈالا۔

چغتائی کے بعد اوغدائی خان نے کچھ کہا اور پھر خاقان اعظم کے اشارے پر محمد بلوچ

میرے قریب آیا اور کہنے لگا۔

"جنید! تم بڑے خوش قسمت انسان ہو جو کام تورا کینہ کی سفارش اور یوچیت ساقی کی التجا انجام نہ دے سکی تھی' اسے آندھی اور اس شامان نے انجام دے دیا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے مخبوط الحواس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کہتا رہا۔ "یہ یہاں کا شامان ہے' قراقرم کا ساحر ترین شخص ہے۔ یہ جاودانی نیلے آسمان سے باتیں کر سکتا ہے' یہ یہاں کا روحانی معالج بھی ہے' جب مشرق اور شمال مشرق سے آندھی کے آثار ہویدا ہو رہے تھے تو یہ شامان بھاگتا ہوا خاقان کے اورت میں داخل ہو گیا اور اس نے چیخ چیخ کر خاقان اعظم کو یہ بتایا کہ اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مونگکے تینگری (جاودانی نیلے آسمان) کا یہ پیغام وصول کیا ہے کہ کوئی بے گناہ قتل کیا جا رہا ہے' اگر اسے قتل کر دیا گیا تو آسمانی جلال قراقرم کو تہس نہس کر دے گا۔ شامان کے انتباہ نے اوغدائی' اس کی بیوی تورا کینہ اور چغتائی خان وغیرہ کو بدحواس اور پریشان کر دیا اور یہ فوراً ہی ہوا کے دوش پر سوار ہو کر تمہیں بچانے کے لئے یہاں آ گئے' اب تمہیں کوئی بھی نہیں قتل کر سکتا' جاودانی نیلے آسمان کی تائید تمہارے ساتھ ہے۔"

مجھے معلوم نہیں کہ سزائے قتل کی منسوخی کی خبر کا عباس پر کیا اثر ہوا لیکن خود مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی' مجھے ایک گھوڑا پیش کیا گیا' میں اس پر سوار ہو کر خاقان، تورا کینہ، چغتائی خان اور خرمانی وغیرہ کے ساتھ ٹیلے سے نیچے اترنے لگا۔

اب میں نے پہلا کام یہ کیا کہ عباس سے علیحدگی اختیار کر لی' میں نے نہایت بے دردی اور بے مروتی سے اپنا حصہ الگ کر لیا۔ اب عباس بھیگی بلی بن چکا تھا۔ خرمانی کا شوہر اوغے خان قدم قدم پر میری مدد کر رہا تھا اس نے میرے لئے ایک یورت کا انتظام کر دیا۔ میں اپنے سامان کے ساتھ اس میں منتقل ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ مجھے بھی خاقان اعظم کی طرف سے پروانۂ راہداری مل جائے لیکن اس کا ابھی وقت نہیں آیا تھا' دوسرے یہ کہ خرمانی بھی ایسا کرنے سے منع کر رہی تھی وہ کہتی تھی کہ میں بدستور تجارت کرتا رہوں اور قراقرم میں مستقل قیام کا خیال ذہن سے نکال دوں' اور یہ بات طے تھی کہ میں خرمانی کا کہنا نہیں ٹال سکتا تھا' وہ روز بروز میرے اعصاب پر قابض ہوتی جا رہی تھی۔ میرے دل و دماغ اس کے قبضے میں جا چکے تھے۔

مجھے قراقرم میں رہتے ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں خرمانی سے بہت زیادہ قریب ہو چکا تھا اور بہت زیادہ باتیں کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ خرمانی اپنے حالات اور ماحول سے کچھ زیادہ دل برداشتہ نہیں ہے اور مجھے ایک ناتجربہ کار اجنبی اور غیر مآل اندیش نوجوان سمجھتی ہے اور یہ انکشاف بھی ہوا کہ اسے تورا کینہ کی مصاحبت حاصل ہے اور وہ تورا کینہ کے بہت سے رازوں سے واقف ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

بیشتر تاجر اپنا سامان فروخت کر چکے تھے اور اب واپسی کی تیاریاں ہو رہی تھیں
عباس مجھ سے ملنے آیا۔ میں یہ سمجھا کہ مجھ سے واپسی کے لئے پوچھے گا۔ لیکن اس نے کچھ دو
باتیں کیں اس نے پوچھا "کیا تم واپسی کی تیاریاں کر چکے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "ابھی نہیں، کیوں؟"

کہنے لگا۔ "سردست میں خود نہیں جا رہا، میں ابھی کچھ دن اور یہاں رہوں گا۔ میرا
ہے تم اپنا سامان فروخت کر چکے ہو اور تمہیں واپس چلا جانا چاہئے۔"

میں نے بے رخی سے جواب دیا۔ "میں واپسی کا ارادہ ہی نہیں رکھتا، میں یہ
رہ جانا چاہتا ہوں۔"

عباس نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ کیوں؟"

میں نے جواب دیا۔ "مجھ جیسے آوارہ دیے خاندان کے لئے ہرات اور قراقرم
کوئی فرق نہیں۔"

اس نے مجھے تعجب سے دیکھا اور کہنے لگا۔ "تب پھر مجھے اپنا پیغام کسی اور کے
روانہ کرنا ہوگا۔"

دراصل وہ لٹنے ہونے والے خسر احمد کو یہ پیغام بھیجنا چاہتا تھا کہ وہ کسی د
ابھی سال ڈیڑھ سال قراقرم میں اور ٹھیرے گا۔ کیوں ٹھیرے گا کچھ پتہ نہ تھا۔ میں
بھی حیران تھا کہ عباس جیسا کاروباری مزاج انسان یہاں اتنا وقت کیوں ضائع کر رہا
ہے۔

ایک دن مجھے یہ خبر ملی کہ اوقے خان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔
بھاگا ہوا اس کے یورت پہنچا۔ اس دن اس یورت کا منظر ہی کچھ اور تھا۔ ایک تخت پر
سمور کے بستر پر اوقے خان آنکھیں بند کئے پڑا ہوا تھا اور اس کے آس پاس بیس
عورتیں اور لڑکیاں سوگوار بیٹھی تھیں اور وہی شامان جس نے میری جان بچائی تھی
بیٹھا بڑبڑ کچھ پڑھ رہا تھا۔ خرمانی بھی بہت اداس تھی، اس نے مجھے یورت کے دو
حصے میں بٹھا دیا۔

میں نے اس سے دریافت کیا۔ "یہ اوقے خان کو ہو کیا گیا آخر؟"

خرمانی نے جواب دیا۔ "شراب اور عیاشی نے اس کا وقت سے پہلے ہی کام
کر دیا ہے۔"

میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "کیا تمہارے علاوہ بھی اوقے خان کی بیویاں ہیں؟"

خرمانی نے دکھ سے جواب دیا۔ "کوئی ایک دو! میرے علاوہ اس کی بیس
بیویاں اور ہیں، یہ ساری عورتیں اور لڑکیاں جو اس کے آس پاس بیٹھی ہیں اس کی بیویاں

ان میں چین اور ثمرقند و بخارا کے درمیانی تمام ملکوں کی عورتیں موجود ہیں!"

میرے دل میں کچھ امیدیں گھر کرنے لگیں، میں نے پوچھا "یہ شامان کیا کر رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "علاج۔"

"کیا یہ معالج بھی ہوتا ہے؟"

"ہاں۔ پجاری، طبیب، ساحر اور بھلے جادو ای آسمانوں سے ہم کلام ہونے والا پاتری گر
یہ سبھی کچھ ہوتا ہے۔"

"کیا یہ اوقے خان کو اچھا کر دے گا۔"

"کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا!"

"لیکن اس نے مجھے تو بچا ہی لیا تھا۔"

"ہاں!" وہ کہنے لگی۔ "اگر میں اسے فیس رشوت نہ دیتی تو یہ کبھی بھی تمہیں نہ بچا سکتا۔"

"تم نے میری خاطر اسے رشوت دی تھی!" میں چونک پڑا۔ "یہ بات تم نے مجھے
پہلے تو نہیں بتائی تھی؟"

"اس وقت بھی نہ بتاتی، بس زبان سے نکل گئی یہ بات، لیکن تم وعدہ کرو کہ اس کا
ذکر کسی اور سے نہیں کرو گے!"

"وعدہ!" میں نے جواب دیا، میرے دل میں خرمانی کے لئے امید کا چراغ روشن ہو گیا۔

میں نے پھر سوال کیا۔ "کیا اوقے خان جانبر ہو جائے گا۔"

"شاید نہیں!" اس نے دکھ سے جواب دیا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے ایک ایسا سوال کر دیا جو اس نازک اور سوگوار لمحے میں ہرگز
جائز نہ قرار دیا جا سکتا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "اگر خدانخواستہ اوقے خان نہ بچ سکا تو اس کے بعد
تمہارا کیا منصوبہ ہوگا؟"

اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "کچھ معلوم نہیں، یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔"

اور اسی دن شام تک اوقے خان کا انتقال ہو گیا۔

میں کئی دن تک خرمانی سے نہیں ملا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ اوقے خان کے بعد اس کے
یورت میں جانا منگول قوانین کی رو سے کیسا تھا؟ لیکن ایک دن میں خطیبں کے چند ٹکڑے لے کر پہنچ
گیا۔ میں نے یہ ٹکڑے اس کے حوالے کئے اور اس سے کہا کہ "انہیں پانی کی صراحیوں پر لپیٹ دو
پانی ٹھنڈا رہے گا۔"

وہ مجھ سے اس طرح ملی جیسے میرا انتظار کر رہی ہو، میں نے اسے تسلی دینے کی خاطر
جھوٹی خبر سنائی۔ "خرمانی! اب میرا کام یہاں ختم ہو چکا ہے ہرات واپس جانا چاہتا ہوں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اس کی ویران نظریں میرے چہرے پر ٹک گئیں، پوچھا "کب واپس جا رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا "ابھی کوئی پانچ سات دن اور یہاں ہوں!"

وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ سوچتی ہوئی بولی "اچھا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دو چار ماہ اور رک جاؤ؟"

میں نے کہا "رک تو سکتا ہوں لیکن فائدہ؟ مقصد؟"

وہ کچھ یاد کرتی ہوئی بولی "لیکن ایک بار تم نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ تم یہاں مستقل رہنا چاہتے ہو، لیکن اب جب کہ میں بہت غمزدہ ہوں، تم مجھے چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتے ہو؟"

میں نے سوچا کہ اب بات صاف صاف ہی کر لینا چاہیے، حلق میں خشکی دوڑ جانے سے خراش سی محسوس ہو رہی تھی میں کھنکھارتا ہوا بولا "اس وقت تمہیں دیکھ کر قراقرم میں کچھ حسن محسوس کرنے لگا تھا۔"

اس نے بات کاٹ دی، کہنے لگی "لیکن اب میں کہاں چلی گئی ہوں اب بھی تو یہیں موجود ہوں!"

میں نے جواب دیا "معلوم نہیں کیوں، تم میری بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہو تم اتنی نادان تو نہیں ہو!"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور یورت کے اندرونی در پر جا کر بیٹھ گئی اور مجھے بھی اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے مجھے اپنی داہنی جانب کی چوکی پر بٹھا دیا اور خود میرے بائیں طرف تقریباً میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔ میں نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ بھی سامنے چوکی پر میرے مقابل بیٹھ جائے لیکن وہ بدستور میرے قدموں ہی میں بیٹھی رہی، کہنے لگی "ہاں اب وہ باتیں کرو جو ابھی کر رہے تھے۔"

میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا "غرمانی تم جانتی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں، لیکن ہم دونوں کے حالات کچھ اتنے مختلف اور متضاد ہیں کہ شاید ایک نہ ہو سکیں۔"

غرمانی نے کہا "بات یہ نہیں ہے، میں اگر چاہوں تو تمہیں اپنے ساتھ رکھ سکتی ہوں، اب مجھ پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ اوغدائی کہتا تھا کہ میں دوسری شادی کر لوں لیکن میں نے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اب شادی نہیں کروں گی اپنے بچے کی تعلیم و تربیت پر وقت صرف کروں گی۔"

"تمہارا کوئی بچہ بھی ہے؟"

"ہاں، تین سال کا!"

"وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنی دادی دادا کے پاس رہتا ہے، وہ اسے قبائلی تربیت دے کر جنگجو اٹھانا چاہتے ہیں؟"

"اچھا!" اس انکشاف سے میں خوش نہ ہوا "تمہارے جواب پر اوغدائی نے کیا کہا؟"

"وہ بہت خوش ہوا اور میرے جذبۂ ایثار کو سراہنے لگا۔ اس نے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں جو چاہوں کروں!"

"میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"تم ابھی یہیں رہو اور وقت کا انتظار کرو!"

"کس وقت کا انتظار؟ کیا اب بھی کوئی وقت آ سکتا ہے؟"

"بالکل آ سکتا ہے" وہ کہنے لگی "یہاں منگولوں میں یہ رسم ہے کہ عورتیں یورتوں کے در پر اس طرح بیٹھا کرتی ہیں کہ ان کا شوہر چوکی پر بیٹھتا ہے اور بیوی اس کے بائیں طرف شوہر کے قدموں میں۔ منگولوں کا اعتقاد ہے کہ دل چونکہ بائیں طرف ہوتا ہے اس لئے آدمی کو جس سے بہت زیادہ محبت ہو اسے اس کے قدموں میں دل کے قریب ہی بیٹھنا چاہیے!" یہ کہتے کہتے وہ شرما گئی اور گردن جھکا لی۔

غرمانی کو اپنی بابت جو کچھ کہنا تھا، بحسن و خوبی کہہ چکی تھی۔

میں نے پوچھا "تب پھر مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا؟"

"ابھی کچھ بھی معلوم نہیں!" اس نے دو ٹوک جواب دیا "سردست تم خاقان کی چاکری کرو، میرے سامنے چند مقاصد ہیں یا یوں سمجھو کہ چند رکاوٹیں ہیں، میں انہیں دور کئے بغیر تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتی!"

میں نے کہا "ان رکاوٹوں کی بابت کچھ مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں!"

"تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے!" وہ کہنے لگی "ویسے میں یہ تمہیں بتلائے دیتی ہوں کہ مجھے ان منگولوں سے کوئی دلچسپی نہیں، ان کے جسموں سے معلوم نہیں کیسی بو آتی ہے اگر میرے بچے کا مستقبل ان لوگوں سے وابستہ نہ ہوتا تو میں کسی بھی طرح یہاں سے فرار ہو چکی ہوتی!"

اوغدائی اس بات سے بہت خوش ہوا کہ میں قراقرم کو امن و انصاف کی سرزمین سمجھ کر مستقلاً یہیں بس جانا چاہتا ہوں، توراکینہ نے میرے سپرد یہ خدمت کی کہ میں خانوں کے بچوں کو پڑھا لکھا دیا کروں، محمد یلواچ اور [illegible] دونوں نے تقریباً ایک [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کر کہ تمہیں اپنی خدمت نہایت محنت اور ہوشیاری سے انجام دینی چاہئیں اور اس مقصد کو ذہن میں رکھ کر منگول بچوں کی تعلیم کرو کہ جہالت اور وحشت کو آخر کار تہذیب و تمدن کے ہاتھوں مفتوح ہونا ہے' وہ منگول جو رحم کا نام تک نہیں جانتے تھے اب رحم اور ہمدردی کی طرف مائل نظر آنے لگے ہیں۔"

خاقان کے بچوں کو پڑھانے کے سلسلے میں مجھے ان کے یورتوں میں جانے کا موقع ملا۔ یہ عجیب جنگلی لوگ تھے، بات بات پر آگ بگولا ہو جانا ان کی فطرت میں داخل تھا۔ میں جلدی ہی ان سے عاجز آ گیا' اگر خرمانی کی طمع نہ ہوتی تو میں انہیں کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔ خرمانی سے میں بار بار یہ پوچھتا رہا کہ آخر وہ وقت کب آئے گا جس کا میں انتظار کر رہا ہوں؟ وہ کہتی "کچھ دن اور۔"

اسی طرح ایک سال گزر گیا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ خرمانی نے جن رکاوٹوں کا ذکر کیا تھا ان کا کہیں کوئی وجود نہ تھا اور دراصل وہ تذبذب کا شکار تھی۔ ایک طرف نفس تھا' دوسری طرف بچہ تھا۔ اس کے دل میں معلوم نہیں کس طرح یہ موہوم سی امید پیدا ہو گئی تھی کہ اس کا بچہ بھی بڑا ہو کر چنگیز بنے گا اور قبائلی رسم و رواج شاید اس کی غیر معمولی صفات کے پیش نظر اسے بھی خاقان یا اس سے کوئی کمتر منصب عطا فرما دیں کیونکہ بچے کے دادا دادی جس غیر معمولی لگن سے اس کی پرورش کر رہے تھے اس سے کچھ بعید نہ تھا۔ میں نے سوچا یہ تو سائے کے پیچھے بھاگنے والی عورت ہے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اب اس کے چہرے پر زیادہ نکھار آگیا تھا۔ میں نے اس کے پاس آمد و رفت کم کر دی کیونکہ خسرا قرم میں یاسا کا قانون رائج تھا جس میں بدکاری کے مرتکب کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ خرمانی کے پاس زیادہ آنے جانے سے سنگین لغزش کا ہر وقت امکان موجود رہتا تھا لیکن خرمانی یہ چاہتی تھی کہ میں روزانہ ہی اس سے ملتا رہوں۔

پھر قدرت نے مجھے ایک ایسا موقع عطا کیا کہ میں نے خرمانی کو بھی اسی کرب اور اذیت میں مبتلا کر دیا' جس کا میں خود شکار تھا۔ ایک دن صبح ہی صبح اوغدائی نے ایک منگول سپاہی کے ذریعے مجھے اپنے یورت میں طلب کیا۔ یہ لوگ اکھڑ اور اجڈ تو ہوتے ہی ہیں' اس منگول سپاہی نے اوغدائی کے خیمے میں حاضر ہونے کا حکم جس طرح سنایا اس سے مجھے یہ شبہ گزرا کہ ضرور کوئی مصیبت کھڑی ہونے والی ہے۔

جب میں اوغدائی کے یورت میں داخل ہوا تو وہاں اوغدائی کے علاوہ چینی دانا یلو چت سائی بھی موجود تھا۔

اوغدائی نے مجھے اپنے قریب بلایا اور چوکی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ میرا دل؛ دھک دھک

کر رہا تھا۔ وہ بڑا مردم شناس تھا۔ کہنے لگا۔ "تو پریشان کیوں ہے؟ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے تجھے یہاں قتل یا بخشش میں طلب کیا ہے؟"

میں نے ادب سے عرض کیا۔ "جسے جاودانی نیلے آسمان نے معافی دی ہو اسے خاقان کس طرح دکھ یا اذیت پہنچا سکتا ہے؟"

اوغدائی میرے جواب سے بہت خوش ہوا۔ یلو چت سائی سے کہنے لگا۔ "دیکھ یہ کیسی عقل کی باتیں کرتا ہے!"

چینی دانا نے جواب دیا۔ "یہ عالم ہے اور علم عقل کو جلا دیتا ہے' اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ یہاں مدرسے ہونے چاہئیں تاکہ خاقان کے بچے فاتح اور جنگجو ہی نہ بنیں بلکہ ساتھ ساتھ عقل و دانش اور علم و ادراک میں بھی دوسروں پر سبقت لے جائیں۔"

اوغدائی نے کہا۔ "ایسا ہو گا' ایسا ہی ہو گا لیکن میرا عظیم اور فاتح عالم باپ کہا کرتا تھا کہ پکے مکانوں اور خانقاہوں میں رہنے والے فطرتاً نرم' کمزور اور بزدل ہو جاتے ہیں صرف خیموں اور مہیب لوگ ہی دوسروں پر حکومت کر سکتے ہیں کیا تو یہ چاہتا ہے کہ خاقان کے بچے پڑھ لکھ کر چینیوں اور مسلمانوں کی طرح ہو جائیں؟"

یلو چت سائی کہنے لگا۔ "ملکوں کو فتح کر لینا الگ بات ہے اور ان پر انصاف اور دانائی سے حکومت کرنا الگ بات' خاقان انصاف کرنے کے لئے ہر جگہ تو پہنچ نہیں سکتا' جہاں وہ نہیں پہنچ سکتا' وہاں اس کے مقرر کئے ہوئے عالم اور دانا حضرات اس کا کام چلاتے ہیں!"

اوغدائی ان باتوں سے اکتا گیا اور اچانک ایک عجیب سا سوال کر دیا۔ مجھ سے پوچھا "تیرے بادشاہ اپنے محلوں میں کتنی عورتیں رکھتے ہیں؟"

جھوٹ بولنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ "بہت زیادہ' کبھی کبھی ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے' لیکن از روئے اسلام یہ جائز نہیں ہے!"

میں نے آخری بات اس لئے کہی تھی کہ اگر میرے سچ میں کوئی بات اوغدائی کی مرضی کے خلاف ہوئی تو جملے کا آخری فقرہ اس کی تلافی کر سکے۔

اوغدائی میرے جواب سے بہت خوش ہوا۔ یلو چت سائی سے کہنے لگا۔ "اور تو مجھے صرف اٹھائیس عورتوں کا پابند رکھنا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے لئے اتنی ہی دوشیزاؤں کا انتظام اور کرا اور یہ تیری ذمے داری ہے کہ تو ہر سال میرے لئے حسین ترین عورتیں مہیا کر دیا کرے!"

یلو چت سائی نے جھنجھلا کر جواب دیا۔ "میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

خاقان کا بھی وہی حشر ہو گا جو اس کے بھتیجے بوقے خان کا ہوا ہے۔"

ابھی یہ بحث جاری تھی کہ ایک منگول خدمت گار نے اندر آ کر یہ خبر سنائی کہ "اورتات قبیلے نے اس کے حکم کے خلاف قدم اٹھایا ہے اور اپنی لڑکیوں کی شادیاں خاموشی سے اپنے قبیلے ہی کے نوجوانوں سے کر دی ہیں!"

اوغدائی کا چہرہ غصے میں نہایت بھیانک ہو گیا۔ اس نے حکم دیا۔ "اورتات وال(وں) کو حکم دو کہ وہ اسی وقت اپنی سات سال سے اوپر کی لڑکیوں اور نئی شادی شدہ دلہنوں کو لے کر آبادی کے باہر میدان میں جمع ہو جائیں۔ یہ میرا حکم ہے، اوغدائی کا، جو بوگد و (چنگیز) کا جانشین ہے!"

ایک تہلکہ مچ گیا۔ آناً فاناً منگول شہسوار ادھر ادھر دوڑتے نظر آنے لگے جو خاقان اعظم (کے) حکم کی تعمیل کرانے کی غرض سے اورتات قبیلے کی طرف بھاگے چلے جا رہے تھے۔

بات صرف اتنی سی تھی کہ خاقان اورتات قبیلے کی لڑکیوں کی شادیاں کہیں اور (کرنا) چاہتا تھا جب قبیلے والوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی لڑکیوں کی شادیاں چپ چپ(اتے) قبیلے ہی کے نوجوانوں سے کر دیں اور جب خاقان کو اس سرتابی کی خبر ملی تو وہ آپے سے باہر (ہو گیا)۔ ... میں واپس جانے کا خواہشمند تھا لیکن خاقان نے مجھے روک لیا۔

جب ہم خاقان اور لیوچیت سائی کے ساتھ اس میدان میں پہنچے جہاں اورتات قبیلے والے اپنی لڑکیوں اور نئی شادی شدہ دلہنوں کے ساتھ میدان میں جمع ہو چکے تھے۔ ... سے پہلے ہی منگولوں کا عظیم الشان اجتماع ہو چکا تھا۔ یہ لوگ یہ دیکھنے آئے تھے کہ خاقان انہیں (کیا) سزا دیتا ہے۔

میدان میں چار ہزار لڑکیاں اور دلہنیں جمع تھیں، ان کے پیچھے قبیلے کے مرد ہراساں خوف کے عالم میں خاقان کے فیصلے کے منتظر تھے۔ اوغدائی نے اردو (لشکر) کے افسروں کو (حکم) دیا۔ "لڑکیوں اور دلہنوں کو دو قطاروں میں کھڑا کیا جائے!"

حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ خاقان لیوچیت سائی اور مجھے لے کر قطاروں کے درمیان داخل ہو گیا اور دونوں قطاروں کی لڑکیوں اور دلہنوں میں سے اپنی پسند کی الگ کرنے لگا۔ ... لڑکیاں اس کے انتخاب میں آ چکی تھیں اس کے بعد اس نے اپنی فوج کے سرداروں کو حکم (دیا کہ) وہ بھی اپنی اپنی پسند کی لڑکیاں چن لیں۔

پھر وہ میری طرف گھوما اور کہنے لگا۔ "تو کیا دیکھتا ہے، تو بھی اپنی پسند کی ایک (لڑکی) حاصل کر سکتا ہے!"

مجھے معلوم تھا کہ خاقان کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا کیا مطلب تھا، میں نے بھی ایک حسین لڑکی اپنے لیے الگ کر لی۔ سب سے آخر میں اوغدائی نے اردو کے عام سپاہیوں کو حکم دیا کہ "جسے جو بھی پسند آئے اپنے ساتھ لے جائے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے ساری لڑکیاں میدان سے غائب ہو گئیں۔

خاقان نے بے دہشت دیا اور مظلوم و مجبور اورتاتی مردوں کی طرف دیکھا اور وحشت میں چیخ کر کہا۔ "یہ ہے خاقان کی حکم عدولی کی سزا۔ تمہیں معاف کیا جاتا ہے تم سب اپنے قبیلے میں واپس جاؤ۔"

جب خاقان کی پسندیدہ لڑکیوں اور دلہنوں کا گلہ اس کے یورت کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو ان خوش و خرم منگولوں میں لیوچیت سائی تنہا وہ شخص تھا جو بہت اداس تھا۔

خاقان نے مسکراتے ہوئے اس چینی دانا کو دیکھا اور کہنے لگا۔ "اس سال تو میں نے خود ہی اپنے لیے عورتوں کا انتخاب کر لیا ہے لیکن آئندہ سال سے یہ کام تجھے انجام دینا ہوگا!"

لیوچیت سائی نے خفگی سے جواب دیا۔ "جب گڈریا خود ہی بھیڑیا بن جائے تو اس کے گلے کی حفاظت کون کر سکتا ہے۔ میں بار بار یہی کہوں گا کہ خاقان کو اس ایسے زہر سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ زہر تو ہڈیوں کے گودے تک میں اتر جاتا ہے اور اسے کھوکھلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے۔"

اوغدائی اس طرح ہنسا گویا آج اس نے لیوچیت سائی کو شکست دے دی تھی۔

جب میں لڑکی کو لے کر اپنے یورت میں داخل ہوا تو اس وقت میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ یہ خبر کسی طرح خیرسانی کو ہو جائے اور وہ دوڑی دوڑی میرے پاس آ جائے۔ میں اس کے قلبی تاثرات کا اس کے چہرے سے اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

میری توقع کے مطابق خبر سنتے ہی وہ بھاگی ہوئی میرے یورت میں آئی اور لڑکی کو سر سے پیر تک نہایت غور سے دیکھا گو کہ خیرسانی کے حسن سے اس کا کوئی مقابلہ نہ تھا لیکن یہ خیرسانی سے کم عمر ضرور تھی۔ میں نے دیکھا وہ لڑکی کو دیکھ دیکھ کر بہت جل رہی تھی۔

اس نے کہا۔ "جنید! اس لڑکی کو تم اورتات والوں میں واپس بھیج دو۔"

میں نے کہا۔ "واہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے، یہ خاقان کا تحفہ ہے جو اس نے مجھے عطا کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

ہے، میں خاقان کی بے حرمتی کس طرح کر سکتا ہوں!"

خرمانی جیسے اپنے ہوش میں نہ تھی، پوچھا۔ "کیا تم مجھے میرے وعدے واپس لوٹا سکتے ہو؟"

"نہیں تو!" میں نے اسے چھیڑا۔ "میں اب بھی اس وقت کا انتظار کروں گا جس کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے؟"

وہ کہنے لگی۔ "اگر تم مجھے چاہتے ہو تو تمہیں اس لڑکی سے پرہیز کرنا پڑے گا۔"

"یہ کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تم دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں؟"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

میں نے سوچا خرمانی سے اب یہ آسانی معاملہ ہو سکتا ہے۔ میں نے دریافت کیا۔ "کیا میرے ساتھ بہرات چلنے پر آمادہ ہو؟"

"نہیں!"

"یہاں رہ کر میں خاقان کے تحفے کو اپنے پاس رکھنے پر مجبور ہوں!"

معلوم نہیں کیا سوچ کر بولی۔ "اچھا کچھ سوچنے کا مجھے وقت دو!" پھر پوچھا۔ "آج شام کا کھانا میرے یورت میں کھانا پسند کرو گے؟"

"کیوں نہیں، میں تمہاری دعوت کس طرح ٹال سکتا ہوں؟"

اس نے کہا۔ "ہاں آنا ضرور، کھانے کے بعد تفصیلی باتیں کروں گی اور شاید فیصلہ کن بھی!"

وہ چلی گئی اور میں اس وقت یوں بہت خوش تھا کہ میں نے اس سرکش، مذبذب اور چالاک لڑکی کو بہت زیادہ ستا لیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اب وہ میرے ساتھ آ کر رہے گی۔

شام کو جب میں اس کے یورت میں داخل ہوا تو پتہ چلا کہ وہاں کچھ اور مہمان بھی آنے والے ہیں۔ یورت میں بچا س قندیلوں والا فانوس روشن تھا اور یورت میں دن جیسی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت خرمانی بہت خوش تھی اور اس کے انگ انگ سے شادمانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے عورتوں اور مردوں کا ایک اچھا خاصا اجتماع ہو گیا۔ یورت میں مختلف رنگ و نسل کے مہمان جمع تھے، میرا ان سے تعارف کرایا گیا۔ یورت کے مغربی گوشے میں جو جوڑا بیٹھا تھا وہ میری توجہ کا خاص مرکز بن گیا۔

تو منگول تھا لیکن لڑکی اپنی طرف کے خد و خال رکھتی تھی، مجھے شبہ ہوتا تھا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے، لڑکی بھی مجھے بار بار دیکھ رہی تھی۔ خرمانی نے اس جوڑے سے میرا تعارف نہیں کرایا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا۔ "خرمانی! تم نے اس جوڑے کا تعارف نہیں کرایا؟"

کہنے لگی۔ "بہچانو۔ ان کا تعارف غائبانہ کراؤں گی، وہ بھی اس وقت نہیں، کل صبح تمہیں اس یورت میں آنے کی زحمت ایک بار اور گوارا کرنا پڑے گی!"

پھر میرا دم گھٹنے لگا۔ سر چکرا گیا۔ میں نے اس لڑکی کو پہچان لیا تھا، یہ ردشنک تھی میری چچا زاد بہن، میری منگیتر، وہ بار بار مجھے دیکھ رہی تھی، شاید اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا یا پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت میں اپنے قابو میں نہ تھا۔ میں کسی سے کچھ کہے سنے بغیر یورت کے باہر چلا گیا۔ باہر اندھیرا پھیل چکا تھا لیکن تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں، کچھ دیر بعد بہت کچھ نظر آنے لگا۔ اتنے میں ایک شخص یورت کے اندر جھانکتا ہوا پاس سے گزرا، میں نے اسے پکڑ لیا کیونکہ بغیر اجازت چوروں کی طرح یورت میں جھانکنا یا سا میں جرم قرار دیا گیا تھا جب اس شخص کا چہرہ سامنے آیا اور اس کے منہ سے بے ساختہ "کون ہے" کی آواز نکلی تو میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ عباس تھا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور جب یہ پوچھا کہ "وہ اندر کیوں جھانک رہا تھا؟" تو وہ جواب دیئے بغیر ہی فرار ہو گیا۔

میں اس وقت تک باہر ہی رہا جب تک کہ مہمان کھانا کھا کر رخصت نہ ہو گئے اور مجھے اس بات کی حیرت تھی کہ خرمانی مجھے بلانے بھی نہ آئی وہ گویا میری موجودگی فراموش کر چکی تھی۔ اسے اپنی جنگ تصور کرتے ہوئے میں اپنے یورت چلا گیا اور پوری رات میں نے کرب و اضطراب میں گزار دی، وہ کسی طرح بھی خرمانی سے کم حسین نہ تھی، میں دل ہی دل میں رات بھر یہ دعا مانگتا رہا کہ خدا کرے اس کے ساتھ والا منگول اس کا جبری شوہر نہ ہو۔ پھر میرے کانوں میں خرمانی کی یہ آواز گونجی کہ "پہچانو۔" میں نے سوچا کہ "کیا خرمانی، ردشنک اور میرے تعلق سے آگاہ ہے؟" وہ رات قیامت کی رات تھی، صبح جب فجر کی اذان ہوئی، میں جاگ رہا تھا۔

دھوپ چاروں طرف پھیل گئی تھی، میں بے چینی سے خرمانی کا انتظار کر رہا تھا۔ اللہ اللہ کر کے خرمانی آئی تو فوراً یہ سوال کیا۔ "کل رات تم کہاں چلے گئے تھے؟"

میں نے جواب دیا۔ "گھر چلا آیا تھا۔" اس کے بعد میں نے پوچھا۔ "خرمانی! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم اس کا صحیح صحیح جواب دو گی؟"

"پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو، لیکن شاید جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو، میں جانتی ہوں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

"تم کیا جانتی ہو؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"یہی کہ تم روشنگ کی بابت کچھ پوچھو گے جو کبھی تمہاری منگیتر تھی لیکن اب وہ ایک معزز منگول کی بیوی ہے!"

میری آنکھوں تلے اندھیرا پھیل گیا لیکن خرمانی کی آواز بدستور سنائی دیتی رہی۔ "مجھے تمہاری بابت بہت پہلے ہی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے جب میں نے روشنگ سے تمہارا ذکر کیا تھا تو وہ تمہارا نام سنتے ہی تمہیں پہچان گئی تھی، کئی بار میرے جی میں آئی کہ تمہیں اس راز سے آگاہ کر دوں لیکن یہ سوچ کر خوفزدہ ہو گئی کہ تم ذرا بے صبرے نوجوان ہو فوراً کوئی ایسی دلیر حرکت کر گزرو گے، جس سے تم دونوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ تم مجھ سے عشق کرتے رہے اور میں بھی تمہارے مصنوعی عشق میں مبتلا رہی۔" کچھ دیر کے لئے وہ چپ ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب وہ جو باتیں کہنا چاہتی ہے، لہٰذا احتیاط اور سوچ سمجھ کے بعد کہنا چاہتی ہے۔

میں نے دکھ بھری آواز میں کہا۔ "تم چپ کیوں ہو گئیں، سب کچھ صاف صاف کہہ دو خرمانی۔"

وہ کہنے لگی۔ "اس درمیان، میں اس کوشش میں لگی رہی کہ کسی طرح روشنگ کو یہاں سے فرار کرا دوں لیکن یہ بڑا دشوار کام تھا اسی لئے میں نے تمہیں روک رکھا تھا، جب وہ چلی جاتی تو میں تمہیں بھی یہاں سے رخصت کر دیتی لیکن میں آج تک اپنے اس منصوبے میں ناکام ہوں!"

میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "روشنگ کے ساتھ اس کی ماں بھی تو یہاں آئی تھیں؟"

"ہاں، وہ یہاں آنے کے ایک سال بعد ہی انتقال کر گئیں، وہ خود کو اس ماحول کا عادی نہ بنا سکیں۔"

میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، میں نے اوپر نظر جو اٹھائی تو پتہ چلا کہ خرمانی بھی رو رہی ہے۔

میں نے پوچھا۔ "تم کیوں رو رہی ہو خرمانی؟"

اس نے اپنی حالت پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی! بولی۔ "یہ خوشی کے آنسو ہیں!" پھر رک کر بولی۔ "میں نہیں چاہتی تھی کہ روشنگ کے ہوتے ہوئے تم اوترات لڑکی کو اپنے ساتھ رکھو۔"

مجھے اس بے مثل کردار کی لڑکی سے بہت زیادہ محبت محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے اچانک ایک عجیب سوال کیا۔ "کہو اب تم خرمانی کے لئے کیا فیصلہ کرو گے؟ کیا تمہیں اب بھی مجھ سے محبت ہے؟"

اس کا جواب بہت مشکل تھا۔ پھر بھی آنکھیں بند کر کے منہ کھول دیا۔ "مجھے تم سے بھی محبت ہے خرمانی!"

"پاگل، احمق، بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم ایک وقت میں دو لڑکیوں سے محبت کرو۔"

میں نے جواب دیا۔ "یہ بات ممکن ہو یا ناممکن، لیکن سچ ضرور ہے اب میں تمہیں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

خرمانی نے کہا۔ "بکواس، فضول باتیں، اب تمہیں فوراً ہی یہاں سے چلا جانا چاہئے۔"

"کہاں؟"

"ہرات!"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ اب یہاں مزید رکنا بے کار اور خطرناک ہے میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتی، تم بے احتیاطی میں ضرور کوئی ایسا قدم اٹھا سکتے ہو جس سے تمہاری اور روشنگ کی جانیں ہلاکت میں پڑ جائیں!"

میں نے لاکھ لاکھ اپنی احتیاط پسندی اور محتاط روی کا یقین دلانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانی۔ میں اسے یہ بات کس طرح بتاتا کہ اب میرے دل میں روشنگ سے زیادہ خود اس کی محبت کار فرما تھی۔

اس نے کہا۔ "تم فکر نہ کرنا، تم ہرات میں روشنگ کا انتظار کرنا، میں اس کو کسی بھی طرح بھیج دوں گی!"

میں نے جواب دیا۔ "لیکن یہاں سے جا ہی کون رہا ہے، میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ اپنی پوری زندگی یہیں قراقرم میں گزار دوں گا۔"

"ابھی تم یہاں کے رسم و رواج سے اچھی طرح واقف نہیں ہوئے، بس یہ سمجھ لو کہ کسی وقت اور کسی بھی لمحے تم یہاں کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہو۔"

لیکن اس وقت میری سمجھ میں اس کی باتیں نہیں آئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

میں برابر اس کوشش میں رہا کہ کسی بھی طرح ایک بار میں روشنک کو اور دیکھ لوں لیکن خیرمانی نے میری درخواست مسترد کردی اور یہی ضد کرتی رہی کہ میں قراقرم سے جلد از جلد نکل جاؤں۔

ایک دن اس نے اپنے بچے سے بھی میری ملاقات کرادی، وہ بالکل منگول تھا۔ آنکھیں، جبڑے، کان اور سر سب کچھ منگولوں ہی جیسا تھا۔ اسے سینے سے چمٹا کر کہنے لگی۔ ”اب تو میں اس کے سہارے زندہ ہوں، صرف اس کے لئے، یہ میرا منا بڑا ہو کر بڑا فرد بنے گا، یہ میرا دل کہتا ہے، اسی لئے میں اس کو قراقرم میں رکھنا چاہتی ہوں، یہ فاتحین کی بستی ہے اس بستی کے سوا جو کچھ ہے مفتوحین کا ہے!“

اس دن مجھے اس کا صحیح اندازہ ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو کس قدر چاہتی ہے۔

بڑی دیر سے بادل گھر گھر کر آرہے تھے، میں بارش سے پہلے ہی اپنے یورت میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ یورت میں اودنات لڑکی تنہا تھی، لیکن خیرمانی نے مجھے روک رکھا تھا کہ بارش ہونے ہی والی ہے، جب یہ ہو چکے، میں چلا جاؤں، اور ذرا دیر بعد واقعی موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش کے ساتھ دم بدم زور دار رعد سے بجلی چمکتی اور بار بار اس کا کڑکا ہوتا۔ منگولوں کا بہت برا حال ہوگا کیونکہ میں نے سن رکھا تھا کہ وہ بجلی اور اس کے کڑکے سے بہت ڈرتے ہیں۔ تقریباً نصف ساعت زوردار بارش ہوتی رہی، یکایک اتنی شدت سے بجلی کڑکی کہ خیرمانی نے بچے کو اپنے سینے سے لگا کے انگلیاں کانوں میں دے لیں۔ میں نے بجلی کو زمین کی طرف آتے دیکھا تھا اور مجھے یقین تھا کہ بجلی کہیں قریب ہی گری ضرور ہے۔

جب پانی رکا اور بادلوں کا گرجنا اور بجلی کا چمکنا موقوف ہوا تو شاید سارے ہی منگول اپنے اپنے یورتوں سے باہر آگئے اور اس سمت چل پڑے جدھر بجلی گری تھی۔

خیرمانی نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ ”معلوم نہیں وہ کون بدقسمت ہے جس پر جاودانی نیلے آسمان کا یہ قہر نازل ہوا ہے!“

میں اس کا مطلب نہیں سمجھا، اس سے پوچھا۔ ”بجلی کدھر گری تھی؟“

میں نے اس طرف اشارہ کر دیا۔ ادھر ہی میرا یورت بھی تھا۔ بولی۔ ”خدا خیر کرے، تمہارا یورت بھی تو اسی طرف ہے!“

”ہاں مگر کیوں؟“

وہ کہنے لگی۔ ”بجلی جس یورت پر بھی گری ہوگی وہ راندۂ درگاہ قرار پائے گا، یہ منگول اس شخص یا خاندان کو نہایت منحوس سمجھتے ہیں جس پر یہ آسمانی قہر نازل ہو۔“

اب تو میں بھی سہم گیا اور ڈرا کہ کہیں وہ میرے ہی یورت پر نہ گری ہو۔

دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں سے جب میں اپنے یورت کے قریب پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ بہت سارے منگولوں کے محاصرے میں ہے۔ بجلی اسی پر گری تھی، میں نے لوگوں کو ہاتھوں سے ادھر ادھر ہٹانا چاہا تو ان میں سے کچھ نے مجھے پہچان لیا اور بدک کر دور ہو گئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہر شخص مجھ سے دور بھاگنے لگا۔ میں ان کی نظر میں منحوس انسان تھا۔ ایسا منحوس انسان، جس پر نیلے آسمان کی جاودانی قوت نے اپنا جلال بھیجا تھا۔

میں ڈرا سہما یورت میں داخل ہوا۔ مجھے اودنات لڑکی کا خیال آرہا تھا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے کس طرح روشنی حاصل کی، یہ کچھ میرا ہی دل جانتا ہے کیونکہ وہاں کا ہر شخص مجھ سے نفور اور خوفزدہ تھا۔ جب میں موم کی شمع لے کر اندر داخل ہوا تو وہاں ایک چوکی پر جھلسی ہوئی اودنات لڑکی دکھائی دی، میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں اس کے سرہانے بیٹھ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔

علی الصباح خاقان کا آدمی آیا اور مجھے بلا لے گیا۔ اس دن مجھے خاقان کے یورت میں داخلے کی اجازت بھی نہ مل سکی، خاقان چند ترجمان باشیوں اور ترخانوں کے ساتھ یورت کے دروازے پر موجود ہوا اور افسوسناک لہجے میں بولا۔ ”افسوس کہ تو نے خانوں کے بچوں کو پڑھایا لکھایا ہے اور تو وہی ہے جسے ایک بار نیلے آسمان کی جاودانی قوت نے موت کے منہ سے بچایا تھا لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ اب آسمانی دیوتا تجھ سے ناراض ہو چکے ہیں اور رات تیرا یورت جلال آسمانی سے جھلس گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ ابھی ہمیں نہیں معلوم، لیکن میں نے سنا ہے کہ تو نے اودنے خان کی بیوی سے دوستی کر رکھی ہے، میرے آدمی تحقیقات کر رہے ہیں، اگر کوئی ایسی ویسی بات ثابت ہو گئی تو تو خیرمانی کے ساتھ ہی ہلاک کر دیا جائے گا۔ ورنہ تجھے دو دن کے اندر ہی یہاں سے چلا جانا ہے۔“

میں خاموش رہا۔ اوغدائی نے چپ رہ کر میرے جواب کا انتظار کیا، پھر پوچھا۔ ”تجھے کچھ کہنا ہے؟“

میں نے جواب دیا۔ ”خاقان کے حکم کی تعمیل مجھ پر واجب ہے، میں دو دن کے اندر ہی قراقرم سے چلا جاؤں گا۔“

اوغدائی نے پوچھا۔ ”تجھے کسی چیز کی ضرورت ہے؟“

میں نے نفی میں گردن ہلا دی، لیکن خاقان نے میرے انکار کے باوجود سونے کی ہیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

سلائیں مجھے عنایت کیں اور کہا۔ "تو غریب تاجر ہے یہ سلائیں تجھے اس لئے دی جا رہی ہیں تاکہ اپنے وطن جا کر یہ نہ کہہ سکے کہ خاقان بخیل تھا اور اس کے گھر میں تاجروں کی قدردانی نہیں ہوتی۔"

اب میں خرمانی سے کس طرح مل سکتا تھا۔ میں نے اپنا سامان سمیٹا۔ عباس بھی آیا اور پیش آنے والے سانحے پر افسوس کا اظہار کیا۔ میں نے پوچھا۔ "تم کب چلو گے؟" کہنے لگا۔ "میں ابھی رہوں گا!"

میں سمجھ گیا کہ یہ ضرور کسی چکر میں پڑ چکا ہے اور کسی نہ کسی دن میری ہی طرح ذلیل کر کے نکالا جائے گا۔

خاقان کے آدمیوں نے خرمانی اور میرے معاملے کی تحقیقات کی اور ہمیں بے گناہ قرار دیا۔

جب میں قراقرم سے رخصت ہوا تو خرمانی کے سوا کوئی بھی میرے پاس نہ آیا۔

خرمانی نے کہا۔ "جنید! میری بات یاد رکھنا، تم شادی میں عجلت سے کام نہ لینا۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ روشنک کو ضرور بھیج دوں گی۔"

میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "خرمانی! اب مجھے روشنک سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے، تم معلوم نہیں کیوں میری بات نہیں سمجھتیں!"

"بکواس! تم پاگل ہو گئے ہو، ہاں تو وعدہ کرو کہ تم شادی میں عجلت سے کام نہ لو گے؟"

میں نے وعدہ کر لیا۔ تب کہیں اس نے جانے کی اجازت دی۔

ایک چھوٹا سا قافلہ قرہ خطائی کی طرف جا رہا تھا، میں بھی اسی میں شامل ہو گیا۔ میں نے کئی بار پلٹ پلٹ کر دیکھا، خرمانی آنکھوں پر ہاتھ رکھے مجھے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

اس وقت میں تاجر تھا۔ جب میں نے اپنے نفع نقصان پر غور کیا تو پتہ چلا خسارے کے سوا کچھ بھی نہیں ملا۔

قرہ خطائی سے ذرا پہلے شاہراہ ریشم کے آس پاس اوغدائی کا چھوٹا بھائی تولی اپنے عظیم لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ وہ کسی علاقے کو فتح کر کے آ رہا تھا۔ میرے پاس پانی کم پڑ گیا۔ میں ان کے لشکر میں پہنچا اور بے تکلفی سے پانی مانگنے لگا۔ میں نے جس

شخص سے پانی مانگا تھا وہ اپنے تھیلے الٹ کر کسی شے کی گنتی کر رہا تھا۔ میں اس کے اور زیادہ قریب پہنچ گیا، وہ حقیقتاً انسانوں کے کٹے ہوئے کانوں کا ڈھیر لگا رہا تھا۔ میں پانی مانگنا بھول گیا۔ اس سے پوچھا۔ "یہ کان کس کے ہیں؟" "دشمن کے!" یہ کہہ کر وہ کانوں کی گنتی کرنے لگا۔

جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے کہا۔ "دراصل ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہماری قوم جب دشمنوں پر فتح حاصل کرتی ہے، اور ہم ان کے مقتولوں کی گنتی کرنا چاہتے ہیں تو ہم لوگ ان کے داہنے کان کاٹ لیتے ہیں پھر اطمینان سے ان کی گنتی کرتے رہتے ہیں۔"

میں نے کسی نہ کسی طرح اس سے پانی لیا اور وہاں سے چلا آیا۔

جب میں ہرات میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا، احمد تاجر آنے والے تاجروں میں مجھے اور عباس کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، میں اس سے چمٹ کر بہت رویا۔

احمد نے عباس کی بابت سوالات کئے میں نے احمد تاجر کو پورا واقعہ سنا کے کہا۔ "اس نے تو میری جان لینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی لیکن قسمت تھی جو بچ گیا۔"

احمد تاجر نے بے چینی سے پوچھا۔ "لیکن وہ واپس کیوں نہیں آیا؟"

میں نے جواب دیا۔ "کسی جگہ دل لگا بیٹھا ہو گا۔"

تاجر نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "ہاں تیری بات درست ہی ہو گی، کچھ اور لوگوں نے بھی مجھے یہی بات بتائی تھی۔" اس کے بعد اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں آنسو آ گئے بولا "بس خدا ہی کا خیال تھا، اگر وہ نہیں آتا تو نہ آئے مجھے بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں یہ کیا کم ہے کہ تم آ گئے۔ اب تم ہی میرے لئے سب کچھ ہو!"

میں خاموش رہا۔ میں اس سے یہ کہہ سکتا تھا کہ للہ مجھ سے کوئی غلط توقع نہ لگانا کیونکہ میں بھی کسی کا پابند ہوں اور مجھے بھی کسی کا انتظار کرنا ہے۔ لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

میں نے اس وقت تک ہرات ہی میں رہنے کا منصوبہ بنایا جب تک روشنک آ نہیں جاتی تاجروں کے قافلے ادھر ادھر آتے جاتے رہتے لیکن میں پتھر کی طرح ہرات ہی میں پڑا رہا۔ میں نے بتدریج احمد سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ وہ اس تبدیلی پر حیران تھا، وہ پوچھتا تھا کہ آخر مجھے ہو کیا گیا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

میں جب بھی یہ خبر پاتا کہ چین کی عظیم تجارتی سڑک، شاہراہ ریشم سے کوئی قافلہ آ
ہے، میں پڑاؤ پہنچ جاتا اور روشنگ کو تلاش کرتا رہتا لیکن پھر ناکام واپس آتا۔ اسی طرح تو
آٹھ ماہ گزر گئے۔ ایک دن مغرب سے ذرا پہلے ہرات کی سرائے کا آدمی میرے پاس آیا اور بتا
کہ چین کے شمال سے ایک عورت آئی ہوئی ہے اور مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ
روشنگ ہی ہوگی۔ فرطِ خوشی میں بھاگا بھاگا سرائے پہنچا۔ جب میں سرائے کی کوٹھری میں داخل ہو
تو تھوڑی دیر کے لئے مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ سامنے روشنگ کی جگہ خرمانی بیٹھی ہو
تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"خرمانی یہ تم؟"

وہ بہت افسردہ اور ملول تھی۔ صحت بھی گر چکی تھی۔ تھوڑی دیر تک ڈبڈبائی
آنکھوں سے اس نے مجھے دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر مجھ سے چمٹ گئی۔ "انہوں نے میرا بچہ
چھین کر مجھے نکال دیا جنید!"

میں نے بھی اسے پوری طاقت سے چمٹا لیا اور آہستہ آہستہ اس کی پشت پر ہاتھ
پھیرتا رہا۔ میں نے کہا۔ "تم مت رو خرمانی، مجھے تمہاری ہی ضرورت تھی، مجھے تمہارا ہی انتظار
تھا۔ آج میں بہت خوش ہوں۔"

ہم دونوں اسی طرح کچھ دیر تک ہم آغوش روتے رہے۔ اس کے بعد میں اسے
اپنے گھر لے آیا۔ پہلے میں اپنے گھر میں تنہا تھا اور گھر بھائیں بھائیں کرتا تھا خرمانی کے آنے
وہ آباد ہو گیا اور اس کے در و دیوار مسکرانے لگے۔

رات دیر تک ہم دونوں باتیں کرتے رہے۔ خرمانی نے مجھے جو داستان سنائی وہ
بڑی افسوسناک تھی۔ خرمانی کو اس جرم میں کہ وہ آسمانی جلال کے معتوب انسان کو پ
تک رخصت کرنے کیوں گئی، بڑی اذیتیں دی گئیں۔ اس کا سماجی قطع تعلق ہوا، اس کے بچے
کو اس سے دور رکھا گیا اور آخر اسے مجبور کیا کہ وہ قراقرم چھوڑ کر کہیں بھی چلی جائے۔ اسے
اس مصیبت میں، میں یاد آیا۔

میں نے پوچھا۔ "روشنگ کا کیا حال ہے؟"

خرمانی نے جواب دیا۔ "اس نے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن پکڑ
گئی اور اس کے سر میں کیلوں سے لاتعداد سوراخ کر کے جھیل میں ڈبو دیا گیا۔"

مجھے جھرجھری آ گئی اور معلوم نہیں کیوں مجھے اس خبر سے صدمہ نہیں پہنچا۔

میں نے عباس کی خیریت پوچھی تو کہنے لگی۔ "یہ بات میں اب تمہیں بتاتی ہوں کہ

روشنگ ہی تو تھی جس کی وجہ سے عباس وہاں رکا ہوا تھا۔ سامان تجارت کی خریداری کے
دوران ایک کا دوسرے سے سامنا ہو گیا تھا۔ پھر عباس اس کے گرد چکر لگاتا رہا۔ لیکن یہ میں
وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ خود روشنگ عباس پر ملتفت نہ تھی، وہ عباس کے ساتھ فرار
ہو کر اس ماحول سے نکلنا ضرور چاہتی تھی، چنانچہ روشنگ کے ساتھ عباس کو بھی موت کی
سزا بھگتنا پڑی۔"

اسی لمحے مجھے یاد آیا کہ جس رات میں نے روشنگ کو خرمانی کے ہاں دعوت میں دیکھا
تھا عباس کو بھی پوست کے باہر ٹہلتے ہوئے پایا تھا۔

میں نے خرمانی سے شادی کر تو ضرور لی لیکن اس کے بعد مجھے جن اذیتوں اور دکھوں
کا سامنا کرنا پڑا وہ بڑا ہولناک ہے۔ وہ ہر وقت اپنے بچے کو یاد کرتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی تو
یہاں تک پاگل پنے کا دورہ پڑتا ہے کہ غصے میں یہ کہنے لگتی ہے کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے میں
کتنی خوش تھی لیکن یہ تم ہو جس نے مجھے اپنے بچے سے جدا کر دیا اور یہ تم ہو جس نے مجھ سے
قراقرم چھڑوا دیا۔ مجھے گھر سے بے گھر کیا۔"

میں اسے ہر طرح یہ سمجھانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں کہ تمہارا گھر قراقرم میں تھا، خوارزم
اور نیشاپور یا فارس میں ہو سکتا ہے؟

لیکن وہ میری کوئی بات نہیں مانتی۔ میں نے سوچا تھا کہ جب اس کے ایک ... بچہ
ہو جائے گا تو اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ آ جائے گا لیکن اب جبکہ وہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا
پیدا کر چکی ہے اپنے منگول بچے کو برابر یاد کرتی رہتی ہے اور اس کے دل میں یہ بات پتھر کی
لکیر کی طرح جم گئی ہے کہ اس کا بیٹا جوان ہو کر خاقان ضرور بنے گا اور ایک نہ ایک دن وہ سارا
علاقہ جو منگولوں کی فتوحات سے بچا ہوا ہے، اس کا خاقان بیٹا اسے بھی فتح کرے گا اور اس
وقت وہ ایک بار پھر قراقرم واپس جائے گی، خرمانی کی حیثیت سے نہیں، خاقان کی ماں کی
حیثیت سے، جس کی پورا الدور تومان باشی، ترخان، ارغان اور شامان وغیرہ عزت و تکریم کرتے
ہوں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

بزورِ شمشیر

شہر کے نامی گرامی اوباشوں اور لفنگوں نے نوعمر اور ناتجربہ کار شہزادے میراں حسین کو چٹکیوں میں اپنا بنا لیا۔ یہ شہزادہ احمد نگر کے حکمران مرتضیٰ نظام شاہ کا بیٹا اور چاند بی بی کا بھتیجا تھا خود اعتمادی سے محروم شکی اور مبالغے اور جنون کی حد تک مذہب کا دلدادہ مرتضیٰ نظام شہزادے کی تعلیم و تربیت پر کوئی توجہ نہ دے سکا تھا اور شہر کے چالاک اوباشوں کو یہ معلوم تھا کہ احمد نگر کے مستقبل کی حکمرانی میراں حسین کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے اس لئے انھوں نے اپنی چکنی چپڑی باتوں اور اعلیٰ درجے کی مصاحبت کے ذریعے شہزادے کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اب شہزادے کا عزیز ترین مشغلہ یہ تھا کہ شب و روز کا امتیاز کئے بغیر وہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر شاہی محلات سے نکلتا اور اپنے اوباش ساتھیوں کے ہمراہ گرد و نواح کو نشانہ بنایا کرتا جسے چاہتا تیر سے چھید کر خاک میں ملا دیتا اور کسی راہگیر کی شامت آ جاتی تو شہزادہ تلوار کے ایک ہی وار سے اسے زمین پر لٹا دیتا۔ لوگ اس سے اتنے زیادہ دہشت زدہ ہوئے کہ وہ جس راہ سے گزرتا دور دور آدمیوں کا پتہ نہ چلتا۔ وہ جب بے دردی کی حسرت آبادی میں پھرتا اور ویرانی اور سنسانی ہر قدم پر اس کی پیشوائی کو حاضر رہتی۔

باغِ نظام کے باہر کالے چبوترے پر اوباشوں کا مجمع تھا اور سامنے کے میدان میں شہزادہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ چوگان بازی میں مشغول تھا۔ وہ اپنے مشکی رنگ کے گھوڑے پر پانچ بار کوشش کر چکا تھا لیکن نشانے کی لکڑی کو نیزے سے اٹھانے میں ناکام رہا تھا۔ چہرہ گرد و غبار اور ناکامی کے تکدر سے دھندلا گیا تھا۔ اس کے اوباش مصاحب تماشائی ناکامی کی صورت میں بھی داد دے دیکر جھک جھک اور آگے نیچے ہو رہے تھے اور ہر بار یہی کہتے کہ اللہ نے چاہا تو حضور اس بار ضرور کامیاب ہوں گے!" شہزادہ مسلسل ناکامیوں سے تنگ آ کے ستانے کی خاطر کالے چبوترے پر آن بیٹھا۔ نشان دور کر کے تھوڑی دیر بعد وہ پھر گھوڑے کی پشت پر پہنچ گیا اور نیزے کی نوک سے نشانے کی لکڑی اٹھانے میں مشغول ہو گیا۔ اس بار اسے مسلسل سات بار ناکامیاں اٹھانا پڑیں۔ آٹھویں بار اس نے پھر کوشش کی لیکن ناکام گھوڑا دوڑائے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اسی وقت اس کے سامنے سے ایک نوجوان نے بھاگنے کی کوشش کی۔ وہ کہیں جا رہا تھا اور شہزادے کو سرپٹ گھوڑا بھگاتے دیکھا تو ایک طرف بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی۔ شہزادے کے گالوں پر خوشی کی سرخی دوڑ گئی۔ اس نے بھاگتے ہوئے نوجوان کا تعاقب کیا اور آخر لکڑی کے بجائے اس نوجوان کی پشت میں تیر پیوست کر دیا۔ نوجوان چیخ مار کر گر گیا۔ شہزادے کے ہاتھ سے تیر اچھوٹ گیا اور اس کا توازن بگڑ گیا کچھ دور جا کر وہ خود بھی گھوڑے سے گر گیا۔ مصاحبین آہ و زاری کرتے دوڑ پڑے اور شہزادے کو ہاتھوں پر اٹھایا۔ کالے چبوترے پر لائے اور دوستوں سے ہوا دے کر ہوش و حواس میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ کسی مصاحب نے خوشامدانہ کہا "شہزادے! مبارک ہو آخر یہ بار نشانہ صحیح بیٹھا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

شہزادے کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ آہستہ سے کہا: "تم لوگ بہت شکار کر کے میرے پاس لائے، اُس خوش قسمت کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں جس نے مجھے کامیاب اور کامران کیا!"

مصاحبین تیر کی طرح بھاگ کے اس زخمی کو بھی شہزادے کے پاس لے آئے۔ اس کی مسیں بھیگ چلی تھیں، خوبصورت اور غیر معمولی دلکشی کا مالک نوجوان جان کنی کا عذاب جھیل رہا تھا۔

شہزادے نے مسکراتے ہوئے پوچھا: "تمہاری کوئی آخری خواہش؟"

دم توڑتے نوجوان نے اٹک اٹک کے بدقت تمام جواب دیا: "میں چنگیز خان کا بیٹا ہوں، وہ چنگیز خان جو کبھی بادشاہ کا مقرب خاص اور اس کے سیاہ و سفید کا مالک ہوا کرتا تھا اور جس نے بادشاہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر جانتے بوجھتے سقراط کی طرح زہر کا پیالہ پی کے خود کو ہلاک کر دیا تھا!"

"اچھا!" شہزادہ کھلکھلا کے ہنس دیا: "تمہارے باپ نے میرے باپ کی خاطر جان دی تھی اور میری خوشنودی پر جان تم دے رہے ہو۔ خوب! اقبال مند بادشاہوں کے نمک خوار ایسے ہی ہوا کرتے ہیں" پھر ذرا رک کے پوچھا: "کوئی آخری خواہش؟"

جاں بہ لب نوجوان نے کراہتے ہوئے کہا: "پہلے اپنا تیر میری پشت سے نکال لیں!"

شہزادے نے بڑی بڑی مونچھوں اور بکھرے بالوں والے پست قامت مصاحب کو حکم دیا: "اس کا تیر کھینچ کر نکال لیا جائے!"

مصاحب نے آگے بڑھ کے اوندھے منہ لیٹے ہوئے نوجوان کی پشت پر اپنا پیر رکھ کر دونوں ہاتھوں کا زور لگا کے تیر کھینچ لیا۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور ایک دلدوز چیخ سے میدان گونج گیا۔ نوجوان بے ہوش ہو گیا۔

شہزادے نے مصاحبین کو حکم دیا: "تھوڑی دیر بعد جب یہ مر جائے تو اس کی لاش اس کے گھر پہنچا دی جائے۔ اس کے بعد میں خود اس کے گھر جاؤں گا اور اس کے ورثا کو کچھ دے دلا کے خوش کرنے کی کوشش کروں گا!"

پست قامت مصاحب نے تقریباً کان میں سرگوشی سے عرض کیا: "حضور والا! یہ خاکسار مرنے والے کے ورثا سے خوب اچھی طرح واقف ہے، ان میں ایک ساحرہ بھی ہے یعنی اس نوجوان کی بہن۔ اس کے حسن سے ... اگر حضور وہاں تشریف لے جائیں تو جیب میں مروارید کی ایک تسبیح ضرور لیتے جائیں اور ... کا ورد فرماتے رہیں!"

شہزادے کے دل میں گدگدی سی ہونے لگی جیسے بچپن ہو کے اوباشوں کے لہجے میں کہا: "... دور دمیں کیوں لے نگا؟ اگر وہ ساحرہ ہے تو میں ساحرانہ میں اس سے بچنا چاہتا ہوں اور نہ وہ مجھ سے بچ سکے گی۔"

شہزادہ میران حسین دوپہر تک اوباش مصاحبین کے نرغے میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ اس دوران شہزادے نے کسی راہ گیر کو شکار بنا لیا، کسی کے کان کتر لیے، کسی کی ناک ... کر دی

وقت میں تیرے کی انی موجودی اور اپنی ہر حرکت پر زور زور سے قہقہے لگاتا رہا۔ ان قہقہوں میں مصاحبین بھی شریک تھے۔ دوپہر کے کھانے میں مصاحبین بھی شریک طعام تھے۔ کھانے کے دوران ہی بادشاہ کا منہ چڑھا مصاحب خاص صاحب خان حاضر ہوا اور ایک متکبرانہ شان سے کھڑا ہو گیا۔ شہزادے کے ایک مصاحب نے کنکھیوں سے صاحب خان کو دیکھا اور آہستہ سے شہزادے کو آگاہ کیا۔ دل میں کچھ کھٹکا۔

شہزادے نے نوالہ چباتے ہوئے سر اوپر اٹھایا اور صاحب خان سے پوچھا: "اس بے وقت حاضری کا مقصد؟"

صاحب خان نے مٹھی میں دبے ہوئے کاغذ کی جھلک دکھا کے عرض کیا: "غلام نے اسے بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیا، اگر پہنچ جاتا تو قیامت آ جاتی اور بادشاہ حضور کے ساتھ معلوم نہیں کیا سلوک کرتے!"

چالاک شہزادہ سب کچھ سمجھ گیا۔ کھڑے ہوئے مصاحبین سے کہا: "تم لوگ کھاتے رہو، مجھے صاحب خان سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں!"

مصاحبین نے قدرے جھجک کا اظہار کیا لیکن پھر کھانے میں مشغول ہو گئے۔ صاحب خان شہزادے کو ایک کونے میں لے گیا اور مٹھی کا کاغذ شہزادے کے حوالے کرتے ہوئے کہا: "ناچیز نے اسے آگے نہیں جانے دیا، اب آپ جانیں اور آپ کا کام!"

شہزادے نے کاغذ پڑھا۔ یہ چنگیز خان کی بیوہ گلزار نامی کا تھا جو جوان بیٹے کی موت پر بادشاہ کے نام شکایت لکھی گئی تھی۔ خط پڑھ کے شہزادے نے اسے پھاڑ دیا اور کہا: "صاحب خان! میں ولی عہد ہوں اور ایک دن ولی عہد کو کیا اپنی رعایا کے جان و مال پر تصرف کا کوئی حق نہیں ہوتا؟"

صاحب خان نے جواب دیا: "بالکل ہوتا ہے لیکن حضور کو تو معلوم ہی ہے کہ بادشاہ سلامت ... ہیں اور وہ معاملات حکومت میں دخل نہیں دینا چاہتے!"

شہزادے نے پوچھا: "اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

صاحب خان نے جواب دیا: "کھانا تو بیشک بہت دیر لیکن اس ناچیز کی عزت آبرو کا ضرور خیال رکھیں۔ آخر کب تک اس قسم کی درخواستیں اور فریادیں بادشاہ تک نہ پہنچنے دوں گا!"

شہزادے نے صاحب خان کا مطلب سمجھ لیا اور جواب دیا: "میں جلد ہی رشوت تمہارے پاس بھجوا دوں گا اور تم اس کی سفارش پر اپنی روک تھام جاری رکھنا!"

صاحب خان نے پہلی قسط اسی وقت وصول کی اور کہا: "حضور! اگر مناسب سمجھیں تو چنگیز خان کی بیوہ کے پاس ضرور چلے جائیں کیونکہ اگر اسے راضی رکھنے کی کوشش نہ کی گئی تو وہ کبھی نہ کبھی دوسری درخواست بادشاہ کی خدمت میں پہنچ جائے گی اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بادشاہ سلامت کس مزاج کے آدمی ہیں!"

شہزادہ گھبرا گیا۔ پہلے اس کا ارادہ تھا کہ وہ مقتول کے گھر رات کو جائے گا لیکن صاحب خان کی بات چیت کے بعد اس فیصلے کو بدلنا پڑا اور وہ مغرب سے پہلے ہی مقتول کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کہرام برپا تھا اس وقت تک مقتول کی تجہیز و تکفین ہو چکی تھی اور خاندان کے چند افراد کے سوا سب اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے شہزادے کو سامنے دیکھ کر سبھی ادب سے کھڑے ہو گئے۔ ان میں شہزادے کو ایک شکل شناسا نظر آئی۔ یہ فتحی شاہ مصاحب خاص بادشاہ تھا نہایت حسین و جمیل، نہایت متناسب اور ترشے ہوئے جسم کا مالک۔ شہزادے کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بادشاہ جن لوگوں پر بہت مہربان رہتے ہیں ان میں فتحی شاہ کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ فتحی شاہ شہزادے کو اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹھر گیا۔ یہی حال خود شہزادے کا تھا۔ اسے گمان گزرا کہ فتحی شاہ شاید مقتول کی ماں کی فریاد پر بادشاہ کا بھیجا ہوا یہاں پہنچا ہے۔ فتحی شاہ شہزادے کے آگے ذرا جھکا اور ادب سے عرض کیا "یہ بہت اچھا ہوا جو حضور خود تشریف لے آئے۔ شدتِ رنج اس قتل کے سلسلے میں جو کچھ کہتے پھر رہے ہیں، اس خاکسار کو ان پر یقین نہیں آتا۔"

شہزادے کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور اسے یقین سا ہو گیا کہ اس کی شکایت بادشاہ تک ضرور پہنچ چکی ہے۔ اس نے جواباً افسوس کا اظہار کیا۔

"میں مقتول کی ماں سے معافی مانگنے آیا ہوں اور یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھ سے یہ جو کچھ بھی ہوا غلطی سے ہوا ہے اور اپنی اس غلطی کا تاوان زندگی بھر چکاتے رہنے کا وعدہ کرتا ہوں!"

فتحی شاہ اندر کی طرف جاتا ہوا بڑبڑایا "یہ بات ہے تو آپ میرے ساتھ آئیے، بادشاہ اور شہزادوں سے یہ وعدہ نہیں کیا جاتا، اچھا ہے یہ باتیں جو ابھی آپ نے مجھ سے کہی ہیں چل کر مقتول کی ماں سے کہہ دیں شاید اسے صبر آ جائے!"

یہ کسی معمولی شخص کا گھر نہیں تھا، چنگیز خان کا چھوٹا سا محل تھا، وہ چنگیز خان جو کبھی احمد نگر کا سب سے اہم شخص تھا اور جسے بادشاہ کے مزاج میں سب سے زیادہ رسوخ حاصل تھا۔ اندر زنان خانہ حصے کے صحن پار ایک دلکش خوب صورت باغیچہ تھا، دیوان کے سہرے پر چاندنیاں بچھی تھیں اور ان چاندنیوں پر ادھر ادھر کئی گاؤ تکیے رکھے تھے، بیچ میں ایک حوض سے متصل بھی چھوٹی چاندنی پر مختلف عمر کی خواتین گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھی تھیں۔ فتحی شاہ کا اندر جانے کا شاید یہ جواز تھا کہ اسے گھر میں رسائی حاصل ہے۔ فتحی شاہ کے ساتھ ایک اجنبی نوجوان کو آتا دیکھ کر خواتین بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور چادروں اور ہاتھوں سے اپنے چہرے چھپانے لگیں۔ چند اونچے اونچے درختوں کے پیچھے چلی گئیں اور ایک غمزدہ ادھیڑ عمر کی سنجیدہ خاتون اپنی جگہ پر ہی اور سر جھکائے بیٹھی رہیں۔

فتحی شاہ کے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہو کر غائب ہو گئی۔ اس نے بآواز بلند خواتین کو مخاطب کیا: "معزز خواتین! شہزادے میراں حسین مقتول کی تعزیت کو تشریف لائے ہیں، آپ سے بے حد مہربانی کرم اپنی اپنی جگہوں پر واپس تشریف لے آئیں۔"

پہلو میں گری ہوئی خاتون تلملا کر اٹھ بیٹھیں اور خونخوار نظروں سے شہزادے کو گھورا۔ دوسری خواتین بھی باری باری اپنی جگہوں پر واپس آ گئیں، شہزادے کی نظریں ان ہی

کو تلاش کر رہی تھیں جس کا وہ حلیے سے ذکر سن رہا تھا۔ اسی وقت ایک شراب و شباب کا ذخیرہ تا پیکر غمزدہ خاتون کے پہلو میں جا بیٹھا۔ فتحی شاہ نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "شہزادے! یہ خاتون چنگیز کی بیوہ اور مقتول کی ماں ہیں!" اور پھر پہلو میں بیٹھی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اور یہ چنگیز خان کی بیٹی اور مقتول کی بہن مونسہ خاتون ہیں!" پھر شہزادے سے جو بات چیت ہوئی تھی، اسے ان خواتین کے سامنے دہرا دیا۔ آخر میں کہا "شہزادے کو اس سانحے کا دلی دکھ ہے لیکن اب وہ [illegible] سکتے ہیں! انہوں نے اس ناچیز سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ زندگی بھر اپنی اس غلطی کا تاوان چکاتے رہیں گے!"

ناراض اور غمزدہ خاتون غصے میں شہزادے کے قریب پہنچ گئیں اور بلک بلک کر رونے لگیں: "تمہاری حیثیت احمد نگر کی رعایا میں باپ جیسی ہے، کیا باپ اپنے بیٹوں کو اسی طرح قتل کر دیا کرتے ہیں؟"

لیکن مونسہ خاتون نے ماں کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، بولی: "ماں! اب اس ذکر کو بار بار نہ چھیڑیے ختم کیجیے!"

ماں نے دونوں ہاتھوں سے چھاتی کوٹ ڈالی، "میرے سینے میں آگ لگی ہے آخر کس طرح بجھے؟ دنیا میں لٹ گئی، میں تباہ ہو گئی، میں برباد ہو گئی مجھے صبر کس طرح آ سکے؟"

شہزادہ بے دھڑک مونسہ کے قریب پہنچ گیا۔ فتحی شاہ ہکا بکا رہ گیا۔ شہزادے نے بے تکلفی سے مونسہ کو مخاطب کیا "تم انہیں سمجھاؤ، میں اپنی غلطی پہ نادم و شرمسار ہوں، میں زندگی بھر تم دونوں کا بوجھ اٹھانے کو تیار ہوں!"

مونسہ نے ٹوٹے پھوٹے لہجے اور آواز میں ماں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہیں جتنا سمجھایا جاتا، وہ اسی قدر تیز آواز میں رونا شروع کر دیتیں۔ شہزادے نے ہاتھ کے اشارے سے مونسہ کو حوض کے اس پار چلنے کی دعوت دی۔ وہ شہزادے کی بات ٹال نہیں سکتی تھی، حوض کی آڑ میں شہزادہ بے تکلفی سے گھاس پر بیٹھ گیا لیکن مونسہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ شہزادے نے حسن و شباب کے اس شہ پارے کو اچٹتی نظروں سے دیکھا، مونسہ کا چہرہ اور زیادہ سرخ ہو گیا اور وحشت کے آثار زیادہ نمایاں ہو گئے

شہزادے نے دل کی گہرائی سے آواز نکالی، بولا: "مونسہ جب میں اپنی غلطی پہ نادم ہوں تو تمہاری والدہ مجھے معاف کیوں نہیں کر دیتیں؟"

مونسہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور سر جھکائے کھڑی رہی۔ فتحی شاہ دور کھڑا دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

شہزادے نے شوخی سے کہا "مونسہ اگر میں نے تمہیں پہلے دیکھ لیا ہوتا تو آج یہ خاندان اتنا سوگوار نہ ہوتا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

مونس نے کہا: "قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے اور پھر کیا آپ نے ایسا قصد کیا ہے؟"

شہزادہ گھبرا گیا، بولا: "نہیں ایسا تو نہیں بلکہ میرا مطلب یہ تھا کہ میں اسے اپنا بھائی بنا لیتا!"

مونس کچھ کہے بغیر جھجک سے بھاگ کر ماں کے پاس پہنچ گئی۔ فتحی شاہ نے ایک سرسری نظر شہزادے پر ڈالی اور مونس کو دیکھے بغیر لیکن تیکھے لہجے میں خبردار کیا: "مونس! احتیاط۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اسے تم کہے بغیر ہی سمجھنے کی کوشش کرو۔ دیوانے باپ کا ناخلف بیٹا! میں سمجھتا ہوں تمہارے لئے یہ اشارہ کافی ہوگا؟"

مونس نے آہستہ سے کہا: "مجھے کچھ سمجھاؤ مت۔ کیا میں شہزادے کی باتوں میں خواہ مخواہ آجاؤں گی؟"

شہزادہ آہستہ آہستہ مونس کے قریب پہنچ گیا۔ ایک شان بے نیازی سے کہا: "اچھا اب میں واپس جاؤں گا اور وعدے کے مطابق اپنی غلطی کا تاوان زندگی بھر ادا کرتا رہوں گا۔"

مونس نے آہستہ سے کہا: "شکریہ، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے یہی احسان بہت کافی ہے کہ شہزادے محترم جناب غریب خانے پر تشریف لائے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔"

"خوب! بہت خوب!!" شہزادے نے کہا: "مونس! تم نے مجھے ہر طرح متاثر کیا ہے۔ کیا تم مجھے دوبارہ حاضری کی اجازت دو گی؟"

مونس نے جواب دیا: "درست لیکن شہزادے کی جرأت تو آس پاس حکم احکام کی دیواریں بھی کھڑی کرتی رہی!"

مونس نے گھبرا کر فتحی شاہ کی طرف دیکھا۔ فتحی شاہ نے شہزادے کو دیکھ کر آنکھ کے اشارے سے مونس کو منع کیا کہ وہ انکار کر دے لیکن مونس اتنی ہمت نہیں کر سکی۔ مونس کی جگہ ماں کی آواز گونجی: "میں اپنے بیٹے کے قاتل کو اپنے گھر میں بار بار آنے کی اجازت ہرگز نہ دوں گی!"

فتحی شاہ کے چہرے پر شگفتگی آگئی لیکن شہزادہ جھنجھلا گیا۔ تمتما کر کہا: "یا احمد نگر کے والی کی ہستی جیسے اقتدار اور تسلط میں ہے پوچھ کر آ جانا محض اخلاقی ضابطے کی بات تھی ورنہ احمد نگر میں کون ہے جو مجھے کہیں آنے جانے سے روکنے کی جرأت رکھتا ہو!"

غصے میں پیچ و تاب کھاتا ہوا شہزادہ وہاں سے چلا گیا۔ جاتے وقت اس نے پیروں کو اتنی زور سے زمین پر پٹکا کہ مقتول کی ماں کے ساتھ سبھی چونک گئے۔ فتحی شاہ نے مونس سے کہا: "شہزادے کا اس گھر میں دوبارہ آنا اچھی بات نہیں ہے!"

"بہرحال پھر بھی" فتحی شاہ نے بے بسی سے کہا: "دیوانے بادشاہ کی بے اعتدال اولاد میں کب [illegible] تک [illegible] آنے کی۔ اور میں بار بار یہی کہوں گا احتیاط، احتیاط اور احتیاط!"

مونس کا جادو چل چکا تھا اور یہ ایسا خاموش اور مست اثر جادو تھا کہ شہزادے کو اس کی شدت کا احساس کچھ گھنٹوں بعد ہوا۔ یہ اثر اس چوٹ کی طرح تھا جس کی تکلیف اور اذیت کا اندازہ فوراً ہی نہیں ہو جاتا بلکہ وقت اور ساعتیں گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے درد کی لہر اپنی جگہ سے ابھر کر بتدریج پورے اعصاب جسمانی کو متاثر کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ مونس کے خیال میں نصف سے زیادہ رات گزار چکنے کے بعد معلوم نہیں کس طرح فتحی شاہ کا خیال آ گیا۔ فتحی شاہ کا کردار مشتبہ محسوس ہوتا تھا۔ اس کے مصاحبین بھی محل ہی کے ایک حصے میں آرام کر رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں اسے اپنا پستہ قامت مصاحب یاد آ گیا۔ کچھ سوچ کے اس نے بستر چھوڑ دیا اور خنجر [illegible] لے کر محل سے باہر نکلا۔ ایک خدمت گار کے ذریعے اپنے پستہ قامت مصاحب کو طلب کیا اور اسے ساتھ لے کر مونس کے گھر چل دیا۔

پستہ قامت مصاحب نے تشویش سے کہا: "حضور! چند سپاہی اپنے ساتھ لے لیں!"

شہزادے نے جواب دیا: "میں اس راز کو طشت از بام نہیں کرنا چاہتا!"

مصاحب نے [illegible] کہا: "[illegible] اگر دوبارہ مزاحمت کا سامنا ہو تو دو آدمی اس کا کس طرح مقابلہ کریں گے؟"

شہزادے نے جواب دیا: "ابھی عاشقوں کی طرح عشق کے پاس مردانہ وار جانے کا وقت نہیں آیا۔ پہلے میں اس سے اپنے تعلقات استوار کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد کوئی اور اقدام!"

سنسان اور خاموش فضا کتوں کے بھونکنے اور گیدڑوں کے رونے کی آوازیں دبا کر رہ گئیں۔ یہ دونوں تاریکی کی مدھم روشنی میں نظروں سے غیر معمولی کام لیتے ہوئے مونس کے مکان تک پہنچ گئے۔ مکان کی عقبی دیواریں ذرا اونچی تھیں اور اس حصے میں وہ باغیچہ تھا جہاں شہزادے کی مونس کے خاندان والوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ شہزادہ اپنے مصاحب کے ساتھ کمندوں کے ذریعے باغیچے میں اتر گیا۔ اس نے اپنے پستہ قامت مصاحب کو ایک نارنگی کے درخت کی جڑ میں بٹھا دیا۔ اس درخت سے ذرا آگے مہندی کی گھنی جھاڑی تھی۔ شہزادے نے کہا: "تم میری تالیوں پر گوش بر آواز رہنا!"

پستہ قامت خوف زدہ مصاحب نے ذرا اکتاہٹ سے کہا: "اگر بندہ حضور کی جگہ ہوتا تو یہاں اس طرح ہرگز نہ آتا بلکہ دو چار سو جان نثار ساتھ لے کر مقصود اٹھوا لیتا!"

شہزادے نے ہنس کر کہا: "ہاں ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان تھا لیکن اس میں وہ لذت کہاں جو میں مونس کو اپنے دست و بازو سے حاصل کر کے پاؤں گا!"

شہزادہ اپنے مصاحب کو وہیں چھوڑ کے کسی مزاحمت کے بغیر کمند کے ذریعے مکان کی چھت پر پہنچ گیا اور دبے قدموں صحن میں اتر گیا۔ یہاں اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کس کمرے تک پہنچنا ہے اور مونس کس کمرے میں ہو سکتی ہے؟ کئی کمروں کی کھڑکیوں سے اندر جلتے ہوئے چراغوں اور شمعوں کی روشنی چھن چھن کے صحن میں آ رہی تھی۔ شہزادے کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس نے احتیاطاً خنجر ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

لیے پیچھے ہٹا اس نے دیوار سے زمین پر کسی چیز کے گرنے کی آواز محسوس کی مگر پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک سوا سفید سا کالا سا ہونٹوں کے بیچ سے گزر کر ایک کمرے میں گھس گیا جہاں شہزادے نے اندازہ لگایا کہ یہ یقیناً مونسہ کا ہوگا اور یہ مونسہ کے کمرے ہی میں داخل ہوا ہوگا۔ یہ پنجوں کے بل چل کے اس کمرے کی کھڑکی کے ایک طرف کھڑا ہو کے دروازے سے اندر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اندر ایک تخت پر مونسہ کی ماں ایک بڑی سی موٹی شمع کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ اس سے ذرا فاصلہ پر ایک مسہری پر کوئی سو رہا تھا جو مونسہ کے علاوہ کوئی اور نہ ہو سکتا تھا۔ شہزادے کا دل یا شاید ذہن طرح طرح کے منصوبے بنانے لگا۔ کبھی سوچتا وہ اچانک اندر داخل ہو جائے اور خنجر کے پے در پے وار کر کے اس عورت کا کام تمام کر دے لیکن پھر اس کے نتائج سوچتا کہ اس طرح مونسہ کی محبت کیونکر حاصل کر سکے گا۔ مونسہ کے بھائی اور باپ کا قاتل اس کی محبت کا مستحق کس طرح قرار پا سکتا تھا؟ کافی غور و فکر کے بعد اس نے مفاہمانہ روش اختیار کی اور اس نے اس عورت سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سوچا اس مختصر سے گھر میں یہ دونوں تنہا تو نہیں رہتی ہوں گی۔ اس نے دبے قدموں چل پھر کے دوسرے کمروں کا بھی جائزہ لیا۔ ان میں سے بعض مقفل تھے اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کمروں کے مقابل ذرا فاصلے پر وہ بیٹھک تھی جس سے گزر کر وہ دن میں اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے سوچا شاید اسی بیٹھک کے کسی حصے میں وہ شخص رہتا ہوگا جس کے ذمے اس گھر کی چوکیداری ہوگی۔ اسی خیال کے ساتھ ہی ذہن میں ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ اب زندگی شہزادے کی نظر میں کوئی خاص قیمت نہ رکھتی تھی۔ وہ چپ چاپ سرکتے ہوئے چوکیدار کے سر پر پہنچ گیا اور اس کے سینے میں پوری قوت سے خنجر اتار دیا۔ خوف ناک چیخ نے رات کے سناٹے کو لرزا دیا۔ شہزادے نے پے در پے واروں سے چوکیدار کا کام تمام کر دیا۔ اس کی چیخ سن کر خاتون گھبرا گئی اور وہ خنجر لے کر سر بلند وار چوکیدار کی کوٹھری کی طرف دوڑ پڑی۔ مونسہ نے تیل کا دیا جھلملا جھلملا کے کوٹھری روشن کیے ہوئے تھا۔ شہزادہ کوٹھری سے نکل کے اسے کہیں جا چھپنے ہوئے غسل خانے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ خاتون خنجر لیے ہوئے چوکیدار کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کے پیچھے ہی نہایت پھرتی سے شہزادہ بھی اندر داخل ہو گیا اور اس نے خاتون کی کلائی مروڑ کے خنجر چھین لیا اور دوسرے ہی لمحے اس نے کوٹھری کو اندر سے بند کر دیا۔ خاتون نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کے کہا۔ "شہزادے یہ تم ہو؟"

شہزادے نے جواب دیا: "ہاں یہ میں ہوں اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ شور و غل مت کرنا۔ میں تم سے چند باتیں کر کے واپس چلا جاؤں گا۔"

خاتون نے شہزادے کو غصے اور نفرت سے گھور کر لہولہان مردہ چوکیدار کو دیکھتے ہوئے سوال کیا: "اسے کس نے ہلاک کیا ہے؟"

شہزادے نے مسکرا کر جواب دیا: "میں نے۔ اور صرف اس لیے کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو چوکیدار کی چیخ سن کر تم یہاں تک تنہا اور بے اختیار ہرگز نہ آتیں۔"

خاتون نے جوش میں آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن شہزادے نے روک لیا۔

بولا: "خاتون! میں اگر چاہوں تو تمہاری لڑکی مونسہ کو زبردستی اپنے حرم میں ڈال سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا!"

خاتون نے ضدی لہجہ میں کہا: "لیکن میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے بیٹے کے قاتل کے ہاتھ مونسہ کا ہاتھ ہرگز نہ دوں گی۔"

شہزادے نے بے زاری سے کہا: "ارے اس فضول منحوس مقتول کا ذکر بار بار کر کے تم میری دل آزاری کیوں کر رہی ہو؟"

خاتون نے کچھ سوچ کے نرم رویہ اختیار کیا، بولیں: "اچھا یہاں سے تو نکلو اور کمرے میں چلو۔ وہیں باتیں کی جائیں گی؟"

شہزادہ بے اختیار ہنس دیا، بولا: "تم کیا مجھے احمق بے وقوف انسان سمجھتی ہو کہ قابو میں آئی ہوئی شیرنی کو یوں آسانی سے رہا کر دوں گا؟" پھر پوچھا: "یہاں اور کون کون رہتا ہے؟"

خاتون نے نفرت سے جواب دیا: "پتہ نہیں!"

شہزادے نے کہا: "اتنے بڑے گھر میں کسی مرد کے بغیر رہنا عقلمندی تو نہیں!"

خاتون نے دل جلے لہجے میں جواب دیا: "عقلمندی کمزور کے پاس ہوتی ہی کہاں ہے۔ یہ تو بادشاہوں اور شہزادوں کے پاس ہوتی ہے۔ تم حکمران لوگ جو چاہتے ہو طاقت کے ذریعے حاصل کر لیتے ہو اور ہم کمزور لوگ عقل کی نعمت رکھنے کے باوجود مجبور اور بے بس رہتے ہیں!"

شہزادے نے کہا: "میں ایک اور جوا کھیلوں گا!" اس کے بعد خاموش رہ کے باہر کی سن گن لینے لگا۔ وہاں بالکل سناٹا تھا۔ باہر سے مطمئن ہو کے شہزادے نے کہا: "غالباً چوکیدار کی چیخ دوسروں کے کانوں تک نہیں پہنچی!"

اس کے بعد شہزادہ پھرتی سے باہر نکلا اور کوٹھری باہر سے بند کر کے زنجیر لگا دی۔ بولا: "خاتون تم یہیں رہو اور میری واپسی کا انتظار کرو!"

شہزادے نے اس کے بعد مونسہ کے کمرے کو باہر سے بند کر دیا اور اسی طرح باری باری تمام کمرے باہر سے بند کر دیے اور دوبارہ مونسہ کے کمرے کو کھول کے اندر داخل ہو گیا جہاں قرآن کھلا ہوا رکھا تھا اور مونسہ ابھی تک بے خبری کی نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہزادے نے واپس جا کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور دوبارہ پھر مونسہ کے قریب جا کھڑا ہوا اور بچے سے بے نیاز سینہ سا مونسہ کے وجود میں مبتلا تھا۔ زلفوں کی چند الجھی الجھی لٹیں آنکھوں سے گزر کے رخساروں سے ہوتی ہوئی سینے تک آگئی تھیں۔ اس کا ایک ہاتھ پیٹ پر رکھا تھا اور دوسرا پہلو میں پڑا تھا۔ شہزادہ کچھ دیر محویت سے مونسہ کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے بالوں کی ایک لٹ مٹھی میں لے کر ناک سے لگائی اور سانسیں اندر کھینچ کر سونگھنے لگا۔ پھر بے چینی میں خون کھولنے لگا اور دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ ضبط و احتیاط نے جواب دے دیا۔ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اس نے بے اختیار مونسہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے چومنے لگا۔ مونسہ چونک کے بیدار ہو گئی اور تھوڑی دیر تک مبہوت ہو کر اس شہزادے اور کمرے کو کچھ سمجھنے کے انداز میں دیکھتی رہی۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا دیکھ رہی ہے۔ موم بتی کی روشنی صبح کے ابھرتے سورج کی شعاع محسوس ہو رہی تھی لیکن دفعتہً اس نے کام کرنا شروع کر دیا اور اس نے شہزادے کو پہچان لیا۔ وہ گھبرا کے مسہری پر بیٹھ گئی اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی کہ اسے اغوا کر کے شہزادے کی خلوت گاہ میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اس نے دونوں گھٹنوں میں سینہ چھپا لیا اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کی گرفت میں لے کر ایک دوسرے میں پیوست کر لیے۔

اس نے گھبرا کے پوچھا: میں کہاں ہوں؟

شہزادے نے مسکرا کے جواب دیا: اپنے گھر میں!

"تم کہاں ہو؟"

"تمہارے گھر میں!"

مونسہ حیران پریشان ادھر ادھر اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔ شہزادے نے کہا: اپنی ماں کو دیکھ رہی ہو؟ افسوس کہ وہ ابھی یہاں نہیں آ سکیں گی۔ خود انھوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے!"

مونسہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے اور زیادہ سمٹنے کی کوشش کی۔ شہزادہ مسہری کے پاس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ مونسہ نے حیرا اور سراسیمہ ہیبت سے خوف زدہ لہجے میں پوچھا: لیکن اس وقت تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

شہزادے نے جواب دیا: صرف یہ جتانے کہ میں محض شہزادہ ہی نہیں ہوں، میں یہاں تک صرف اپنی جرأت اور قوت سے پہنچا ہوں۔ اب تمہیں اور تمہاری ماں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میں تمہیں جب چاہوں گا اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ مونسہ! میں ذرا مہم جو واقع ہوا ہوں اور اپنی جرأت سے ہر مشکل پر اپنی ذہانت اور حوصلے سے قابو پانے میں خوشی محسوس کرتا ہوں!"

مونسہ نے پھر پوچھا: ماں کہاں ہیں؟"

شہزادے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور سرشار لہجے میں کہا: اس بڈھی عورت کا بار بار نام لے کر میرے عاشقانہ جذبات کو سرد کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مونسہ! تم مجھ سے محبت کی باتیں کرو۔ پیار اور محبت کی باتیں۔ محبت سے کچھ عہد و پیمان لینے آیا ہوں۔ مونسہ! میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ میں تم پر اپنا سب کچھ نثار کر دینے کا عہد کرنے کو تیار ہوں؟"

مونسہ نے عاجز آ کے روتے ہوئے لہجے میں کہا: خدا کے لئے اس وقت تم یہاں سے چلے جاؤ اور دن کی روشنی میں آ کے باتیں کرو۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے!"

شہزادے نے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا اور سرشار لہجے میں بولا: پہلے وعدہ کرو کہ تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

مونسہ نے کہا: لیکن تمہاری شادی تو بیجاپور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ کی بہن سے ہو چکی ہے!"

شہزادے نے جواب دیا: ہاں ہو تو چکی ہے لیکن میری دلہن ابھی میرے پاس نہیں آئی۔ ابھی رخصتی کی رسم معلوم نہیں کب تک ادا کی جائے!"

مونسہ نے عاجزی سے کہا: شہزادے! خدا کے لئے تم میرا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ بیجاپور کے حکمران کی بہن کا اور میرا کوئی مقابلہ نہیں۔ اس کے مقابلے میں، میں خود کو ہمیشہ حقیر اور کمتر محسوس کرتی رہوں گی!

شہزادے نے جواب دیا: میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ایک دوسرے محل میں رکھوں گا!"

مونسہ نے بے بسی سے کہا: اچھا۔ لیکن اس وقت تو یہاں سے چلے جاؤ!"

شہزادے نے شرارت آمیز انداز میں کہا: لیکن تم وعدہ کرو کہ تم میری محبت کا جواب محبت سے دو گی؟

مونسہ نے کہا: محبت جبر اور زبردستی سے نہیں کی جاتی!"

شہزادے نے جھپٹ کر مونسہ کو آغوش میں لے لیا اور زبردستی بوس و کنار کرتا ہوا بولا: ظاہر ہے مجھے یہاں سے جانا تو ہے لیکن جانے سے پہلے میں تمہیں کسی اور کے لائق نہیں چھوڑوں گا۔ میں عورتوں کا قائل نہیں ہوں۔ اپنی محبوبہ اور دلہن کو سونے کی طشتری میں حاصل ہونے والا تحفہ نہیں بلکہ جبر و طاقت سے حاصل کرنے کا قائل ہوں!"

مونسہ نے شہزادے کے چنگل سے بچنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔ اس نے ناخنوں سے شہزادے کا منہ نوچنا شروع کر دیا۔ شہزادے نے منہ بچایا۔ اس نے شہزادے کے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ شہزادے کی گرفت ڈھیلی پڑی اور مونسہ نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن شہزادے نے پھر پکڑ لیا۔ اچھلتا ہوا بولا: اب تو میں تمہیں کسی قیمت پر بھی نہ چھوڑوں گا!"

مونسہ دونوں ہاتھوں سے شہزادے کے سینے پر ضربیں لگانے لگی!

ابھی دونوں میں یہ مقابلہ جاری تھا کہ مونسہ کا سفید بلا شہزادے پر جھپٹا اور اسے لہولہان کر دیا۔ شہزادے نے خنجر ہاتھ میں لے لیا اور بلے کو مار دینے کی کوشش کی لیکن وہ اچھل کے کھڑکی پر چڑھ گیا اور وہاں سے جست لگانے کی مہلت قائم کرنے لگا۔ شہزادے کو معلوم تھا کہ بلے کا اس قسم کا حملہ بہت خطرناک ہوا کرتا ہے۔ وہ گھبرا کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ مونسہ نے موقع غنیمت جانا اور کمرے کو فوراً اندر سے بند کر لیا۔

شہزادہ غصے میں بھرا دروازے کو پیٹتا رہا اور مونسہ کو برا بھلا کہتا رہا۔ اس نے کہا: مونسہ! تم یہ نہ سمجھو کہ اندر سے دروازہ بند کر کے تم مجھ سے محفوظ رہو گی۔ پہلے میں تمہیں اپنی دلہن بنانا چاہتا تھا لیکن اب میں تمہیں کنیز بنا کے رکھوں گا۔ میں ایک ضدی اور سرکش انسان ہوں اور مجھے نفرت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اور خفتے سے رام نہیں کیا جا سکتا!"

یہ کہتے کہتے اس نے کئی لاتیں دروازے پر رسید کیں اور جب یہ محسوس کیا کہ اب مونس تک پہنچنا ناممکن ہے تو غصے میں خنجر ہاتھ میں لیے چوکیدار کی کوٹھری کی طرف جاتا ہوا بولا: "مونس! میں تیری ماں کو قتل کر دوں گا لیکن اگر تو کمرے کا دروازہ کھول دے گی تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔"

لیکن مونس نے دروازہ نہیں کھولا۔

شہزادے نے چوکیدار کے دروازے پر پہنچ کے سیدھے ہاتھ سے خنجر پکڑا اور بائیں ہاتھ سے نہایت آہستہ سے کوٹھری کی زنجیر کھولی اور مونس کی ماں پر حملہ کرنے کی غرض سے دبے پاؤں کوٹھری میں داخل ہو گیا لیکن وہاں مونس کی ماں نہیں نظر آئی وہ گھبراہٹ اور وحشت میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کوٹھری کے ایک گوشے میں مونس کی ماں خون میں تربتر پڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا خنجر پیٹ میں اتار کر خود کو ہلاک کر لیا تھا۔ ادھر بھی ناکامی ہوئی تھی۔ مایوسی اور محرومی سے اسے چڑ تھی۔ وہ غصے میں مردہ خاتون کی طرف بڑھا اور خنجر کے پے در پے حملوں سے اس کا جسم چھلنی کر دیا اور کوٹھری سے نکل کے وہ ایک بار پھر مونس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ گو یہ دستور بند تھا اس نے دروازے سے منہ لگا کے کہا: "مونس! میں نے تیری ماں کو قتل کر دیا اور وہ سسک رہی ہے۔ اگر تو اس کی آخری آواز سننا چاہتی ہے تو کمرے سے باہر نکل اور اس کے سسکتے کراہتے نیم مردہ جسم کے قریب کھڑے ہو کے چند باتیں کر لے!"

مونس نے بھرائی آواز میں کہا: "اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اس طرح دروازہ کھلوا لو تو تمہیں ناکامی ہو گی۔ ظلم کی ناؤ ہمیشہ نہیں بہتی۔ میں اپنا معاملہ خدا پر چھوڑتی ہوں۔ آخری فیصلہ وہی کرے گا!"

شہزادہ تلملایا ہوا اٹھا۔ چیخ کر کہا: "اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو تمہیں عبرت ناک حالت سے گزرنا پڑے گا۔ میں صبح ہوتے ہی تمہارے مکان کو خاک میں ملا دوں گا اور تمہیں اپنے مصاحبین کے حوالے کر کے وہ سلوک کراؤں گا کہ تم اس کا قبل از وقت تصور تک نہ کر سکو گی!"

مونس نے اندر سے چیخ کر جواب دیا: "ایسا وقت جب آئے گا تو میں خودکشی کر چکی ہوں گی!"

شہزادے کا اب مزید ٹھہرنا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ وہ جس راستے سے اندر داخل ہوا تھا اسی سے مشعلی باغیچے میں واپس گیا اور اپنے پست قامت مصاحب کی تلاش میں انار کے درخت کے نیچے پہنچا لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اس کی تلاش میں مہندی کی جھاڑی میں داخل ہوا اور اس طرح وہ تلاش میں لگا رہا لیکن پست قامت مصاحب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ابھی اپنے مصاحب کی تلاش میں لگا ہوا تھا کہ مکان کا باغیچے کی طرف کھلنے والا دروازہ کھل گیا اور اندر سے بارہ تیرہ آدمی نمودار ہوئے جو مشعلیں لئے ہوئے تھے۔ مشعلوں کی روشنی میں آنے والوں کا صحیح اندازہ ہو جانے پر شہزادے نے گھبراہٹ میں بھاگنا چاہا لیکن پیٹھ سبزے پر گر گیا۔ اتنی دیر میں یہ لوگ دوڑ کر شہزادے کے سر پر پہنچ گئے ان میں سے کسی نے شہزادے کو حکم دیا: "بس شہزادے! بھاگنے کی کوشش نہ کریں، ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ہم آپ سے صحیح اور فیصلہ کن باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

شہزادے میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان بارہ تیرہ مسلح افراد کا تنہا مقابلہ کرتا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا جس آواز نے اسے مخاطب کیا تھا وہ پہچانی ہوئی تھی۔ وہ مجرم کی طرح ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ایک مشعل بردار نے اپنی مشعل کی روشنی شہزادے کے چہرے پر ڈالی۔ اسی شناسا آواز نے شہزادے کو مخاطب کیا: "شہزادے! ادھر آئیے ہم سب سبزے پر بیٹھ کر باتیں کریں گے!"

اب شہزادہ اس شخص کو پہچان چکا تھا۔ یہ فتحی شاہ تھا۔ شہزادے کو وہ اشارہ کیا اور فتحی شاہ کی ایما پر سبزے پر بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے چاروں طرف مسلح افراد بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک گہرا سکوت چھایا۔ بظاہر دونوں ہی گفتگو کا آغاز خود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر کار فتحی شاہ نے سکوت توڑ دیا۔ بولا: "شہزادے! یہ علاقہ آپ کا ہے۔ یہاں آپ کے والد کی حکومت ہے۔ کیا ہم آپ سے پوچھ سکتے ہیں کہ ایک ولی عہد اور حکمراں شہزادے کو اس مکان میں چوروں کی طرح داخلے پر کس جذبے نے مجبور کیا؟ کس ضرورت نے رات کی تاریکی میں شہزادے کو اس گھر میں داخلے پر مجبور کر دیا؟"

شہزادے کے پاس اس سوال کا کوئی معقول جواب نہ تھا۔ وہ خاموش رہا۔

فتحی شاہ نے جواب کے لئے اصرار بھی نہیں کیا بلکہ دوسرا سوال بھی کر دیا: "احمد نگر کے تاج و تخت کا وارث کون ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا: "میں اور صرف میں لیکن کیوں؟"

فتحی شاہ نے جھنجھلا کر کہا: "اگر احمد نگر کے تاج و تخت کے واقعی آپ ہی وارث ہیں تو آپ کا کردار بھی شاہانہ ہونا چاہئے۔ اوباشوں کی صحبت ترک کیجئے اور شرفا کی صحبت اختیار کیجئے!"

شہزادے نے خفگی سے کہا: "تم میرے مصاحبین کو اوباش سمجھتے ہو۔ وہ سب کے سب شریف ہیں!"

فتحی شاہ نے بے نیازی سے جواب دیا: "ہو سکے لیکن ان کی صحبت کا جو رنگ آپ پر چڑھا ہے اس سے وہ شریف تو نہیں لگتے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور کوئی شخص اپنے دوستوں سے!"

شہزادے نے اکتاہٹ سے کہا: "میں محل واپس جانا چاہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے جو باتیں بھی کرنا ہیں فوراً کر ڈالو۔ میں لمبی چوڑی تمہید کے بجائے مطلب کی باتیں سننا چاہتا ہوں!"

فتحی شاہ نے آزردگی سے کہا: "شہزادے! ذرا سوچئے تو آپ کی نادانیاں اور بدچلنی کیسے گل کھلا رہی ہیں! خوف زدہ اور ستم رسیدہ لوگ برملا شکایت تک نہیں کر سکتے۔ آپ نے چنگیز خان کے بیٹے کو ہلاک کر دیا اور تھوڑی دیر پہلے چوکیدار اور چنگیز خان کی بیوہ کو بھی قتل کر دیا۔ آخر ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

شہزادے نے خاتون کے قتل سے بے تعلقی کا اعلان کیا۔ کہا: "خاتون کو میں نے نہیں قتل کیا۔ اس نے خودکشی کی ہے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

منی شاہ نے افسوس سے کہا: ان کا خنجر کی صراحت سے داغ دار جسم خود کشی سے بغاوت کا اعلان کر رہا ہے!"

شہزادہ زیادہ دیر گفتگو کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ بولا: میں جانا چاہتا ہوں!"

منی شاہ نے احترام سے جواب دیا: آپ جانا چاہیں گے تو کس میں اتنی طاقت ہے جو روک سکے لیکن جانے سے پہلے چند ضروری باتوں پر مشورہ کر لیا جائے تو بہتر ہے!"

شہزادہ منی شاہ کی صورت دیکھنے لگا۔ منی شاہ سوگوار آواز میں کہنے لگا: شاید آپ مونسہ کو پسند فرمانے لگے ہیں۔ بعض اوقات انسان کا حسن اس کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔ یہی معاملہ مونسہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ وہ حسین ہے۔ غیر معمولی حسین اور جو شخص بھی اسے ایک نظر دیکھ لے گا، دل و جان سے عاشق ہو جائے گا۔ ہم آپ سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتے۔ جب ہم نے پہلی بار مونسہ کو دیکھا تھا تو پہلی ہی نظر میں اس کے اسیر ہو گئے تھے۔ چنگیز خان کی موت کے بعد ہم نے اس چھوٹے سے کنبے کو سہارا دیا اور شاید ہمارے اسی سلوک نے مونسہ کو بھی ہماری جانب ملتفت کر دیا۔ ہم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ مونسہ ہم سے محبت کرتی ہے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ وہ ہمارا بڑا خیال رکھتی ہے!"

شہزادہ گفتگو کے اس موڑ میں خاصی دلچسپی لے رہا تھا۔ منی شاہ کہہ رہا تھا: پھر ایک دن ایک نہایت خونخوار اور المناک موقع پر آپ نے بھی مونسہ کو دیکھ لیا اور ہمارا خیال ہے کہ ہماری طرح آپ بھی اپنا دل ہار بیٹھے اور اسی اضطراب اور بے چینی میں آپ سے یہ سارے افسوسناک افعال سرزد ہوتے رہے!"

منی شاہ کے ساتھی گونگوں کی طرح باتیں سن تو رہے تھے لیکن شہزادے کا رعب انہیں خاموش رہنے پر مجبور کئے ہوئے تھا۔

شہزادے کو بھاگ نکلنے کی فکر پریشان کئے ہوئے تھی کہ اچانک منی شاہ نے سوال کیا: اچھا شہزادہ صاحب! آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ مونسہ سے واقعی عشق فرماتے ہیں؟"

شہزادے نے جواب دیا: کیا چوروں کی طرح آدھی رات گئے اس جگہ میرا آنا یہ بات ظاہر نہیں کرتا کہ میں مونسہ سے واقعی عشق کرتا ہوں!"

منی شاہ نے کہا: عشق تو ہم بھی کرتے ہیں لیکن اس طرح چوروں کی طرح آدھی رات ہم اس گھر میں ابھی داخل نہیں ہوئے!"

شہزادے نے بے رخی سے جواب دیا: یہ اپنے اپنے ظرف اور حوصلے کی بات ہوتی ہے!"

منی شاہ نے پوچھا: کیا آپ مونسہ سے شادی کرنے پر آمادہ ہیں؟"

شہزادے نے جواب دیا: یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میں تو اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں!"

منی شاہ نے کہا: جس لڑکی کے دل کو آپ فتح کرنا چاہتے ہیں اب وہ کس طرح آپ سے محبت کرے ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا!"

شہزادے نے عجلت سے جواب دیا: جناب! میں تو یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ مونسہ کو حاصل کر کے ہی دم لوں گا چاہے کسی کی مرضی ہو یا نہ ہو۔ میں ایک مجبور اور محروم شخص کہلانا ہرگز پسند نہیں کرتا!"

منی شاہ ایک دم اداس ہو گیا۔ کہنے لگا: لیکن ہم آپ کو مشورہ دیں گے کہ آپ مونسہ کے چکر میں نہ پڑیں۔ آپ کی بھاوج کے فرمانروا … کی بہن سے شادی ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حسین و جمیل لڑکیاں ہیں آپ کے ایک اشارے پر جن کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ اچھا مشورہ نہیں ہے کہ مونسہ کو آپ اپنے اس غلام کو بخش دیں!"

شہزادہ ایک دم چراغ پا ہو گیا۔ بولا: میں یہ فضول باتیں نہیں سننا چاہتا۔ میں مونسہ کو پسند کرتا ہوں۔ اب کسی گرے ہوئے درجے کے ننگ خوار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مونسہ کا اپنے دل میں خیال تک لائے!"

منی شاہ نے ہمت سے کام لیا۔ یہ دل کا معاملہ ہے ہم چاہتے تھے یہ پیچیدہ مسئلہ آپ کی گفت و شنید سے طے پا جائے تو اچھا ہے لیکن اگر شہزادے کی یہی خواہش ہے کہ وہ ہمارے دل کا خون کر دیں اور لذت حاصل کریں تو ہم بھی صاحب دل ہیں کسی کو بھی یہ جادہ عاشقی چھوڑنے کی اجازت نہیں دے گا!"

شہزادہ اندر ہی اندر انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ بولا: بکواس بند کرو اور مجھے جانے دو!"

منی شاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا: بسم اللہ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں!"

شہزادہ فوراً کھڑا ہو گیا اور دیوار کی طرف بڑھا۔ منی شاہ نے کہا: نہیں شہزادے! آپ سے یہ توقع نہیں [illegible] دیوار سے پھلانگ کر کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ باقاعدہ مکان کے صدر دروازے سے واپس جائیں جس طرح کہ آتے جاتے رہتے ہیں!"

وہ شہزادے کو لے کر مکان میں داخل ہوا۔ وہ مکان سے باہر کی بیٹھک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ ایک بار کوٹھری کے پاس سے گزر رہا تھا تو کوٹھری کے اندر سے مونسہ کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ شہزادے کو اس طرح گزرتے دیکھ کر شہزادہ ٹھٹھکا تو منی شاہ نے بے مروتی سے کہا: آپ رکئے نہیں۔ چپ چاپ تشریف لے جائیں۔ وہ نہ ڈریں کہ آپ کا یہ غلام بے جا ضد میں کوئی گستاخی کر بیٹھے!"

منی شاہ کے خطرناک تیور نے شہزادے کو خوف زدہ کر دیا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔ منی شاہ شہزادے کو باہر چھوڑ کے اندر مونسہ کے پاس پہنچا۔ مونسہ اس سے چمٹ کر رو دی۔ منی شاہ نے استقلال [illegible]

منی شاہ نے اس کی پشت تھپتھپائی اور تحیراتی آواز میں کہا: مونسہ صبر صبر بس ذرا صبر!

اور پھر دونوں ہی پھوٹ پھوٹ کے رو دیئے!

کئی دن تک سکوت چھایا رہا۔ شہزادہ منی شاہ سے ڈرتا تھا کیونکہ منی شاہ اس کے باپ مرتضیٰ نظام شاہ کا نہایت قریبی مصاحب تھا اور وہ جو کام بھی چاہتا تھا بادشاہ سے کرا لیتا تھا۔ شہزادے کو خوب اچھی طرح یہ معلوم تھا کہ منی شاہ جب بھی چاہے دیوانے بادشاہ سے اس کے خلاف فرمان حاصل کر لے۔ دوسری طرف منی شاہ بھی شہزادے کی فطرت سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ وہ بادشاہ سے شہزادے کو سزا دینے [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

سکتا تھا لیکن اس کی دوراندیشی اسے ایسا کرنے سے باز رکھ رہی تھی کیونکہ فنی شاہ کو معلوم تھا کہ قطبی نظام کے بعد اسی شہزادے کو تاج و تخت سنبھالنا ہے پھر وہ اس کا مخالف کیوں ہو لیکن وہ مونس سے محبت کرتا تھا [illegible] خاندان کی بیٹی کا ارادہ رکھتا تھا لیکن شہزادے کی دخل اندازی نے یہ آسان کام بہت دشوار کر دیا تھا۔ یہ خطرہ ہر وقت موجود تھا کہ شہزادے کے اوباش مصاحب مونس کے گھر پر حملہ کر کے اسے اٹھا کر لے جائیں [illegible] کی نگہبانی اور حفاظت کے لئے بیس سپاہی ملازم رکھ لئے تھے جو ہر وقت باغیچے میں موجود رہتے۔ فنی شاہ [illegible] کی کوشش میں تھا وہ بادشاہ سے انعام و اکرام لے کر احمد نگر سے چلا جانا چاہتا تھا اس نے رات کو نکلنا بھی [illegible] کیونکہ اسے ڈر تھا کہ شہزادے کے آدمی اسے دھوکے سے قتل کر سکتے ہیں شہزادے کے ارادوں کا اسے کوئی علم [illegible] لیکن جب بھی اس کا سامنا ہوتا شہزادے کی آنکھوں میں حسد اور انتقام کی آگ محسوس ہوتی۔

سہ پہر کو بادشاہ کی صحبت سے اٹھ کر وہ مونس کے پاس جا رہا تھا اس کا گھوڑا آہستہ آہستہ [illegible] پر چل رہا تھا جو شاہی محل سے نکل کر امراء کی بستی میں داخل ہو جاتی تھی کافی آگے جانے کے بعد املی کے [illegible] درخت کے نیچے چرچی پر بہت سے کئی جانوروں کو پانی پیتے دیکھا جو چرچی سے متصل کنوئیں سے پانی بھرا جا رہا تھا [illegible]

فنی شاہ کے گھوڑے نے پانی کی طلب میں چرچی کی طرف بار بار مڑ جانے کی کوشش کی [illegible]

فنی شاہ مونس کے گھر پہنچ کے پانی دینا چاہتا تھا۔

یکایک ایک نوجوان اس کے اور گھوڑے کے درمیان حائل ہو گیا اور اس سے تقریباً ایک [illegible] کے فاصلے پر سینہ تان کے کھڑا ہو گیا فنی شاہ نے اسے سرسری نظر سے دیکھا لیکن دوسرے لمحے چونک [illegible] احتراماً اسے بھی کھڑا ہو جانا پڑا۔ یہ شہزادہ تھا جو اسے طنز و ملامت کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

"فنی شاہ!" شہزادے نے کھردرے اور حاکمانہ لہجے میں کہا: "تمہارے جیتے جی میری مزاحمت [illegible] کر سکتے۔ تم ہوش و حواس سے کام لو اور میری راہ سے ہٹ جاؤ۔"

فنی شاہ نے نرمی سے جواب دیا: "ہم ہوش و حواس میں ہیں اور ہماری درخواست ہے کہ شہزادے [illegible] خدا کی طرف سے بخشی ہوئی اقبال مندی اور طاقت کو غلط اور معمولی مقاصد میں نہ استعمال کریں۔"

"بات اتنی ہے تم میری راہ سے ہٹ جاؤ اور یقین رکھو کہ میں جو چاہے کر لیتا ہوں۔ اس سے [illegible] اپنی توہین سمجھتا ہوں مونس میری انا اور وقار کا مسئلہ ہے اور اسے میں اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق طے کر دوں گا!"

فنی شاہ نے مستقل مزاجی کا اظہار کیا اور بولا: "ہمیں نہیں معلوم کہ ایک چیونٹی بھی ہاتھی کا مقابلہ کر سکتی [illegible] لیکن حق کی راہ میں مزاحمت کرنا ہمارا فرض ہے اور ہم بدرجہ مجبوری ظلم کی راہ میں مزاحم ضرور ہوں گے۔"

شہزادے نے زور سے پیر پٹکا اور تند و تیز لہجے میں کہا: "حضور بادشاہ جان کی محبت نے [illegible] دماغ خراب کر دیا ہے لیکن تو یہ کیوں بھولتا ہے کہ وہ ایک خبطی اور دیوانہ شخص ہے اور وہ کسی دن بھی معزول ہو سکتا ہے۔ احمد نگر کے تاج و تخت میرے منتظر ہیں اور جب میرا دیوانہ باپ معزول ہو گا اور میں بر سر اقتدار [illegible] وقت تجھے میرے قہر و غضب سے کون پناہ دے گا!"

فنی شاہ نے مطمئن لہجے میں جواب دیا: "خدا کی، خدا انہیں جو اپنے آخری رسولوں کو کفار مکہ سے [illegible] محفوظ رکھتا تھا۔"

شہزادہ غصے میں چرچی کی طرف گیا اور اچھل کر خالی گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا پھر گھوڑے [illegible] فنی شاہ کے قریب لایا اور غضبناک لہجے میں کہا: "تو خود کو حق پر اور مجھے باطل پر کیوں سمجھتا ہے یہ کیوں [illegible] کیونکہ تو ایک جائز حکمران کی امانت میں خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے اور تو شک حق کا مجرم ہے۔"

فنی شاہ نے آہستہ سے کہا: "کون حق پر ہے اور کس نے باطل کی راہ اختیار کی ہے یہ تو آنے والا وقت ہی [illegible] بتائے گا۔"

شہزادے نے گھوڑے کو اس طرح ایڑ لگائی کہ وہ فنی شاہ کو روندتا ہوا گزر جاتا لیکن وہ [illegible] فنی شاہ قلابازی کھا کے سبزے پر دور تک گھسٹتا چلا گیا اس کا بایاں شانہ گھوڑے کی ٹاپ [illegible] زخمی ہو گیا تھا وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور غصے اور جھنجھلاہٹ سے شہزادے کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا [illegible] اور کنوئیں پر موجود تماشائی اس پر ہنس رہے تھے۔

فنی شاہ لنگڑاتا ہوا اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور اسے چرچی سے ہٹا کے سبزے پر لے آیا پشت کی [illegible] درست کی اور رکاب پر پیر رکھ کے پشت پر پہنچ گیا۔

اس نے مونس کو یہ بات نہیں بتائی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مونس اور زیادہ سہم جائے گی اس نے [illegible] کی بابت یہ بتا دیا کہ گھوڑے نے پانی کی طلب میں اسے گرا دیا جس سے بازو اور شانے میں چوٹ آ گئی۔ مونس نے گرم پانی سے اس کے زخمی حصے کو دیر تک دھار دی اور آخر میں ایک مرہم لیپ کر دی۔

فنی شاہ نے کہا: "مونس! ابھی میں [illegible] ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اگر لوگ [illegible] معلوم نہیں کیسی کیسی باتیں بنائیں اور میں خود یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک ہم دونوں ایک نہ ہو جائیں [illegible] ایک فاصلہ ضرور قائم رکھنا چاہئے۔"

مونس نے جواب دیا: "جب ہم دونوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم دو الگ الگ انسان نہیں ہیں ایک [illegible] دو قالبوں میں کام کر رہا ہے تو ہمیں ایسی باتیں بھی نہیں سوچنا چاہئیں۔ اب تو میں یہ چاہتی ہوں کہ تم احمد نگر [illegible] اور کسی دوسری مملکت میں نکل چلو شہزادے کی مخالفت کسی بھی لمحے ہمیں دو چار کر سکتی ہے۔"

فنی شاہ نے شانے کی ٹیس سے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا: "ہم نے بادشاہ کے خزانے میں چند [illegible] دیکھی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں کسی وقت بادشاہ سے [illegible] مانگوں تو [illegible] مجھے مزید عطا کر دے گا [illegible] ابھی تک میں انعام و اکرام کے ذریعے کافی دولت جمع کر چکا ہوں۔"

مونس نے کہا: "اور یہاں ہم [illegible] کے دربار سے بہت زیادہ خوف زدہ ہو گئی ہوں [illegible] احمد نگر چھوڑنے کے بعد تم کسی دوسرے دربار کا رخ نہ کرو گے۔ ہم دنیا میں آسمان کے نیچے اور [illegible] ان لوگوں کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

"یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟" حسن شاہ نے جواب دیا۔ "لیکن وہ باعزت بیٹے نہیں ہیں۔"

مونسہ نے تکلیف دہ آواز میں کہا: "میں باعزت بے عزت نہیں جانتی۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ [illegible] آرام و آسائش میں گزار دوں۔ اسی سرکار دربار نے میرے باپ کی جان لی۔ بھائی کو قتل کرایا۔ ماں کو [illegible] اور اب یہ تمہارے تعاقب میں ہے۔ میری عزت و ناموس کا پیچھا کر رہا ہے۔ میں تو سرکار دربار جیسے لفظ [illegible] عاجز آ گئی ہوں۔ یہ لفظ میرے کانوں میں ہتھوڑے کی ضرب بن کے داخل ہوتے ہیں اور دل زخمی کر دیتے ہیں۔"

حسن شاہ نے پیار سے گال تھپتھپایا۔ "عورت ہو لیکن تمہاری ماں بہادر تھیں۔"

مونسہ نے شرما کے سر جھکا لیا۔ بولی: "جو کچھ کرنا ہے جلدی کر دو۔ جو ایک ماہ بعد کرنا ہے وہ کل کر ڈالو اور جو کل کرنا ہے اسے آج ہی کر گزرو۔ وقت کا کوئی بھروسہ نہیں۔ مجھے بدقسمتی گھات میں نظر [illegible]"

حسن شاہ نے بہت ڈھارس بندھائی۔ بولا: "جب تک میں زندہ ہوں تمہیں نہیں گھبرانا چاہیے۔ تمہارا سہارا ہوں۔ تمہاری ڈھال ہوں۔ میں تمہارا قلعہ ہوں۔"

مونسہ نے جواب دیا: "پے در پے صدمات نے مجھے مایوس کر دیا ہے اور میں اپنے چاروں طرف ہی بدبختی کو مکڑی کے جالے کی طرح تنا ہوا محسوس کرتی ہوں اور بدقسمتی سے یہ جانتی ہوں کہ [illegible] بھی جاتی ہیں۔ محلات ٹوٹ جاتے ہیں اور ناقابل تسخیر قلعے بھی سر کر لیے جاتے ہیں۔"

حسن شاہ نے اداسی سے کہا: "اس مایوسی کا میرے پاس نہ تو کوئی جواب ہے اور نہ کوئی [illegible] بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:
لا تقنطوا من رحمۃ اللہ (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو)"

کئی دن بعد اچانک شہزادہ مونسہ کے گھر پھر پہنچ گیا۔ پستہ قامت مصاحب اس کے ساتھ [illegible] حسن شاہ کے کرائے دار سپاہی شہزادے کو روکنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ یہ طلوع آفتاب کے [illegible] کا واقعہ ہے۔ شہزادہ کسی روک ٹوک کے بغیر زنان خانے میں مونسہ کے پاس چلا آیا۔ پستہ قامت مصاحب [illegible] قدم پیچھے ساتھ تھا۔ باہر ٹھہرے ہوئے کرائے کے سپاہیوں میں ہلچل مچ گئی۔ ان کا ایک سپاہی [illegible] حسن شاہ کو شہزادے کی غیر متوقع آمد کی خبر دینے چلا گیا۔ شہزادہ اس سے لاعلم تھا۔

مونسہ شہزادے کو دیکھتے ہی سفید پڑ گئی۔ گھبرا کے بولی: "تم پھر آ گئے؟"

"ہاں میں پھر آ گیا ہوں!" شہزادے نے جواب دیا اور مڑ کر پستہ قامت مصاحب کو ترتیب [illegible] کی: "دیکھو تم اس کمرے کی اچھی طرح تلاشی لو اور ہر اس ہتھیار پر قبضہ کر لو جس سے خودکشی کا احتمال ہو [illegible]
اور مونسہ کو حکم دیا، "اور خبردار جو تم نے بھاگنے یا کچھ اور کرنے کی کوشش کی!"

مونسہ کو اپنی بے بسی پر رونا آ گیا۔ گلا رندھ گیا۔ بھرائی آواز میں بولی: "شہزادے! دل [illegible] بدترین فعل ہے اور دل آزاری شہنشاہ بھی [illegible] ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب کسی مظلوم کا دل دکھ [illegible]

عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔"

شہزادہ ابھی فتح مندی پر نازاں تھا۔ ہنس کر کہا: "ممکن ہے عرش ہل جاتا ہو اپنے کو زیادہ [illegible] نہیں کیونکہ عرش کے آس پاس سے اپنا کبھی گزر ہوا نہیں۔ [illegible] معلوم تو میں ہوں [illegible] تو تم نے میرا دکھایا ہے۔ اب تک دل آزاری تو میری ہوتی رہی ہے اور اگر عرش الٰہی ہلا بھی ہوگا تو وہ میرے دل کے دکھنے سے ہلا ہوگا۔"

مونسہ کی مسہری پر موٹا تازہ بلا بیٹھا بار بار اپنی دم اور پیٹ چاٹ رہا تھا اور چاٹنے کے دوران بار بار زوردار جھرجھری لیتا۔ شہزادے نے بلے سے نفرت سے نگاہیں ہٹا لیں لیکن مونسہ اس کی موجودگی سے خوش ہوئی اور دل کو طاقتور محسوس کیا۔

شہزادے نے طنز کیا: "اس روز تو اس موذی بلے نے تمہاری حمایت میں ایسی زوردار مداخلت کی تھی کہ اس کے پنجوں کے زخم اب بھی سوزش میں مبتلا رکھتے ہیں لیکن اسے آج ایسا موقع نہیں دیا جائے گا!"

پستہ قامت مصاحب کمرے کی تلاشی لے کے واپس آ گیا۔ بولا: "جناب پورے کمرے سے ایک خنجر، ایک چاقو اور دو تیر [illegible] کی انیاں ملی ہیں اور انھیں ہم نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔"

"شاباش!" شہزادے نے کہا۔ "اب تم کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کے تماشا دیکھو!"

مونسہ کا دل ڈوبنے لگا۔ [illegible] بلک بلک کے رونے لگی۔ شہزادے نے پستہ قامت مصاحب کی میان سے تلوار نکالی اور ایک ہی بھرپور وار سے بلے کے دو ٹکڑے کر دیے۔ بولا: "اس فتنے کو پہلے ہی ختم کر دینا بہت ضروری ہے!"

مونسہ اور زیادہ لرز گئی۔ ایک دم مسہری پر اوندھے منہ گر گئی [illegible] بولی: "خدا کے لیے اسی طرح میرے جسم کے دو ٹکڑے کر دو۔ میں عزت و ناموس گنوا کے زندہ رہنا ہرگز پسند نہ کروں گی۔"

شہزادے نے خون میں لتھڑی ہوئی تلوار پستہ قامت مصاحب کی نیام میں ڈال دی اور مونسہ کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کے کہا: "مونسہ! تم عقل سے کام نہیں لیتیں۔ تم ایک معزز امیر کی بیٹی ہو اور میں ایک [illegible] کا بیٹا۔ تم ابھی حسن شاہ اور میں تمہیں [illegible] کے رکھوں گا۔"

مونسہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس سسکیاں لیتی رہی۔

شہزادے نے کہا: "بہت ممکن ہے حسن شاہ مجھ سے زیادہ حسین ہو لیکن تمہیں یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ وہ صرف ایک مصاحب ہے، میرا مصاحب، میرے والد کا مصاحب۔ وہ میرا ملازم ہے۔ کیا تمہارے لیے یہ فخر کافی نہ ہوگا کہ حسن شاہ جیسے حسین و جمیل نوجوان تمہارے ادنیٰ ملازموں میں شمار کیے جائیں؟"

مونسہ پھر خاموش رہی۔ کوئی جواب نہ دیا۔

شہزادے نے بے تکلفی سے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ بولا: "سیدھی ہو جاؤ [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

مونسہ گھبرا کے سمٹ بیٹھی اور دونوں گھٹنوں میں سر دے کے پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں کا گھیرا دے لیا
"ایک عورت اور ہے!" شہزادے نے کہا: "بات وقار اور انا کی ہے۔ فتنی شاہ نے تمہارے معاملے
میں کچھ بڑھ چڑھ کے باتیں کی ہیں اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اسے شرمندہ اور نادم کیے بغیر باز نہ آؤں گا!"

مونسہ کے منہ میں گویا زبان ہی نہ تھی، کسی بات کا جواب بھی نہ دے رہی تھی۔

شہزادے نے نرمی سے کہا: "تم بولتی کیوں نہیں؟ تم مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتیں کہ آخر وہ کون سی تجویز ہے جس
سے میری انا اور میرے وقار کو تسکین بھی پہنچ سکتی ہے اور تمہیں بھی زیادہ خسارہ نہیں اٹھانا پڑے گا یعنی
یہ کہ تم بھی فتنی شاہ کو اپنا سکو گی!"

مونسہ نے کمزور آواز میں پوچھا: "وہ کس طرح؟"

شہزادہ ہنس کے کہنے لگا: "مجھے معلوم تھا کہ اب تم چپ نہیں رہو گی۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد
پھر وہ دم لے کے بولا: "اگر تم میرے ساتھ مستقلاً نہیں رہنا چاہتیں تو کچھ دنوں کے لیے آ جاؤ۔ میں تمہیں دو برس
اپنے ساتھ رکھ کے تمہارے گھر واپس بھجوا دوں گا اور تمہیں اختیار حاصل ہو گا کہ جس شخص کو چاہو اپنا جیون ساتھی بنا لو!"

مونسہ نے مردہ سی آواز میں پوچھا: "اس میں تمہارا کیا فائدہ چھپا ہے؟"

شہزادہ نے جواب دیا: "یہ کہ میں فتنی شاہ پر یہ ثابت کر سکوں گا کہ میری انا اور وقار سے ہم کسی
اور کی انا اور وقار کو نہیں بچایا جا سکتا!"

مونسہ نے افسردگی سے کہا: "بس اتنی سی بات کے لیے تم میری پوری زندگی تباہ و برباد کر دینا
چاہتے ہو، تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ فتنی شاہ اس کے بعد مجھے قبول نہیں کرے گا، وہ کچھ بھی ہو لیکن بے غیرت نہیں
۔ تب پھر تم اس غیرت مند انسان کو ہمیشہ کے لیے سمجھا کے میرے پاس آ جاؤ!"

مونسہ نے گڑگڑا کے ساتھ کہا: "مجھے سوچنے کا موقع دو۔ ممکن ہے کہ کافی غور و فکر کے بعد میں تمہارے
حق میں فیصلہ دے دوں!"

شہزادے نے ہنس کے طنزیہ لہجے میں کہا: "گفتگو اس موڑ پر پہنچ رہی ہے جہاں سے بات شروع
ہوئی تھی، میری بدقسمتی اور تمہاری خوش قسمتی سے جب تم دیسے ہی سے گئی تھیں اور غیر متوقع مداخلت نے مجھے ناکام اور
تمہیں کامران بنا دیا تھا لیکن آج ایسا نہیں ہو گا۔ تمہیں جو فیصلہ بھی کرنا ہے اسی وقت اور اسی جگہ کرنا ہو گا!"

مونسہ نے کچھ دیر سوچ کے پوچھا: "اگر میں یہ کہوں کہ میں عارضی طور پر تمہارے ساتھ رہنے پر آمادہ
ہوں تو تمہارا میرے ساتھ کیسا طرز عمل ہو گا؟"

شہزادے نے کہا: "یہ سوال تم نہیں میں کروں گا، اور تم سے یہ پوچھوں گا کہ اگر تم نے ایمان داری
اور خلوص سے میرے ساتھ کچھ دن رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو تم یہ کس طرح ثابت کرو گی کہ تم جو کچھ کہہ رہی ہو
خلوص اور دیانت داری سے کہہ رہی ہو؟"

مونسہ نے جواب دیا: "تم مجھے اپنے محل میں رہنے جانے کی ایک تاریخ دو اور اس دن اگر میں تمہارے

ساتھ نہ چلوں گی تو تم مجھے جھوٹا، فریبی اور دھوکے باز سمجھ لینا لیکن اس سے پہلے تم کچھ بھی نہ کہو گے!"

شہزادے پر ہنسی کا دورہ پڑا، اتنا ہنسا اتنا ہنسا کہ مونسہ بھی سمجھی کہ شہزادہ پاگل ہو گیا ہے۔ صاحب
پوری میاں! اب تم نے بھی سنیں اس لڑکی کی باتیں، یہ فتنی نظام شاہ والی احمد نگر کے ذہین اور عقل مند بیٹے کو
بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہے، خوب! لیکن یہ نہیں سمجھتی کہ جس شخص کو پورے احمد نگر پر حکومت کرنے
کے لیے پیدا کیا گیا ہو وہ ایک نادان اور کم عقل لڑکی کی باتوں میں کس طرح آ جائے گا؟" پھر مونسہ سے پوچھا۔
"لڑکی! تم نے یہ کس طرح یقین کر لیا کہ میں تمہیں اس معاملے میں کوئی مہلت بھی عطا کروں گا؟"

مونسہ نے کہا: "اتنا بڑا کام جلدی کس طرح انجام پا سکتا ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا: "میں تمہیں مہلت فرصت بھی دے سکتا ہوں لیکن تمہیں داغ دار کرنے
کے بعد میں انسانوں کی طرح مہلت نہیں کرتا۔ میں تمہاری رضامندی سے اسی وقت معاہدے کی تزئین
چاہوں گا، ہم دونوں ایک مخصوص عمل سے اسی وقت معاہدے کا اعلان کریں گے اور ہم دونوں کے اشتراک
اور تعاون سے انجام پانے والا یہ عمل اس بات کی علامت ہو گا کہ دونوں معاہدے پر خلوص اور دیانت سے
عمل پیرا ہونے کی نیت رکھتے ہیں!"

مونسہ بری طرح گھبرا چکی تھی، چالاک اور عیار شہزادے نے فرار کی جملہ راہیں بند کر دی تھیں۔

پست قامت مصاحب ادب سے ہاتھوں کا سر جھکا کے شہزادے سے کہا: "قبلۂ عالم! خواہ مخواہ کی
باتوں میں وقت کیوں ضائع فرما رہے ہیں؟ کیا آپ نے دانا لوگوں کی یہ مثل نہیں سنی کہ عورت اور گھوڑا ران کی
چیز ہیں، انھیں ران ہی کے نیچے رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اسی طرح قابو میں رکھی جا سکتی ہیں!"

شہزادے نے مشورے کا شکریہ ادا کیا اور اسے حکم دیا: "تم کمرے سے باہر جاؤ اور پہرے داری
کرتے رہو اور دیکھو کہ کوئی شخص بھی ادھر نہ آنے پائے!"

پست قامت مصاحب کمرے سے نکل گیا اور اس نے باہر سے زنجیر بھی کر دیا۔

شہزادہ درندے کی طرح مونسہ پر جھپٹا لیکن مونسہ بچ نکلی، اس بھاگ دوڑ نے مونسہ کو تھکا دیا،
لیکن وہ شہزادے کو پھر بھی نجات دہی نہ تھی۔ پست قامت مصاحب بار بار پوچھتا: "قبلۂ عالم! کسی کامیابی ہوئی؟ جلدی
بہت جلدی کیجیے کے قابو میں ایک لڑکی نہیں آتی، بڑی کمال ہے، جناب کچھ تو بہادری دکھائیں!"

آخر مونسہ مونڈھا ایک مسہری کے نیچے گھس گئی جس کے نیچے بیلیں اور موٹے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ قریب
ہی ڈھکیلیں جتنا اچک سکتا تھا، چڑھ گیا، مونسہ کی جان میں جان آئی اور وہ شہزادے کی طاقت و جبر کا مقابلہ کرنے لگی۔

شہزادے نے جھک کر دیکھا اور مونسہ کو حکم دیا۔

"مسہری کے نیچے سے نکل کر میں کیا دھا جو کہتا ہوں سنو، اگر تم مجبور کرو گی تو میں بھی خواہ مخواہ
طاقت ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مسہری سے باہر آ جاؤ!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

مونس نے جواب دیا: اس وقت میرے ہاتھ میں ایک خنجر سا ہے اور یاد رکھو کہ اگر تم نے میری طرف بڑھنے کی کوشش کی تو میں کسی رعایت کے بغیر سوچے سے زخمی کر دوں گی۔

شہزادے نے کہا: کیا قیامت عورت ہے، کیسی فتنہ لڑکی ہے!

مونس نے کہا: اس وقت میں خود بھی جان پر کھیل جانے کا تہیہ کر چکی ہوں۔ تم مجھے اپنی طاقت اور دولت کے ذریعے زیر کرنا چاہتے ہو۔ ایسا ناممکن ہے۔

اسی وقت پستہ قامت مصاحب نے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا: قبلہ عالم، غضب ہو گیا، ستم ہو گیا۔ براہ کرم اس لڑکی کا پیچھا چھوڑ دیجئے۔ یہ تو کسی آسیب کی اولاد لگتی ہے!

شہزادے نے جھنجھلا کر کہا: آخر تو کیوں مرا جا رہا ہے؟ تو کیوں حواس باختہ ہو رہا ہے؟

پستہ قامت مصاحب نے جواب دیا: حضور والا! باہر حضور والا کے پدر بزرگوار کے سپاہی آدمی پہنچے ہیں اور بادشاہ کے حکم پر قبلہ عالم کو گرفتار کر لینا چاہتے ہیں!

بازی ہاتھ سے جاتے جو دیکھی اور اپنی گرفتاری کی منحوس خبر سنی تو شہزادے کے حواس بھی جاتے رہے۔

شہزادہ پستہ قامت مصاحب کے ساتھ باہر نکلا۔ وہاں بادشاہ کا ایک مصاحب خاص تقریباً پچاس سپاہیوں کے ہمراہ شہزادے کے نام پروانۂ شاہی لئے کھڑا تھا۔ بادشاہ کے مصاحب خاص نے طنزاً سوال کیا: حضور والا کیا آپ پروانۂ شاہی میرے ہاتھ میں دیکھ کے گھبرا نہیں گئے؟

شہزادے نے اپنا ہاتھ پروانۂ شاہی کی طرف بڑھایا اور عجلت میں پروانہ پڑھنے لگا۔ بادشاہ نے لکھا معزز اور جوان شہزادے! یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ سننے میں آیا ہے کہ تم مرحوم چنگیز خان کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو!

جی چند روز پہلے حضور نے بالکل سچ فرمایا۔ وہ زیر لب بڑبڑایا اور شہزادہ پروانہ پڑھتا رہا۔ یہ چند سطریں پروانہ عجلت میں لکھ دیا گیا تھا اس میں لکھا تھا۔

یہ چنگیز خان ہمارا جان نثار اور وفادار امیر تھا۔ اچھا منتظم، اعلیٰ سمجھ بوجھ کا مالک اور بہترین قوت اس کے حاسدوں اور بدخواہوں نے ہمیں اس کے خلاف بھڑکایا اور ایک وقت ہم نے اسے غربت میں زہر دے کر مار دینے کا منصوبہ بنایا۔ چنگیز خان ہمارے منصوبے سے واقف تھا اس نے ہنستی خوشی مسکراتے ہوئے سقراط کی طرح زہر کا پیالہ پی لیا اور ہمارے نام یہ پیغام بھیجا کہ میں جانتا ہوں یہ بادشاہ کا بھیجا ہوا ہے، آپ یہاں پی کر سفر آخرت پر روانہ ہو رہا ہوں۔ خدا بادشاہ کو تا دیر سلامت رکھے۔ ہم اپنے اس فعل پر آج تک شرمندہ ہیں اور کاروبار سلطنت سے تقریباً ہاتھ اٹھا چکے ہیں اور تم اسی وفادار امیر کی بیٹی کو ستانے پر کمر بستہ ہو۔ فرمان عالی وصول کرتے ہی ہمارے پاس حاضر ہو اور اگر تمہیں اس حکم کی تعمیل میں کسی قسم کا تامل ہو تو ہم نے اپنے جان نثاروں کو حکم بھی دے دیا ہے کہ تمہاری مزاحمت کی صورت میں وہ جو طریقہ کار مناسب سمجھیں اختیار کریں، یہاں تک کہ وہ تمہیں قتل بھی کر سکتے ہیں!

شہزادے کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس خطرناک فرمان شاہی کے آگے سر جھکانا ہی پڑ گیا۔ اس نے خود کو

بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ پستہ قد مصاحب کو گھر واپس جانے کی ہدایت کی اور کہا: بادشاہ نے مجھے طلب کیا ہے تم اس مصیبت میں کیوں پھنسو، تم واپس جاکے میرے دوستوں اور جان نثاروں کو یہ خبر سنا دو کہ بادشاہ نے ایک معمولی مصاحب کی چغلی پر اپنے بیٹے اور ولی عہد کی گرفتاری اور قتل کا فرمان صادر کر دیا ہے۔

بادشاہ نے شہزادے کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور نفرت سے کہا: احمق لڑکے! کیا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ چنگیز خان مظلوم کے سوگ میں ہم تقریباً چودہ پندرہ سال سے عزلت نشینی کی زندگی گزار رہے ہیں اور کاروبار مملکت اپنے معاونین کے حوالے کر رکھا ہے اور تیری یہ ہمت کہ اسی مظلوم کی ناموس پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے؟

شہزادے نے بھی کڑک کے جواب دیا: میں آپ کے مظلوم امیر کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں؟

بادشاہ نے کہا: آخر کیوں؟ تیری بیوی بے چاری محل میں تیرا انتظار کر رہی ہے!

شہزادے نے زیادہ ڈھٹائی اختیار کی، بولا: کیا بادشاہوں اور شہزادوں کو ایک ہی بیوی کا پہ گزر بسر کرنا چاہیے؟ کیا اس میں ان کی توہین نہیں ہے؟ کیا ایک بادشاہ یا شہزادے کو ایک ہی بیوی پر اکتفا کر کے اپنے شہزادو عزوبار اور بادشاہی فضاؤں میں گرانا بے عزتی نہیں ہے؟

بادشاہ نے غصے سے اپنا ہونٹ چبا کر شہزادے کے سامنے کیا اس کی شعلہ بار آنکھوں کو اب دیکھ شہزادے نے گردن جھکا لی۔ بادشاہ نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا: نابکار! ناخلف! ہم تجھے عاق کر دیں گے، تجھے قتل کرا دیں گے، جب تک ہم بادشاہ ہیں تو احمق کا ایک عام شہری ہے۔ اور شاہی مراعات اور اعزازات کا مستحق نہیں قرار دیا جاتا۔ تو اسی وقت نظروں سے دور ہو جا۔ ورنہ ڈر ہے کہ کہیں ہم تجھے اپنے ہاتھ سے نہ قتل کر دیں۔

حکم پاتے ہی شہزادہ بادشاہ کے سامنے سے ہٹ گیا۔ محل سے نکلتے وقت اس کا نجمی شاہ سے سامنا ہو گیا۔ شہزادے نے دانت پیستے ہوئے کہا: میں تجھ سے سمجھ لوں گا۔ یا تو میرے معاملے میں پسپائی اختیار کر یا پھر تباہ و برباد ہونے کے لئے تیار ہو جا اور رہا بادشاہ کا معاملہ تو میں اس کا بھی کوئی حل نکال لوں گا!

مونس کو جس بھی نجمی شاہ کا انتظار کرتی رہی۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا مونس کا صبر و ضبط کا پیمانہ چھلک گیا اور وہ بلک بلک کے رونے لگی۔ نجمی شاہ صبر کی تلقین کرتا رہا لیکن اندر سے وہ خود بھی ٹوٹتا جا رہا تھا۔ شہزادہ کا انتقام بہت ہی خطرناک تھا کہ وہ مونس کے معاملے میں کسی بھی طرح ہار ماننے کو تیار نہیں ہے۔ وہ بے سوچے سمجھے اور زیادہ پریشان ہوا کہ شہزادہ مستقبل کا بادشاہ ہے اور نظام سلطنت کی دہائی کی کیفیت کا کوئی بھروسہ نہیں کہ اس سے کس وقت کیا فیصلہ صادر ہو جائے۔ وہ شہزادے کو بھی قتل کرا سکتا تھا اور نجمی شاہ پر بھی عتاب نازل ہو سکتا تھا۔ بہت غور و خوض کے بعد اس نے ایسی تجویز سوچی کہ شہزادے کو کسی بھی تدبیر سے راستے سے ہٹا لیا جائے!

مونس نے کہا: تم معلوم نہیں کیا سوچ رہے ہو مگر آج شاہی دستہ ساد ... بیٹھا تو شہزادہ اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

مقصد میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔ مجھے پاس جو کچھ بھی ہے اسے لے کے یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ۔ سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کا وقت نہیں رہا!"

فتحی شاہ نے جواب دیا۔ "جا سکتا تو میں بھی چلا جاتا لیکن بادشاہ ایسا کرنے سے منع کر رہے ہیں۔ ابھی میں یہیں رہوں اور مجھے شہزادے سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اب اگر میں بادشاہ کا کہنا نہیں مانتا تو وہ مجھے اپنا دشمن بنا لیں گے اور جبلی بادشاہ کی دشمنی مجھے بہت زیادہ نقصان پہنچائے گی۔ قریب دور کوئی بھی حکومت مجھے پناہ بھی نہ دے سکے گی اور اگر پناہ بھی دے دے گی تو بادشاہ کی طلبی پر مجھے پھر بادشاہ کے حوالے کر دے گی!"

مونسہ نے سر عزیز سے کہا۔ "عجیب مشکل میں جان پھنسی ہے۔ آخر ہمیں کرنا کیا چاہیے؟"

فتحی شاہ نے جواب دیا۔ "بادشاہ کہتے ہیں کہ میں تم سے فوراً شادی کر لوں اسی طرح یہ فتنہ ختم ہو جائے گا!"

مونسہ نے چونک کے ایک لمحے کے لئے فتحی شاہ کو دیکھا اور شرما کے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

بادشاہ کی ایما پر دونوں کی شادی ہو گئی اور اس شادی میں تھوڑی دیر کے لئے بادشاہ نے بھی شرکت کی۔ دلہن بنی ہوئی مونسہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اسے اپنی بیٹی قرار دیا۔ اس طرح بادشاہ اپنے بیٹے میر الحسین کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ مونسہ اب بادشاہ کی بیٹی ہے اور اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے شہزادے کو اس کے نتائج سے ضرور خبردار رہنا چاہیے۔

شب عروسی میں شہزادہ اپنے اوباش ساتھیوں کو لے کر فتحی شاہ کے پاس پہنچ گیا اور اسے بیٹھک میں طلب کیا۔ فتحی شاہ اس حسین ترین لمحے کو کسی قیمت پر ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اتنی طاقت بھی رکھتا تھا کہ شہزادے کو یوں ہی واپس کر دیتا۔

فتحی شاہ بڑی بے دلی سے بیٹھک میں پہنچا۔ شہزادے نے پرتپاک انداز میں فتحی شاہ کا خیر مقدم کیا۔ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مبارک مبارک۔ سنا ہے بادشاہ نے مونسہ کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے گویا اب وہ میری بہن ہو گئی ہے اور تم میرے بہنوئی ہو!"

فتحی شاہ نے عاجزی سے جواب دیا۔ "یہ بھی بندگانِ عالی کی عزت افزائی اور کرم گستری ہے۔ انہوں نے اس ناچیز کی شادی میں شرکت فرمائی اور مونسہ کو اپنی بیٹی قرار دینے کا اعلان فرمایا!"

شہزادے نے کہا۔ "وہ پرانے جھگڑے ختم۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے رشتے دار کی حیثیت سے ملنا چاہیے۔ کیا تم مجھے مونسہ کے پاس لے چلو گے؟ تم نے مجھے شادی میں نہیں بلایا۔ اس کی مجھے کوئی شکایت نہیں کیونکہ اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ مونسہ بادشاہ کی بیٹی بننے والی ہے لیکن اب تو مجھے میری بہن مونسہ کے پاس لے چلو!"

شہزادے کے مزاج کا یہ تغیر فتحی شاہ کے لئے مسرت افزا تھا۔ وہ اسی وقت شہزادے کو

مونسہ کے پاس لے چلا گیا۔ مونسہ شب زفاف کی خلوت گاہ میں شہزادے کو داخل ہوتے دیکھ کر گھبرائی لیکن فتحی شاہ نے دور ہی سے اعلان کرنا شروع کر دیا۔ "مونسہ! شہزادے نے تمہیں اپنی بہن کہہ دیا ہے۔ شہزادے بادشاہ کے اس اعلان کو نہایت عزت اور قدر و قیمت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کی رو سے تم بادشاہ کی بیٹی قرار پائی ہو!"

مونسہ کو ان باتوں پر یقین نہ آیا۔ وہ مذبذب شہزادے کو دیکھتی رہی۔

شہزادہ اس کے قریب کھڑا ہو کے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر بمشکل کہا۔ "مونسہ تمہیں شادی کی یہ حسین رات مبارک ہو!" پھر فتحی شاہ سے کہا۔ "فتحی شاہ! تم جیت گئے۔ تم نے مجھے شکست دے دی۔ اور زندگی میں نے اپنی پوری زندگی میں مایوسی اور ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ اس لئے اس شکست اور ناکامی نے میرے دل ہی کو نہیں روح تک کو گھائل کر دیا ہے۔ خیر یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے اگر تم پسند کرو تو اس وقت بھی میرے پاس ایک ایسی تجویز ہے جس سے میرے ناکام اور مایوس دل کو سہارا مل سکتا ہے!"

فتحی شاہ اور مونسہ حیرت اور ڈر سے شہزادے کی بقیہ بات کا انتظار کرنے لگے۔ شہزادے نے فتحی شاہ سے کہا۔ "تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا!"

فتحی شاہ نے کمزور آواز میں جواب دیا۔ "آپ اپنی تجویز بیان کریں!"

شہزادے نے اپنی جیب سے ایک رومال نکالا اور اس کے ایک کونے میں بندھی ہوئی انگوٹھی نکال کر ہاتھ میں لے لی اور بولا۔ "یہ میں مونسہ کے لئے لایا ہوں۔ یہ رومال اور انگوٹھی۔ یہ دونوں چیزیں میں خود مونسہ کو دینا چاہتا ہوں۔" پھر انگوٹھی والا ہاتھ مونسہ کے ہاتھ کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "لاؤ ہاتھ میرے پاس لاؤ! یہ انگوٹھی میں خود اپنے ہاتھ سے تمہاری انگلی میں پہنانا چاہتا ہوں!"

مونسہ کو ہاتھ آگے بڑھانے میں تامل ہوا۔ فتحی شاہ بھی مذبذب۔ کسی فیصلے کے قابل نہ تھا۔ شہزادے نے عاجزی سے کہا۔ "مجھے اپنے اس عمل سے یہ تسکین ملے گی کہ اگر مونسہ کو حاصل نہیں کر سکا تو یادگار کے طور پر ایک رومال اور انگوٹھی دینے میں ضرور کامیاب ہو گیا۔ میرا خیال ہے تم دونوں کو اس حقیر سی مسرت حاصل کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے!"

مونسہ کا سخت مطالبہ بھی نہ سمجھا تھا لیکن فتحی شاہ نے مونسہ سے درخواست کی۔ "مونسہ! ہمیں شہزادے کی اس خواہش کو رد نہیں کرنا چاہیے اور اپنے اس عمل سے اگر شہزادے کسی قسم کی تسکین حاصل کرتا ہے تو ہمیں مزاحم نہیں ہونا چاہیے!"

مونسہ کا لرزتا ہوا ہاتھ شہزادے کی طرف بڑھا اور شہزادے نے نہایت قیمتی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا کے رومال ہاتھ میں تھما دیا۔ شہزادے کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

شہزادہ ایک بھائی کی حیثیت سے مونسہ کے پاس بہت زیادہ حاضریاں دینے لگا۔ یہ بھی نگاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

مونسہ اور فتحی شاہ دونوں کے لئے پریشان کن تھی لیکن وہ منع بھی نہ کر سکتے تھے۔ شہزادے نے ایک دو بار مونسہ سے ہنسی ہنسی میں شکوہ کیا کہ ابھی کہ فتحی شاہ سے شادی کر کے اس نے غلطی کی ہے اور اس غلطی کا احساس اسے کچھ عرصے بعد ہوگا۔ مونسہ نے شہزادے کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ آئندہ کبھی بھی اس موضوع پر گفتگو نہ کرے۔

بادشاہ نے مونسہ کو بیٹی کہا تھا۔ اسی شفقت کے خیال سے اس نے قلعے دار صلابت خان کو حکم دیا کہ خزانے میں جو چند قیمتی مالائیں رکھی ہیں انہیں فتحی شاہ کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ کے اس حکم کی شہزادے کو خبر ہوئی تو اس نے صلابت خان کو مجبور کر دیا کہ اس حکم کی تعمیل نہ ہو۔ صلابت خان ٹال گیا۔ فتحی شاہ نے کئی دن بعد ایک مناسب موقع پر بادشاہ کو مطلع کیا کہ ابھی تک وہ قیمتی مالائیں اسے نہیں ملی ہیں۔ بادشاہ نے غصے میں قلعے دار صلابت خان کو طلب کیا اور حکم دیا کہ وہ قیمتی مالائیں اسی وقت فتحی شاہ کے حوالے کر دی جائیں۔ صلابت خان نے تعمیل حکم سے پہلے شہزادے سے ملاقات کی اور اسے تازہ صورت حال سے مطلع کیا۔ شہزادے نے اسے تعمیل حکم سے انکار پر آمادہ کر لیا۔

صلابت خان بادشاہ کا حکم بار بار نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس بار اس نے چند معمولی مالائیں فتحی شاہ کے حوالے کر دیں لیکن دو دن بعد ہی فتحی شاہ کو کسی طرح اس دھوکے کا علم ہو گیا۔ اس نے بادشاہ سے شکایت کر دی۔ بادشاہ نے اسی وقت صلابت خان کو بلایا اور جواب طلب کیا۔ صلابت خان تھر تھر کانپنے لگا۔ بادشاہ نے کہا: "خزانے کے تمام ہیرے جواہرات اور دوسری قیمتی اشیاء ہمارے نقرئی محل میں رکھ دی جائیں۔ ہم ان کا معائنہ فرمائیں گے!"

صلابت خان نے شہزادے کو بادشاہ کے نئے حکم سے مطلع کیا۔ شہزادے نے کہا "ان قیمتی مالاؤں کے علاوہ سب کچھ نقرئی محل میں جمع کر دیا جائے!"

صلابت خان نے شہزادے کے حکم کی تعمیل کر دی اور بادشاہ سے اس کے سامنے جواہرات کی۔ بادشاہ دیر تک اس خزانے کا معائنہ کرتا رہا اور یہاں بھی یہ بات چھپی نہیں رہی کہ قیمتی مالائیں ان میں موجود نہیں ہیں۔ دو خادم بادشاہ کے آس پاس دو قدم پیچھے چل رہے تھے اور بادشاہ ایک ایک چیز بغور دیکھتا اور آگے بڑھ جاتا۔ آخر بادشاہ نے جھنجھلا کے آگ طلب کی اور خادموں کو باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ جب دونوں خادم باہر چلے گئے تو بادشاہ نے اس جیتے جاگتے خزانے کو آگ لگا دی اور باہر نکل آیا۔ باہر موجود خادموں کو حکم دیا کہ ہال کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ خادم بادشاہ کی حرکت سے لاعلم تھے اور اس وقت تک آگ پھیلی نہیں تھی۔ ہال کے تمام دروازے بند کرا کے بادشاہ خادموں کے ساتھ محل کی اس عمارت میں گیا جسے عبادت کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس نے فتحی شاہ کو طلب کیا اور بڑے دل جلے انداز میں بتایا: "فتحی! ہم نے اس خزانے ہی کو نذر آتش کر دیا جس کی وجہ سے لوگوں کو نافرمانی اور کذب گوئی پر آمادہ ہونا پڑا تھا!"

فتحی شاہ بادشاہ کی بات سمجھ نہیں سکا۔ قدرے جھک کر ادب سے وضاحت چاہی۔

"عالی جاہ! یہ ناچیز حضور کا کلام رفعت مقام سمجھنے سے قاصر رہا۔ تشریح و تفصیل کا طالب ہے!"

بادشاہ نے غصے میں جواب دیا: "ہمیں معلوم ہے کہ شہزادہ میراں حسین ہمارے خلاف

سازشیں کر رہا ہے۔ ہم اپنے خدام اور نمک خواروں کو ایک حکم دیتے ہیں۔ میراں حسین تعمیل فرمان میں مزاحم ہو جاتا ہے اور ہمارے نمک خوار محض اس خیال سے میراں حسین کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ولی عہد ہے اور اس حد تک کہ ہمارے بعد وہی تخت پر متمکن ہوگا!"

فتحی شاہ نے خوف زدہ ہو کے اپنی حیثیت سے زیادہ بات کہہ دی۔ "حضور والا! غلام نے اڑتا ہوا ایک ایسی بات بھی سن رکھی ہے کہ اس کا اپنی زبان سے دہرانا بھی غلام سوء ادب سمجھتا ہے!"

بادشاہ نے اشتعال و جلال سے فتحی شاہ کو دیکھا: "فوراً بیان کرو۔ اگر اس افواہ میں کوئی ایسا عظیم جرم موجود ہے جس سے نظام شاہی اقتدار کو خطرہ لاحق ہو تو اس کا چھپانا بھی ایک سنگین جرم اور نمک حرامی ہوگا!"

فتحی شاہ نے ہاتھ اٹھا کے عرض کیا: "غلام نے بات کی اندھیرے میں سرگوشیانہ انداز میں سنا ہے کہ حضور والا کے کچھ بد خواہ شہزادے کو بر سر اقتدار لانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ یہ ناچیز ان کی آواز سے انہیں پہچان نہیں سکا۔ اس لئے مجرم ہے لیکن خطرناک بات حضور کے دبدبے و دہرانا نہیں چاہتا تھا!"

بادشاہ نے میراں حسین کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ بولا: "میراں حسین کی تنگ دلی اور سفاکی سے سب کچھ ممکن ہے۔ ہمیں خود بھی اس کے عزائم ناکام کا علم ہے لیکن اسے اس کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا!"

دونوں خادموں میں سے ایک کسی ضروری کام سے باہر چلا گیا اور خزانے کی آتش زدگی اور شہزادے کے خلاف گفتگو کا حال دوسروں کو بتا کے واپس آ گیا۔ شہزادہ، صلابت خان اور چند دوسرے آدمیوں کو لے کے آتش زدہ حصے میں داخل ہوا۔ اس وقت تک ان اشیاء کے علاوہ جو قیمتی آگ نہیں جلا سکتی، سب کچھ جل چکا تھا۔ شہزادے نے غصے سے دانت بھینچ لئے اور چہرے پر سفاکی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے کسی کو مخاطب کئے بغیر کہا: "میرا باپ دیوانہ ہو چکا ہے۔ پاگل ہے وہ۔ اب اسے حکمران نہیں رہنا چاہئے۔ میں اسے ہٹا کے دم لوں گا!"

صلابت خان نے عرض کیا: "حضور والا! فتحی شاہ جیسے بد خواہ بادشاہ کو ورغلاتے رہتے ہیں۔ اب حضور کے لئے یہ لازم ہو گیا ہے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے بادشاہ کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں!"

شہزادے نے طیش میں کہا: "میں کچھ دنوں کے لئے بیجاپور کیوں نہ چلا جاؤں۔ وہاں پڑوسی ریاست کے خاندان سے فوجی مدد حاصل کر سکتا ہوں اور اس سے اپنے باپ کو معزول کر سکتا ہوں!"

صلابت خان نے دبی زبان سے عرض کیا: "حضور! کچھ بھی نہ کریں بلکہ اپنے جاں نثاروں پر اعتماد فرمائیں۔ آپ کچھ دنوں کی روپوشی اختیار فرمائیں۔ اس دوران میں بادشاہ کا غصہ اتر جائے گا اور کچھ مستقبل کے لئے کوئی اچھی تدبیر بھی سوچ لی جائے گی!"

شہزادے نے کہا: "مجھے تمہارا مشورہ منظور ہے لیکن میں ایک ذمہ داری تمہیں بھی سونپنا چاہتا ہوں۔ فتحی شاہ نے مجھے پریشان کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا علاج ضرور کرو۔ جب تک میں اسے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کو کسی کا محتاج اپنے قدموں میں دیکھ سکتا بلکہ تنہا نہ دیکھوں گا، مجھے سکون نہیں ملے گا!"

صلابت خاں نے عرض کیا: "آپ فکر نہ کریں!"

صلابت خاں شہزادے کو ساتھ لے کر غائب ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی بادشاہ کے بھیجے ہوئے دو شمشیر بردار وہاں پہنچے اور شہزادے کے ملنے کا پتہ معلوم کیا وہ دیر تک ادھر ادھر شہزادے کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ انھوں نے صلابت خاں کو پکڑ لیا اور اسے ڈرا دھمکا کر شہزادے کا پتہ معلوم کرنا چاہا لیکن صلابت خاں بھی کوئی معمولی آدمی نہ تھا قلعے دار تھا اور جب تک وہ قلعے دار تھا اس کی حیثیت بہت مضبوط تھی اس نے بادشاہ کے شمشیر برداروں سے کہا: "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بادشاہ کا نمک خوار نہیں رہا؟ میں اس کا اب بھی وفادار اور نمک خوار ہوں لیکن یہ ضرور ہے کہ میں تم دونوں کی طرح عقل و خرد سے عاری نہیں ہوں۔ یہ باپ بیٹے کی جنگ ہے اور ہم نمک خواروں کو کسی کی حمایت اور کسی کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کے حصہ نہیں لینا چاہیئے کیونکہ ہمارا دونوں ہی سے واسطہ رہے گا اور ہم دونوں ہی کے نمک خوار ہیں!"

شمشیر بردار کچھ نرم پڑ گئے اور بات ان کی سمجھ میں بھی آ گئی وہ واپس گئے اور بادشاہ کو مطلع کیا: "شہزادہ کہیں فرار ہو چکا ہے۔ اس کا کہیں پتہ نہیں!"

بادشاہ نے شہزادے کے تعاقب اور تلاش میں لومڑی جیسے چالاک اور بھیڑیئے جیسے درندے اور سفاک آدمی چھوڑ دیئے!

باپ بیٹے کی جنگ کا گویا اعلان ہو چکا تھا شاہی عہدے دار دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے، ایک حصہ بادشاہ کا حامی تھا، دوسرا شہزادے کا مددگار، بادشاہ کے آدمی شہزادے کو تلاش کرتے پھر رہے تھے اور شہزادے کے مددگار اسے چھپانے میں لگے ہوئے تھے۔ فتحی شاہ اور مونسہ ڈر سے سہمے سارے ہنگامے سے بے خبر کی مانند بیٹھے تھے فتحی شاہ اب بار بار یہ سوچتا کہ اسے شہزادے کی مخالفت نہیں مول لینی چاہیئے تھی، عشق کا نشہ کسی حد تک اتر چکا تھا جوانی میں ہر لڑکی ہر جان دار اچھا لگتا ہے اور مونسہ تو خوبصورت بھی تھی وہ بہت زیادہ اچھی تھی اور اس نے بہت زیادہ اچھی صورت اور شباب پر ناز سے مجھ کو دیوانہ کر دیا اس کی آزادی چھن گئی، بے فکری غارت ہو گئی مستقل خطرے میں گھر گیا بادشاہ جبلی اور دیوانہ کہلاتا تھا اور کچھ پتہ نہ تھا کہ یہ جبلی اور دیوانہ بھی کب اس کے خلاف ہو جائے یہ شہزادے کے ہاتھوں کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ان فکروں نے اسے آہستہ آہستہ بدلنا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی تو وہ یہاں تک سوچ بیٹھتا کہ اصل شے بے فکری اور دولت ہے، اگر یہ دونوں چیزیں کسی شخص کو حاصل ہوں تو وہ بڑے مزے کی زندگی گزار سکتا ہے ایک حسین لڑکی مل سکتی ہے، بہت سی عورتیں فراہم ہو سکتی ہیں کسی کسی لمحے مونسہ سے عشق اور اس کی حصولیابی کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور سفاکیے پہلے سے بھی آئی اور افسوس بھی ہوتا لیکن تیر کمان سے

چکا تھا اور شہزادے کی دشمنی مول لی جا چکی تھی، آہستہ آہستہ مونسہ بھی اس تبدیلی کو محسوس کرنے لگی۔

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور بادلوں میں لپراتی ہوئی بجلی کی چمک اور بادلوں کی گھن گرج ایک طوفان اٹھا رکھا تھا۔ اس حسین اور عاشقانہ موسم میں دونوں کے جذبات نے انگڑائی لی اور وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے عقبی باغیچے میں داخل ہو گئے موسلا دھار بارش نے انھیں اپنے دھاروں میں چھپا لیا۔

مونسہ پر بھی اس موسم میں جذبات غالب آ گئے اور وہ جذبات زدہ آواز میں کہنے لگی: "فتحی! تم کتنے ہو اتنے بدل گئے ہو کہ اس تبدیلی کا تمھیں خود بھی احساس نہیں ہوتا؟"

فتحی شاہ نے حیرت سے جواب دیا: "یہ تمھارا وہم ہے مونسہ! اور وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہ تھا!"

مونسہ نے کہا: "تم مجھے باتوں سے نہیں بہلا سکتے۔ یہ میرا وہم نہیں، حقیقت ہے ایک واقعہ حقیقت ناخوشگوار واقعہ، تم بہت زیادہ بدل چکے ہو فتحی اور اس تبدیلی کو تم نہیں سمجھ سکتے۔"

فتحی نے اسے زبردستی اپنے برابر بٹھا لیا، بولا: "اس حسین اور عاشقانہ موسم میں ایسی غیر عاشقانہ باتیں زیبا نہیں اچھی نہیں لگتیں۔"

مونسہ کے ننگے جسم پر بھیگے کپڑے قیامت ڈھا رہے تھے بالکل ایسا لگتا جیسے آگ کے بھیجے ہم بھیگے کپڑوں کا بھی انبار رکھ دیا گیا ہو۔ فتحی نے مونسہ کا ہاتھ ہاتھ میں لے لیا اور اسے ہونٹوں پر رکھ لیا پھر گالوں پر پھیر لیا بولا: "ہاں تو جب تک تم مجھے میرا جرم نہ بتاؤ گی میں تمھیں یہاں سے جانے نہ دوں گا!"

مونسہ نے کہا: "فتحی!" اس کی آواز بھرا گئی: "ذرا اس زمانے کو تو یاد کرو جب ہم دونوں کی شادی نہ ہوئی تھی، اس وقت تم میرا کتنا کہا کرتے تھے لیکن اب وقت بدلا بدلا محسوس ہوتا ہے۔"

فتحی شاہ بے ساختہ ہنس دیا، کہا: "ارے تم تو واقعی سنجیدہ ہو؟"

مونسہ نے اس کی گود میں سر ڈال دیا۔ بولی: "کبھی کبھی میں خود کو بالکل تنہا محسوس کرتی ہوں!"

فتحی نے معافی مانگی: "اگر تم ایسا محسوس کرنے لگی تو میں معذرت چاہتا ہوں اور معافی کا طالب ہوں تمھیں خود کو تنہا نہیں سمجھنا چاہیئے جب تک میں موجود ہوں، تم خود کو تنہا اور اکیلا کس طرح محسوس کر سکتی ہو؟"

ان تسلیوں اور دلاسوں نے مونسہ کو مطمئن نہیں کیا۔ بارش تھمنے کا نام نہ لیتی تھی۔ فتحی نے کہا۔ "مونسہ! بجلی بار بار چمک رہی ہے، ڈر لگتا ہے کہیں گر کر ہم دونوں کو ہلاک نہ کر دے!"

مونسہ نے جواب دیا: "مجھے بالکل ڈر نہیں لگتا، مرنا کون سی بڑی بات ہے جس سے آدمی خوف زدہ ہو!"

فتحی سمجھ گیا کہ اس وقت مونسہ پر چڑچڑے پن کا دورہ پڑا ہوا ہے اس لئے وہ فتحی کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی عیب نکال کے عاجز کرے گی۔ اسی لمحے باغیچے کی عقبی دیوار سے کوئی آدمی جھانکتے نظر آئے، انھیں مونسہ نے پہلے دیکھا اور وہ گھبرا کے کھڑی ہو گئی ابھی اس نے فتحی شاہ سے کچھ بھی نہ کہا تھا کہ کئی آدمی دیوار سے چھلانگ لگا کے باغیچے میں داخل ہو گئے۔ اب انھیں فتحی شاہ نے بھی دیکھ لیا تھا، وہ بھی گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، آنے والوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

شہزادہ سب سے آگے تھا اس کے ہاتھ میں کمان تھی جس میں تیر جوڑے وہ ان دونوں کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ مونسہ خوف و دہشت سے بھاگنے لگی۔ بدن پر بھیگے ہوئے لباس نے اسے عریاں کر رکھا تھا۔ وہ شہزادے اور اس کے مصاحبوں کے سامنے اس لباس میں کس طرح کھڑی رہ سکتی تھی۔ شہزادے نے چیخ کر کہا۔ مونسہ بھاگو مت رک جاؤ۔ اگر نہ رکیں تو میں تمہیں تیر مار کے زخمی کر دوں گا!

فتح شاہ کبھی مونسہ کی طرف دیکھتا کبھی شہزادے کو اور کبھی ان کے آدمیوں کو دیکھنے لگتا جو گھوڑوں پر سوار ... اترنے چلے آ رہے تھے۔ ان ... لگ بھگ پینتالیس پچاس تھے اور سبھی مسلح اور خونخوار تھے۔

مونسہ ابھی تک نہیں رکی تھی آخر شہزادے نے ہوش سے تیر چھوڑ ہی دیا۔ مونسہ گھبرا کے بیٹھ گئی اور شہزادہ بھاگ کے اس کے سر پر پہنچ گیا۔ بولا: مونسہ! مجھ سے بھاگو مت، ورنہ پچھتاؤ گی!

مونسہ نے جسم چھپانے کی کوشش کی۔ شہزادے نے پکڑ لیا اور بولا: تم مجھ سے شرما رہی ہو، تمہیں مجھ سے حیا آتی ہے! خوب! ارے میں تو گویا اس گھر کا ایک فرد ہوں! کیا تم بھول گئیں کہ والد صاحب نے تمہیں اپنی بیٹی بنا رکھا ہے اور اس رشتے سے تم میری بہن ہو گئی ہو؟

فتح شاہ کو اوباشوں نے گھیرے میں لے لیا۔ شہزادہ مونسہ کو زبردستی بٹھانے لگا۔ اس نے مونسہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ فتح شاہ نے شہزادے کی یہ حرکت دیکھی لیکن ضبط نہ کر سکا کیونکہ اسے تو تقریباً بند ... وہیں آدمیوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ شہزادے نے چلا کے حکم دیا۔ تم سب فتح کو باندھ کے گاؤں والے مکان میں گھسیٹ کے اپنا اصل کام انجام دو!

فتح شاہ کو باندھ کے شہزادے اور مونسہ کے ... ڈال دیا گیا اور شہزادے کے ساتھی مکان میں داخل ہو گئے۔

شہزادہ مونسہ کو پکڑے ہوئے فتح شاہ کے سامنے پہنچا اور کہا: تم یہ مت سمجھنا کہ میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔ میں ایک عرصے سے اس بہترین موقع کی تلاش میں تھا جو مل چکا ہے۔ تم نے مونسہ سے شادی کر کے میرے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا تھا۔ آج میں اس سے زیادہ شدید طمانچہ تمہارے گال پر لگانا چاہتا ہوں!

پھر اس نے مونسہ کو سبزے پر گرا دیا اور فتح شاہ کو مخاطب کیا: دیکھو یہ جو کچھ ہو رہا ہے مونسہ کو غور سے دیکھو، کیا تم نے بادشاہ سے میری چغلی نہیں کھائی تھی کہ میں ان حسین اشخاص کو قتل کر دینا چاہتا ہوں، کیا تم نے وقتاً فوقتاً بادشاہ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ میں بادشاہ کا بدخواہ اور دشمن ہوں!!

فتح شاہ مجبور ... بے بس سنتا اور دیکھتا رہا۔ شہزادے نے مونسہ کو مخاطب کیا: مونسہ تم کیوں خاموش ہو؟ تم بھی تو کچھ بولو۔ تم بھی تو زبان رکھتی ہو!

مونسہ نے جواب دیا: ظلم اور زبردستی کے آگے زبان کھولنے سے حاصل؟

شہزادے نے فتح کے سامنے ہی وہ سب کچھ کر دیا جس کی امید تک نہ کی جا سکتی تھی۔ مونسہ

ملاقات بھی نصیب نہ ہوا۔ شہزادے نے فراغت کے بعد شہزادی کو غصے سے کہا:

"تم بافراغت حالات میں تو تمہیں اپنی بیوی تسلیم کر چکا ہوں۔ وہ دولت اور انگوٹھی جو ان دو کے لئے تمہیں دی تھی میں ایک مایوس عاشق اور ناکام آدھا شوہر ہوں اس لئے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اسے تم مقسوم نہ سمجھنا!"

مونسہ نے خونخوار نظروں سے فتح شاہ کو دیکھا جو بے بس بندھا پڑا تھا۔ اس کے بعد اس نے شہزادے کو نفرت اور حقارت سے دیکھا اور اس کے منہ پر تھوک کے گھٹنوں میں سر دے دیا اور آنسو بہانے لگی۔

شہزادے نے ہنس کر کہا: اور کیا اچھا! تو کیوں رو رہی ہے؟ رو کیا تیرے دشمن ... تیرے محل کا بہترین آراستہ پیراستہ کمرہ تیرا منتظر ہے!

مونسہ نے بے قراری سے کہا: مجھے محل وحل نہیں چاہئے تم بھی ایک ... انسان ثابت ہوئے ہو۔ یہاں سب درندے ہیں۔ کوئی کسی کا ہمدرد اور دوست نہیں! اس کے بعد وہ کچھ اس طرح پھوٹ پھوٹ کے روئی کہ ... اس اور بیچاری پر ترس آ گیا۔

شہزادہ ... دیر تک معلوم نہیں کیا کچھ کہتا سنتا رہا۔ فتح شاہ نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا تھا اس نے فتح شاہ کو اتنا غم زدہ اور دل برداشتہ کیا کہ وہ اس معاملے پر منطقی انداز میں سوچنے لگا۔

کافی دیر بعد مکان کے دروازے سے شہزادے کا ایک ساتھی نمودار ہوا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے شہزادے کو بلایا۔ شہزادے نے مسکراتے ہوئے فتح شاہ سے کہا: اچھا اب میں جا رہا ہوں میں نے تم دونوں سے جو سلوک کیا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا۔ میں تم دونوں سے ... کہوں گا کہ میرا مخالف ... کوئی بات نہیں، اگر تم مجھ سے انتقام لینا چاہو تو میں اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ خوش آمدید کہوں گا اور اگر دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں دوست بنا لوں گا اور میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ یا تو تم میرے دوست بن جاؤ یا پھر پکے دشمن۔ درمیان کی کوئی راہ نہیں ہے جس پر چل کے تم زندہ رہ سکو!

فتح شاہ اس کی باتیں خوابوں کی دنیا سے سنتا رہا اور مونسہ کے دل میں نشتر ٹوٹتے رہے!

مونسہ نے ... آزاد کیا۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے وہ مکان میں داخل ہوئے تو پتہ چلا شہزادہ وہاں کا سب کچھ لے جا چکا ہے۔ وہ دونوں ہر طرح تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ مونسہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے فتح کو دیکھا اور پھوٹ کے کہنے لگی: فتح! جو کچھ ہوا اس میں بے قصور ہوں!

فتح نے جواب دیا: مجھے معلوم ہے کیونکہ جو کچھ ہوا ہے میرے سامنے ہوا ہے!

مونسہ نے پوچھا: اب کیا ہو گا؟

فتح نے کہا: میری سوچنے اور غور کرنے کی صلاحیت اس وقت بالکل کام نہیں کر رہی، پھر کسی وقت کوئی فیصلہ کروں گا!"

مونسہ نے کہا: وہ حسین محل بھی گر گیا۔ ہمارا سب کچھ لے گیا!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

گئے جواب دیا: اس کا انتظام ہو جائے گا بس بادشاہ تک جانے کی دیر ہے!

مونس تو فتحی کی قوت برداشت سے خوش نصیب ہوئی تھی کہ اس کی باتوں کے جو بھی جوابات دیتے تھے مونس ان کے لئے بالکل تیار نہ تھی، وہ تو فتحی کو یہ کہتے سننا چاہتی تھی کہ مونس! تم پر ظلم ہوا ہے اور شہزادے نے میری غیرت کو للکارا ہے، تم فکر نہ کرو اب یا تو میں زندہ رہوں گا یا شہزادہ، لیکن فتحی نے ایسی کوئی بات نہ کی تھی۔

فتحی مونس کو چھوڑ کے بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے اسے فوراً ہی اپنے روبرو طلب کر لیا پوچھا: فتحی شاہ کیا بات ہے تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟ کیا بات ہو گئی؟

فتحی نے مونس کی ناموس کی بابت کوئی بات نہ کی بس شہزادے کی لوٹ مار کی کہانی سنا دی۔ آخر میں فتحی شاہ نے رو کر کہا: حضور والا! میں اتنا مفلس ہو چکا ہوں کہ صبح و شام کی فکر میری جان ہی لے کے رہے گی!

بادشاہ فتحی کو سمجھاتا رہا اور اسی وقت خزانچی سے کہا کہ یہ جتنی رقم بھی مانگے انکار نہ کیا جائے۔ مسئلہ تو اس طرح بآسانی حل ہو گیا لیکن مونس اس حادثے کے بعد گم صم اور سنجیدہ ہوتی چلی گئی۔

بادشاہ کو کسی نے مخبری کر دی کہ شہزادہ میراں حسین اسے قتل کر دینے کی سازشیں کر رہا ہے۔ بادشاہ کی غصے سے بری حالت تھی۔ اس نے نہایت ضبط و احتیاط سے کام لیا اور اپنے مصاحبین اور کارگزاروں سے میراں حسین کی بابت ایسی باتیں کرنے لگا جس سے لوگ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ بادشاہ کا بیٹے کی جدائی میں بہت برا حال ہو رہا ہے۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ شہزادے کو چھپا دینے میں صلابت خان کا پورا پورا ہاتھ ہے چنانچہ اس نے صلابت خان کو طلب کیا اور اس سے نہایت سادگی کی باتیں کرنے لگا تھوڑی دیر بعد اس نے صلابت خان سے کہا: صلابت خان! اگر شہزادہ میراں حسین اب بھی اسی طرح روپوش رہا تو ہم مر جائیں گے۔ ہم سوچتے ہیں کہ اس کی دلہن کو اب لے آنا چاہیے ہم کاروبار سلطنت سے اکتا چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ عنان سلطنت میراں حسین کے حوالے کر دیں!

صلابت خان نے دریافت کیا: حضور نے اس ناچیز کو کس لئے طلب فرمایا ہے؟

بادشاہ نے کہا: مشورے کی غرض سے ہم نے جو کچھ کہا، تم اس کا مطلب سمجھ گئے ہو یا نہیں؟

صلابت خان کوئی بے وقوف تو تھا نہیں، جواب دیا: شہزادہ ابھی نادان ہے، امور سلطنت یکدم اس کے حوالے کر دینا مصلحت کے خلاف ہے اس لئے اس ناچیز کی رائے میں حکومت کی باگ ڈور حضور بدستور اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں، یعنی عنان حکومت بتدریج شہزادے کے ہاتھ میں دی جائے تو مناسب ہوگا!

بادشاہ نے کہا: پہلے تو ہم اس کی دلہن کو لانا چاہتے ہیں تاکہ میراں حسین کچھ دن عیش و عشرت کرے؟

صلابت خان خاموش رہا۔

بادشاہ صلابت خان کی اندرونی کیفیت کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی گہری نظریں صلابت خان کے

دل میں اتر جاتی تھیں اور وہ یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ صلابت خان کی خاموشی اور غور و فکر کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ کچھ دیر بعد صلابت خان نے سر اٹھایا اور عرض کیا: لیکن حضور والا! شہزادہ صاحب کہاں؟ وہ تو کہیں روپوش ہو چکا ہے، ان تک حضور کے اس فیصلے کی خبر کس طرح پہنچائی جائے؟

بادشاہ نے جواب دیا: ہمارے مقابلے میں تم لوگ ہی یہ کام بہتر طور پر کر سکتے ہو!

صلابت خان نے عرض کیا: بندہ کوشش کرے گا اور کچھ آدمی اس کام پر مامور کرے گا!

شہزادے نے صلابت خان سے بادشاہ کے فیصلے کی خبر سنی تو بہت خوش ہوا اور باپ کے قدموں میں گر کے معافی مانگنے لگا۔ باپ نے قدموں سے اٹھا کے سینے سے لگا لیا اور پیار محبت کے نرم و شیریں کلمات سے اس کی ڈھارس بندھانے لگا۔ بادشاہ نے شہزادے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے تیرا ہی تو ہے، ہو سکتا ہے کہ ہم نے غصے اور اشتعال میں کچھ ایسی باتیں کہی ہوں جن سے تجھے اذیت پہنچی ہو لیکن میراں حسین تو نے یہ تو سوچا ہوتا کہ میں تیرا باپ ہوں اور باپ اپنے بیٹے پر ظلم کس طرح کر سکتا ہے؟

میراں حسین نے روتے ہوئے کہا: حضور کو بعض غلط قسم کے مصاحبین نے مشتعل کر دیا تھا ورنہ حضور کی نرم دلی اور شفقت پدری سے یہ ناچیز خوب اچھی طرح واقف ہے!

بادشاہ نے کہا: غالباً تیرا اشارہ فتحی شاہ کی طرف ہے!

شہزادے نے کوئی جواب نہ دیا۔ بادشاہ نے کہا: فتحی شاہ کی بیوی ہمارے وفادار امیر چنگیز خان وزیر کی بیٹی ہے اور اسے ہم نے بھی بیٹی کہہ دیا ہے، بس اسی عزم اور لحاظ نے فتحی شاہ کو ہمارے بہت زیادہ قریب کر دیا ہے!

شہزادے نے بادشاہ کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا: یہ ناچیز تو خود کو حضور کا ادنیٰ غلام تصور کرتا ہے اور اگر حضور بندے کو اس وقت اپنے دست مبارک سے قتل فرما دیں تو ناچیز یہ سمجھے گا کہ مجھ سے ماضی میں حضور والا کی شان میں جو گستاخیاں اور بے ادبیاں ہوتی رہیں، حضور والا اسی کی تادیب فرما رہے ہیں!

بادشاہ نے اس کے سر پر پیار سے چپت لگا دی، بولا: تم ہمیں ظالم اور سنگ دل سمجھتے ہو، بچے! جناب امیر کی قسم ہم تو تمہیں سزا دینے کی بابت سوچ بھی نہیں سکتے!

فتحی شاہ کو جب یہ خبر ملی کہ باپ بیٹے میں ملاپ ہو گیا ہے تو وہ بہت گھبرا گیا۔ اس نے مونس کو اس عجیب و غریب واقعے کی خبر سناتے ہوئے بے چارگی سے کہا: مونس! اب کیا ہوگا، بادشاہ کتنے ناقابل اعتبار ہوتے ہیں، اندازہ آج ہوا!

مونس نے بیچارگی سے کہا: یہ ظالم و جابر اور مصلحت اندیش لوگ قابل اعتبار کس طرح ہو سکتے ہیں؟ تم نے ان کی صحبت میں شب و روز گزار کے بھی یہ نکتہ نہ سمجھا!

فتحی شاہ بہت زیادہ اداس تھا۔ اب اسے بار بار یہ احساس ستانے لگا تھا کہ اسے مونس سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ اس کا رقیب کوئی معمولی شخص نہیں تھا، شہزادہ تھا، ولی عہد تھا، مستقبل کا مالک۔ اس نے مونس سے پوچھا: ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

مونسہ نے بے دلی سے جواب دیا: "یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ تم خود فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے؟"

فتح شاہ اس کی بے تعلقی کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ پریشانی سے سوال کیا: "کیا ہم دونوں کے معاملے الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں یا کیا اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے؟"

مونسہ نے اسی بے دلی اور بے رخی سے جواب دیا: "ہاں ادھر کچھ دنوں سے میں یہ محسوس کرنے لگی ہوں کہ ہم دونوں کی ایک راہ نہیں ہے اور شاید تم بھی یہی کچھ سوچا کرتے ہو!"

فتح شاہ حیران و پریشان ہو کے مونسہ کو دیکھنے لگا۔ اسے تعجب تھا کہ مونسہ کو اس کی سوچ کا علم کیوں کر ہوا! کہیں وہ بحالت خواب بڑبڑایا تو نہیں؟ اس نے پریشانی سے سوال کیا: "مونسہ! تم اس قسم کی باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

مونسہ نے افسردہ دلی سے جواب دیا: "فتحی! ہم نے ایک دوسرے سے شادی کر کے سخت غلطی کی جس کی تلافی ناممکن ہے۔"

فتحی کو شاید کسی حد تک اس انکشاف سے خوشی بھی ہوئی۔ وہ مونسہ کو چاہتا تھا لیکن شہزادے کی رقابت کی وجہ سے اس کی بات نہ تھی۔ اس نے مونسہ کو اور زیادہ ٹٹولنا چاہا۔ پوچھا: "اگر تم واقعی یہ محسوس کرنے لگی ہو کہ جو کچھ ہوا اس کی تلافی ناممکن ہے تو پھر کیا تمہارا مشورہ ہے کہ ہمیں موجودہ تبدیلیوں کی فکر نہیں کرنی چاہیے اور جو خطرات ہم دونوں کے گرد منڈلانے والے ہیں ان سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے؟"

مونسہ نے جواب دیا: "موجودہ صورت حال کا مقابلہ ہمیں کس طرح کرنا پڑے گا، اس بات کا فیصلہ ہمیں الگ الگ کرنا ہے۔ تمہیں ان سے کس طرح عہدہ برآ ہونا ہے خود سوچو اور میں ان سے کس طرح نپٹوں گی، خود فیصلہ کروں گی کیونکہ ہم دونوں کے مفاد الگ الگ فیصلوں سے وابستہ ہیں اور کوئی ایسا اقدام جو ہم دونوں اتفاق رائے سے دونوں کے مفاد میں اٹھانا چاہیں گے، کسی نہ کسی کو نقصان پہنچا جائے گا؟"

فتح شاہ نے اس کا یہ مطلب لیا کہ شاید مونسہ شہزادے کے بجائے اس سے شادی کر کے پچھتا رہی ہے۔ اس نے سوچا، خوب، دونوں کا انداز فکر یکساں ہے، دونوں ایک ہی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ فتحی نے مونسہ کے پیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "تم نے جو فیصلہ بھی کیا ہوگا، اس کا تعلق تمہاری اپنی ذات سے ہوگا لیکن اس کا کیا ہوگا جس کے وجود میں میرا اپنا خون بھی شامل ہوگا؟"

مونسہ نے برہم ہو کے جواب دیا: "اس وجود کا فیصلہ بھی میں خود کروں گی کیونکہ اسے میں پرورش کر رہی ہوں اور یہ حق بھی مجھ کو حاصل ہے کہ اس نادان اور سوچ سمجھ سے محروم ذات کی بہتری کس بات میں ہے!"

فتح شاہ نے تلخی سے کہا: "اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھو گی لیکن ہاں شہزادگی کی تمنا یہ تمہاری ضرور ادھوری رہے گی!"

مونسہ نے غصے اور نفرت سے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ پیدا ہو گیا۔

بادشاہ نے صلابت خان کو شہزادہ کے قلعے میں نظر بند کرا دیا اور شہزادے سے کہا: "ہم نے صلابت خان کو اس لیے یہ سزا دی ہے کہ شاید یہی وہ شخص ہے جس نے ہم دونوں میں اختلاف پیدا کرایا اور بدگمانیاں پھیلاتا رہا!"

صلابت خان کی جگہ قاسم بیگ اور میرزا فتحی نامی دو امیر مقرر کیے گئے۔

بادشاہ نے میراں حسین کی دلہن کو لانے کا شاندار اہتمام کیا اور ایک مثالی جشن مسرت منعقد ہوا۔ ہر طرف کے در و دیوار روشن ہو گئے جیسے چراغوں کا جنگل اگ آیا ہو۔ خوشی کے شادیانوں نے ماحول کو بھی مخمور کر دیا۔ بیجاپور کے امرا اور معززین کی ایک جماعت میراں حسین کی دلہن کو احمد نگر پہنچانے آئی۔ اس تقریب میں لوگوں نے بڑھ چڑھ کے حصہ لیا۔ ان میں فتح شاہ بھی شامل تھا۔ مونسہ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ ان دنوں میں کئی بار تلخ و ترش باتیں بھی ہوئیں۔

میراں حسین نے فتح شاہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اس تقریب میں مونسہ کو ساتھ لائے لیکن مونسہ نے فتح شاہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ کہا: "فتحی! میرا کہیں جانا بھی کیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے گلے کا پھندا نہیں ہیں۔ اس تقریب میں تم تنہا شریک ہو، یا کیا جاتی ہوں اور اس سلسلے میں میں نے کیا فیصلہ کیا ہے یہ تمہیں کچھ عرصے بعد معلوم ہوگا!"

فتح شاہ خفا ہو کر چلا گیا اور کافی رات گئے تک باہر ہی رہا۔

میراں حسین رنگ رلیوں میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ کئی بار فتح شاہ کے ساتھ گھر بھی آیا لیکن مونسہ ہمیشہ ان دونوں سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتی رہی۔ فتح شاہ بادشاہ کا مصاحب تھا اور اب میراں حسین کی مصاحبت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ فتح شاہ کے نرم رویے نے شہزادے کو بھی نرم کر دیا اور وہ اس کا خیال رکھنے لگا۔

جب مونسہ بار بار بے رخی سے پیش آئی تو شہزادے نے فتح شاہ سے شکایت کی: "آخر مونسہ چاہتی کیا ہے؟"

فتح شاہ نے جواب دیا: "اس کا صحیح علم تو مونسہ ہی کو ہوگا لیکن جہاں تک میں سمجھا ہوں، پوری طرح وہ بھی نادم اور سرنگوں ہے۔ شہزادے کی مخالفت اور ناراضی شاید اسے بھی پشیمان رکھتی ہے؟"

شہزادے نے پوچھا: "پھر بات آگے کس طرح بڑھے گی؟"

فتح شاہ نے کرب و اذیت سے کہا: "بچے کی ولادت کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا!"

شہزادہ چپ ہو رہا۔ ایک دن فتح شاہ کی عدم موجودگی میں وہ مونسہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس دن مونسہ اس سے ذرا بھی نہ گھبرائی، مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ شہزادہ اس تبدیلی پر بہت خوش ہوا۔ اس نے مونسہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن مونسہ نے ہاتھ کھینچ لیا: "ابھی نہیں، ابھی نہیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

شہزادے نے بے پایاں خوشی کا اظہار کیا، بولا: "مونسہ! بیجاپور کے ابراہیم عادل ... بہن میری بیوی ہے اور خوش قسمتی سے آج کل مجھے اس کی آغوش بھی حاصل ہے لیکن ... تمہاری کمی برابر محسوس کرتا رہتا ہوں۔ تمہارے بغیر میری زندگی ناقص و نامکمل ہے!"

مونسہ کے پاس ایک ہی جواب تھا: "ایک ذرا صبر، کچھ توقف، ذرا انتظار!"

شہزادہ، اپنی پچھلی سختیوں اور غلطیوں پر شرمسار تھا، کہنے لگا: "مونسہ! میں ... زیادتیاں کی ہیں، ان پر شرمسار اور نادم ہوں کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی؟"

مونسہ کے چہرے پر اذیت اور دکھ کی لہریں ابھریں اور اس نے سرد آہ بھر کر ... جھکا لیا، بولی: "اب انھیں یاد نہ دلائیں تو بہتر ہے، جو گزر گیا سو گزر گیا جو ہو گیا اس کی تلافی معافی ... سے کس طرح ہو سکتی ہے؟"

شہزادے نے کہا: "لیکن میں تو خود کو مجرم اور گناہ گار ہی سمجھتا ہوں اور اندر ... احساس گناہ اس وقت تک مجھے پریشان ہی کرتا رہے گا جب تک تم مجھے معاف نہ کر دو گی!"

"یہ فضول باتیں ہیں!" مونسہ نے کہا: "اگر میں زبان سے تمہیں معاف بھی کر دوں گی تو ... سے دل کا کرب تھوڑے ہی دور ہو گا؟ میں اپنا کرب تو کسی سے معافی مانگ کر بھی دور ... نہیں کر سکتی!"

شہزادے نے اس کا ہاتھ ایک بار پھر پکڑنا چاہا لیکن مونسہ نے ایسا نہیں کرنے دیا ... شہزادے نے افسوس سے کہا: "کاش یہ فیصلہ تم نے پہلے ہی کر لیا ہوتا تو آج اس ... کرب اور بے چینی سے واسطہ نہ پڑتا!"

مونسہ نے جواب دیا: "یہ کرب تو انسان کا مقدر ہے اگر یہ دکھ نہ ہوتا تو کسی اور ... دکھ کا سامنا کرنا پڑتا!"

شہزادہ وہاں کچھ دیر اور ٹھہرا اس کے بعد واپس چلا آیا، اب اسے یہ اطمینان ... تھا کہ کچھ انتظار کے بعد آخر مونسہ اسے مل ہی جائے گی، اسے محرومی اور ناکامی سے سخت ... اور وہ اس کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو ہر وقت تیار رہتا تھا۔

مونسہ کو اور زیادہ تنہائی محسوس ہونے لگی، وہ خود کو شدت سے اکیلا محسوس کرنے ... لگی، بستر میں گر کر دیر تک آنسو بہاتی رہتی اور دل کا بوجھ تھا کہ آنسوؤں کا دریا بہا دینے کے بعد ... ہلکا ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ گھر کی نگہبانی اور نگرانی چند دربانوں کے سپرد تھی لیکن یہ دربان بھی ... زیادہ مستعد نہ تھے شہزادہ جب بھی اندر آنا چاہتا آ جاتا، وہ باتوں میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ ... کو روک سکتے اور کم ہمت خود مونسہ میں بھی ایسی جرأت کی کمی تھی۔

اندھیری رات میں فتحی شاہ مکان میں داخل ہوا تو وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ

ایک شخص اور تھا، یہ شخص لبادے میں لپٹا ہوا تھا اور چہرہ ایک بڑے رومال میں چھپا رکھا تھا فتحی نے سرگوشی میں مونسہ کو مطلع کیا کہ "بادشاہ اپنی منہ بولی بیٹی سے ملنے تشریف لائے ہیں!"

مونسہ احتراماً کھڑی ہو گئی، بادشاہ نے اس کے قریب پہنچ کے چہرے سے رومال ہٹا دیا اور بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا، مونسہ بھی سینے سے لگ کے زار و قطار رونے لگی، بالکل اس طرح جیسے لڑکیاں شوہر والے کے گھر جانے سے پہلے رویا کرتی ہیں۔

بادشاہ نے فتحی شاہ کو ہٹا دیا اور تخلیے میں مونسہ سے بات کرنے لگا۔ اس نے پوچھا "بیٹی اب تمہیں کوئی تکلیف ہے؟"

مونسہ جواب کے بجائے رونے لگی، بادشاہ نے پھر پوچھا: "تمہیں کوئی تکلیف ہے؟"

مونسہ نے بھرائی آواز میں جواب دیا: "کوئی ایک تکلیف ہو تو بتا بھی دوں، مجھے زمانے نے بڑے دکھ دیئے ہیں، میں کس کس کو بیان کروں؟"

بادشاہ نے سوال کیا: "کیا شہزادہ پھر یہاں آیا تھا؟"

مونسہ نے جواب دیا: "وہ اکثر یہاں آتا رہتا ہے اور پریشان کر کے چلا جاتا ہے!"

بادشاہ نے حیرت اور افسوس سے کہا: "وہ آخری بار کب آیا تھا؟"

"آج ہی اور کافی دیر پریشان کرتا رہا!" مونسہ برابر روئے جا رہی تھی۔

"وہ کیا کہتا تھا؟"

"کہتا تھا، میں اس سے شادی کر لوں!"

"ناخلف، بدمعاش، آوارہ!" بادشاہ گرجا: "بیٹی ہم نے اسے عاق کر دیا ہے لیکن اس کا اعلان ابھی نہیں کیا، عنقریب کر دیا جائے گا!"

مونسہ نے درخواست کی: "میں تو حضور والا سے یہ گزارش کروں گی کہ مجھے یہاں سے کہیں اور بھیج دیا جائے، ورنہ احمد نگر کی سرزمین تو میری خوشیوں کو ہضم کر چکی ہے!"

بادشاہ نے کہا: "مت گھبرا بیٹی تو مت گھبرا، ہم جلدی ہی تیری مصیبتیں ختم کر دیں گے ہم نے تیرے باپ چنگیز خان کے حق مارے جو ذہنی اور روحانی صدمہ اٹھایا ہے، یہ اسی کا اثر ہے کہ ہمارا کاروبار سلطنت کی طرف دل ہی راغب نہیں ہوتا اور دنیا حقیر نظر آتی ہے، ہم جب بھی دنیا کی طرف نظر کرتے ہیں تو دل اچاٹ ہو جاتا ہے!"

مونسہ دیر تک روتی رہی اور بادشاہ اسے تسلیاں دیتا رہا۔

چلتے وقت بادشاہ نے اسے ایک بار پھر یقین دلایا کہ "مونسہ! تو نہ گھبرا شہزادے کی چیرہ دستیوں اور زیادتیوں کا علاج سوچ لیا گیا ہے اب تجھے کیا کسی کو بھی اس کے ظلم و جور کا نشانہ نہیں بننا پڑے گا!"

مونسہ نے درخواست کی: "میں حضور والا سے ایک درخواست کروں گی، حضور والا میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

رہائش کے آس پاس خاردار درختوں اور جھاڑیوں کی باڑھ سی کر دیں۔ یہ جھاڑ اتنی گھنی ہونی چاہیے کہ کوئی اُسے عبور نہ کر سکے۔"

بادشاہ نے جواب دیا: "یہ کام کل ہی انجام پا جائے گا۔"

مونس نے دوسری درخواست کی: "شہزادے کو میری وجہ سے کوئی سزا نہ دی جائے۔"

بادشاہ نے چونک کے مونس کو دیکھا، پوچھا: "یہ کیوں؟ اس میں تیرا کون سا مفاد پنہاں ہے؟"

"نہیں،" مونس نے کہا: "غالباً شہزادے کے دوسرے کئی جرائم اتنے زیادہ ہیں کہ اگر شہزادے کو سزا دینا چاہیں گے تو اس سزا کے جواز میں مجھ پر بہت کام ہوں گے۔ یہ میرا معاملہ ہے، میں اپنا معاملہ خدا کے دربار میں لے جاؤں گی اور اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ سے طلب کروں گی۔"

بادشاہ نے شفقت سے مونس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا: "تو بڑے ظرف کی ہے بیٹی، ہم بھی ہیں، ہمارے اہم فیصلے کا انتظار کر۔"

بادشاہ محل واپس گیا اور فتح شاہ نے بادشاہ اور مونس کے درمیان ہونے والی بات چیت کی بابت دریافت کیا جس کا مونس نے کوئی خاص جواب نہیں دیا۔ مونس کو شاید پہلی بار یہ اختلاف ہوا کہ بادشاہ فتح شاہ پر اعتبار نہیں کرتا۔ فتح شاہ مونس کی مردم شناسی اور بے تکلفی سے کر رہا تھا لیکن وہ یہ خوب جانتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان بندر بانٹ … والی خلیج ان دونوں کا مقدر ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اسے جوں کا توں رہنا چاہیے۔

بادشاہ نے صلابت خان کے نائب مقام قاسم بیگ اور میرزا تغلق کو طلب کیا اور ان سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد بادشاہ نے کہا: "تم لوگ میراں حسین کو سمجھاؤ کہ زندگی صرف حکومت ہی کا نام نہیں ہے۔ وہ احمد نگر کا ولی عہد ہے، ہمارا کوئی بچہ دوسرا نہیں۔ کسی وقت بھی رخصت ہو سکتے ہیں، میراں حسین سے کہو ہماری صحبت میں رہ کر اسے امور مملکت سیکھنے ہیں، کاروبارِ سلطنت انجام دینا ہے۔" یہ کہتے کہتے بادشاہ کی آنکھیں بھر آئیں، وہ رونے لگا۔ پھر آئی آواز میں کہا: "میراں حسین ہمارا چہیتا بیٹا ہے، ہمیں اس سے عشق کی حد تک محبت ہے لیکن اس کا یہ حال ہے کہ ہمیں دیکھنے تک نہیں آتا۔ اپنی بیوی گلنار درجے کے مصاحبوں کے پاس ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ہم لوگ حکومت کے لحاظ سے میراں حسین کو سمجھاؤ کہ ہمارے پاس … ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسے بیٹے کے لحاظ سے پیار کرنا چاہتے ہیں۔"

قاسم بیگ اور میرزا تغلق بادشاہ کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور وعدہ کیا کہ وہ شہزادے کو ساتھ لے کے بہت جلد دربار میں حاضر ہوں گے۔

تیسرے دن دونوں شہزادے کو لے کر حاضر ہو گئے۔ بادشاہ نے شہزادے کو گلے لگا

اور آنسوؤں سے اپنی داڑھی اور شہزادے کی پشت تر کر دی۔ شہزادہ بھی رو دیا۔ فتح شاہ بھی اس وقت اشک بار ہو گیا۔ … حاضرین مجلس بھی برداشت نہ کر سکے، ان کے دل بھی بھر آئے۔ بادشاہ شہزادے سے پہلے سے زیادہ اور دوگنی شفقت کا اظہار کرتا رہا۔ اس نے پیار میں شہزادے کو قائل کیا کہ آخر احمد نگر پر شہزادے ہی کو حکومت کرنی ہے۔ ان دنوں بادشاہ کا قیام عمارت بغداد سے متصل ایک حجرے میں تھا۔ یہ آراستہ اور سجا ہوا حجرہ بڑا ہی دلکش تھا۔ بادشاہ نے شہزادے سے کہا کہ تم چند دن اسی حجرے میں رہو، تاکہ تمہیں امورِ مملکت سکھائے جا سکیں اور امورِ سلطنت چلانے کے گر بتائے جا سکیں۔"

شہزادہ باپ کی مہربانیوں پر بہت خوش تھا۔ رات کو بادشاہ شہزادے کے حجرے میں دیر تک موجود رہا۔ بادشاہ نے شہزادے کو سو جانے کا حکم دیا اور خود نماز پڑھنے لگا۔ بادشاہ دیر تک نماز پڑھتا رہا۔ شہزادہ باپ کے تقرب سے بہت متاثر تھا اور دیر تک شفقت کرنے کے بعد سو گیا۔ کافی دیر بعد جب بادشاہ کو شہزادے کے سو جانے کا یقین ہو گیا تو وہ مصلے سے اٹھا اور شہزادے کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے شہزادے پر … ڈال دی اور … شہزادہ گہری نیند میں سویا ہوا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حجرے کی … جس پر آگ … سکتی تھی شہزادے کی مسہری کے آس پاس پھیلا دیں اور سب کے آخر میں اس نے … کونوں سے کپڑوں میں آگ لگا دی اور پھرتی سے بھاگ کر حجرے سے نکل آیا۔ حجرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور عمارت بغداد میں … ہو گیا۔

سارے کمرے میں دھواں پھیل گیا اور یہی دھواں جب شہزادے کی ناک میں داخل ہوا تو اسے کھانسی آنے لگی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنے آس پاس بہت ساری چیزیں جلتی ہوئی دیکھیں، سارے کمرے میں دھواں بھر چکا تھا۔ وہ مسہری سے کود کے دروازے کی طرف بھاگا اور اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ تو باہر سے بند تھا۔ شہزادے نے دروازے پر مکوں کی بارش کر دی اور زور زور سے چیخنے لگا لیکن یہ آوازیں عمارت بغداد تک بھی نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

فتح شاہ، بادشاہ سے رخصت ہو کے اسی حجرے کے قریب سے گزرا۔ اس نے حجرے کے اندر آگ لگی دیکھی اور دروازے کے پیچھے شہزادے کی چیخ و پکار کی آوازیں بھی سنیں۔ اسے شبہ گزرا کہ یقیناً یہ حرکت بادشاہ کی ہے۔ وہ گویا بھاگا دروازے تک پہنچا۔ وہاں اندھیرے میں کوئی اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔ پھر اس نے جلدی سے دوسرے محلات … بادشاہ نے اس حجرے کو شہزادے کو مار دینے کے لیے ہی تو پسند کیا تھا۔ چپکے سے فتح شاہ نے سوچا کہ جل کر مر جائے تو … اگر وہ اس وقت شہزادے پر احسان کرے گا تو شہزادہ اس کا زندگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

پھر لعمان مند بیٹھ گیا۔ اس نے دروازے سے کان لگا دیئے اور سرگوشی سے پوچھا: "کیا بات ہے؟"
شہزادے نے بے چینی سے کہا: "دروازہ کھولو، خدا کے لئے دروازہ کھول دو، رسول کے
خاطر، جناب امیر کا واسطہ، ائمہ دوازدہ کے صدقے میں، چہاردہ معصومین کے صدقے میں!"
فتحی شاہ نے آس پاس دیکھ کر چپکے سے دروازہ کھول دیا۔ شہزادے نے باہر نکلتے ہی اپنے
محسن کو نظر بھر کے دیکھا اور بے ساختہ گلے لگا کے بولا: "فتحی! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔
اب تم مجھے قاسم بیگ اور میرزا النقی تک پہنچا دو تاکہ میں ان شریف آدمیوں کو یہ بتا سکوں کہ دیکھو میرے
ظالم اور دغاباز باپ نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے!"
فتحی شاہ نے دروازہ پھر بند کر دیا اور شہزادے کو قاسم بیگ اور میرزا النقی کے پاس
پہنچا دیا۔ ان دونوں نے بھی بادشاہ کی یہ حرکت بالکل پسند نہ کی اور شہزادے کو خاموشی سے دولت آباد
روانہ کر دیا۔ فتحی شاہ کو تینوں نے منع کر دیا کہ شہزادے کی دولت آباد کی روانگی کو ہر طرح راز میں رکھا
جائے۔ فتحی شاہ نے واقعی اس واقعے کو راز میں ہی رکھا، حد تو یہ ہے کہ اس نے اس کا ذکر مونس تک سے
نہ کیا۔ تیسرے دن بادشاہ نے فتحی شاہ کو فخریہ بتایا کہ اس نے ظالم و جابر شہزادے کو پھونک دیا۔ فتحی
نے نہ خوشی کا اظہار کیا نہ غم کا، بس خاموش رہا۔ بادشاہ چلتے ہوئے حجرے میں داخل ہوا، وہاں جلی ہوئی
چیزوں کی راکھ کا ڈھیر موجود تھا۔ توشک، لحاف اور مسہری کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بادشاہ نے چند ادھ جلی چیزیں
بھی دیکھیں اور معلوم نہیں کس طرح اس شبہے میں مبتلا ہو گیا کہ شہزادے کو نکال دیا گیا ہے۔
اس نے فتحی شاہ کو قاہرانہ نظروں سے گھورا اور پوچھا: "اس رات ہماری صحبت سے اٹھ کر جانے
والے تم آخری آدمی تھے۔ سچ سچ بتاؤ کہیں تم نے اسے نکال تو نہیں دیا؟"
فتحی شاہ تھر تھر کانپنے لگا لیکن فرد جرم سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے غصے میں ایک طمانچہ
رسید کیا اور بولا: "ہمیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ تمہاری موت تمہارے گرد منڈلا رہی ہے۔ جرم کا اعتراف کر لو
ورنہ اس جرم میں جو دوسرے لوگ شریک ہیں، ہم انہیں گرفتار کر کے بطور تمہارے سامنے پیش کر کے تمہیں شناخت
کرا دیں گے!"
فتحی شاہ ڈر کے سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ بادشاہ نے چیخ کر کہا۔
"دغا باز و غدار، نمک حرام۔ اب تیرے کئے کا پھل آ رہا ہے، تو دیکھ لے کہ اب تو جلانے کے لائق ہے!"
بادشاہ نے فتحی شاہ کو گریبان سے پکڑ لیا اور عمارت بغداد میں واپس آگیا۔ وہاں اس نے
قاسم بیگ اور میرزا النقی کو بھی طلب کیا اور ان کا جرم ان کے علم میں لایا گیا۔ یہ دونوں بھی غصے سے
کانپنے لگے۔
بادشاہ نے چلا کے کہا: "صلابت خان کو واپس لایا جائے اور انہیں معزول سمجھا جائے۔"
فتحی شاہ نے آہستہ سے عرض کیا: "حضور! اس ناچیز کو جو بھی سزا دینا چاہیں دے لیں۔ میں

ہنسی خوشی بھگتنے کو تیار ہوں لیکن ایسی غلطی ہرگز نہ کیجئے کہ دو امرا کی موجودگی میں کسی معزول امیر کو ان
موجود امرا کے منصب کے لئے طلب کر لیا جائے۔ یہ دونوں بھی دشمن ہو جائیں گے اور دشمن کو اور دشمن
بنا دیں گے!"
بادشاہ نے اس مشورے کو پسند کیا اور قاسم بیگ اور میرزا النقی سے کہا: "تم لوگ بدستور کام
کرتے رہو۔ جس شخص کو ایک مرتبہ معزول کر دیا گیا اب اسے بلانا کیا مطلب رکھتا ہے!" پھر اس نے پوچھا:
"اچھا تم لوگ ہمیں یہ تو بتاؤ کہ ان دنوں میراں حسین ہے کہاں؟" امرا نے لاعلمی کا اظہار کیا اور بولے
"یہاں سے نکال دینے کے بعد ہم البتہ گمان کر سکتے ہیں، احمد نگر سے نکل کر شہزادہ کہاں گیا، ہمیں بالکل نہیں معلوم۔"
فکر مند بادشاہ عمارت بغداد میں بیٹھ کر میراں حسین کو ٹھکانے لگا دینے کے منصوبے بناتا رہا۔
اس واقعے کی خبر فتحی شاہ نے جب مونس کو سنائی تو اس نے کوئی دلچسپی نہ لی، بولی: "شاہوں کے
محل میں ایسے ہی کھیل کھیلے جاتے ہیں، کوئی خاص بات نہیں!"
فتحی شاہ نے پوچھا: "ہمارے گھر کے آس پاس یہ خاردار درختوں کی نہایت گھنی جھاڑ
کس نے کھڑی کی؟"
مونس نے جواب دیا: "میں نے بادشاہ سے درخواست کی تھی۔ بادشاہ نے آدمی بھیج دیئے
جو یہ کام کر کے چلے گئے!"
فتحی شاہ نے پوچھا: "لیکن اس کا فائدہ یا اس کا مطلب، غرض و غایت؟ میں سمجھا نہیں!"
مونس نے جواب دیا: "اس طرح چوری چھپے آنے والوں کا راستہ بند ہو گیا ہے۔ تم خود بھی
حفاظت کا خیال نہیں کرتے۔ میں نے سوچا یہ مسئلہ خاص میری ذات سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے حل بھی
مجھ کو کرنا چاہیے!"
کچھ دنوں کے لئے بظاہر احمد نگر کی سیاست پر جمود طاری ہو گیا لیکن اندر ہی اندر سازشیں
پھیلتی رہیں۔ امرا نے بادشاہ کو دیوانہ تسلیم کر لیا تھا اور ان کی ہمدردیاں شہزادے کے حق میں تھیں۔ ان
کا شہزادے سے رابطہ قائم تھا اور وہ درپردہ شہزادے کو یقین دلا رہے تھے کہ اسے بہت جلد احمد نگر
کے تاج و تخت کا منصب دلایا جائے گا۔
مونس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ فتحی شاہ بہت خوش ہوا لیکن مونس بدستور اداس ہی رہی۔
محلہ کو وہم و ورع پر تھا اور مکان کے گرد قائم کئے ہوئے جھاڑ جھنکار کے حصار میں اضافہ ہی ہوتا جا
رہا تھا یہاں تک کہ اس کے گرد کے گھر میں داخلہ تک محال ہونے لگا۔
اسی دوران بادشاہ کو کھانے میں زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ بچ گیا۔
لیکن دوست ایسے آئے کہ بادشاہ کی صحت تباہ ہو گئی۔ ایک دن بادشاہ بیت الخلا سے نکل کر عمارت
بغداد میں بیٹھا تھا کہ ہلکا سا شور اٹھا۔ بادشاہ نے فتحی شاہ سے کہا: "ذرا باہر نکل کے معلوم کرو
یہ شور کیسا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

فتی شاہ باہر نکل گیا اور اس کے جاتے ہی چالیس پچاس سپاہی ننگی تلواریں لیے بادشاہ کے حجرے میں داخل ہو گئے۔ ان میں سب سے آگے شہزادہ تھا۔ بادشاہ گھبرا گیا۔ شہزادہ غصے میں آگے بڑھا اور تلوار کی نوک باپ کے پیٹ کی طرف بڑھائی۔ بادشاہ گھبرا کے لیٹ گیا اور ہتھیلیوں سے تلوار سے پیٹ بچانے کی کوشش کی۔

شہزادے نے تلوار کی نوک پیٹ پر رکھ دی اور دانت پیستا ہوا بولا: "جی چاہتا ہے کہ تلوار اتنی زور سے دبا دوں کہ یہ دوسری طرف نکل جائے!"

بیمار اور کمزور بادشاہ نے پھٹی پھٹی نظروں سے شہزادے کو دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھر کے کہا: "مردود اور عاق شدہ فرزند! ہم چند روزہ مہمان ہیں تو ہمیں قتل کر کے کیوں عذاب خداوندی مول لینا چاہتا ہے۔ اگر جی میں آئے تو رحم کر، ورنہ جو سمجھ میں آئے کر گزر، ہم تجھ سے التجا نہیں کریں گے۔"

شہزادے نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا: "بادشاہ کو حفاظت سے لے جا کر حمام میں پہنچا دیا جائے!"

بیس پچیس سپاہی آگے بڑھے اور نہایت بے ادبی سے بادشاہ کا گریبان پکڑ کر اسی طرح کھینچتا گھسیٹتا نیچے حمام میں لے گیا۔ شہزادے نے بادشاہ کو حمام میں دھکیل کر اس کے دروازے بند کر دیے اور پاسبانوں کو حکم دیا: "حمام کے تمام سوراخ تک بند کر دیے جائیں اور جس آگ جلائی جاتی ہے وہ دھیمی نہ ہونے پائے۔" کافی ... نے کہا: "حمام میں پانی کا ایک بوند بھی نہیں ہونا چاہیے۔" حمام کے نگران نے جواب دیا: "بہتر ہے۔ وہاں پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے!"

حمام کی جالیوں میں ایک جالی ... شہزادہ حمام کے دروازے سے کان لگائے باپ کی آہ و زاری سنتا رہا ... اس کے چہرے پر شام کی سیاہی کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ باپ کی آہ و زاری اور فریاد پر وہ ہونٹوں کو بھینچ کر بولا: "آج تجھے کندے سے ... کیا تو نے بھی سزا دینے کی کوشش نہیں کی تھی؟"

رجب کی ۱۴ تاریخ تھی اور ۹۹۶ھ۔ صبح کے وقت شہزادہ باپ کو جلتا چھوڑ کے تاج و تخت سنبھالنے چلا گیا۔ فتی شاہ اب باپ کے بجائے بیٹے کا مصاحب ہو چکا تھا۔ شہزادے نے فتی کو تشکر آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "فتی! میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا!"

فتی شاہ نے جواب دیا: "میری جان بھی آپ پر قربان ہو سکتی تو میں دریغ نہ کرتا!"

شہزادے نے تھوڑے سے توقف کے بعد پوچھا: "اور وہ مونسہ کیسی ہے؟"

فتی شاہ نے کہا: "مجھے یاد دلا دیا ہے۔ ایک ننھا سا بچہ اس کی گود میں ہے۔ حضور جب چاہیں بلا لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی حضور کو دیکھنا پسند کرے ... سکتا ہے!"

شہزادے نے پوچھا: "اس سلسلے میں خود مونسہ کا کیا خیال ہے؟"

فتی نے جواب دیا: "وہ تو یہی کہتی ہے کہ دعا یا بچہ مجھے نصیب دے گی!"

شہزادے نے کہا: "یہ تو اچھا ہی ہے۔ اس طرح بچے کی پرورش شاہی محل میں ہو گی جو بچے کے مستقبل کے لیے بڑی اچھی بات ہو گی!"

فتی شاہ چپ ہو رہا۔ شہزادے نے کہا: "تم مونسہ کو میری طرف سے بتا دو کہ میں پرسوں بعد دوپہر اسے لینے آ رہا ہوں!"

فتی شاہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن آواز گلے میں پھنس گئی۔ اسے اس وقت مونسہ سے اپنی محبت کا صحیح اندازہ ہوا۔

شہزادے نے پوچھا: "تم چپ کیوں ہو گئے؟"

فتی نے جواب دیا: "معلوم نہیں کیوں، آواز حلق میں پھنس کے رہ گئی!"

شہزادہ ہنسنے لگا۔

فتی شاہ نے گھر جا کے پہلے تمام مونسہ کو شہزادے کے ارادے سے مطلع کیا۔ مونسہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی رہی۔

فتی شاہ نے پوچھا: "مونسہ! تم نے کوئی جواب نہیں دیا!"

مونسہ نے کہا: "میں کیا جواب دوں۔ تم نے جو فیصلہ کر دیا ہے، کیا میں اس سے انکار کر دوں؟"

فتی شاہ نے کہا: "نہیں میں تو یہ نہیں کہہ رہا لیکن مجھے افسوس بہت ہو رہا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے مونسہ کی زلفیں ہاتھ میں لے کر سونگھنے کی کوشش کی لیکن مونسہ جھٹک کے دور جا بیٹھی۔ فتی نے پوچھا: "مونسہ! کیا تم ناراض ہو گئیں؟"

مونسہ نے جواب دیا: "نہیں تو!"

فتی نے کرب سے پوچھا: "پھر تم مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو؟"

مونسہ نے جل کر جواب دیا: "ابھی آخر میں کو تم خود ہی دوسرے کے حوالے کر دینے والے ہو۔ پھر اب اس سے دور ہی رہنا بہتر ہے!"

فتی شاہ نے کہا: "شہزادہ پرسوں آئے گا۔ اس وقت تک ہم دونوں خوب اچھی طرح لپٹ لپٹ کے رو کیوں نہ لیں؟"

مونسہ نے دل جلے انداز میں کہا: "رونا ہو تو تم رو لو۔ میں کیوں رونے لگی؟ دو دن بعد میں ملکہ ہو جاؤں گی۔ احمد نگر کی ملکہ کہلاؤں گی۔ تم میرے دربار کے ایک ادنیٰ مصاحب رہ جاؤ گے۔ رونا تو تمہیں چاہیے!"

اور فتی شاہ واقعی رو دیا۔ وہ ایک کونے میں جا کے دیر تک روتا رہا۔

آخری رات فتی شاہ سو نہیں سکا لیکن مونسہ سوتی رہی۔ اس کے چہرے کا اطمینان فتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کے لئے صبر کا سبب بن گیا، رات کئی بار بچہ رو دیا لیکن مونسہ کی آنکھ نہیں کھلی، مجبوراً فتحی کو اٹھنا پڑا اور بچے کو گود میں لے کر دیر تک ٹہلتا رہا، جب وہ آخری بار بچے کو چپ کرا کے لٹا رہا تھا تو اسے محسوس ہوا کہ مونسہ جاگ رہی ہے کیونکہ اس نے فتحی شاہ کو پاس آتے دیکھ کر اپنی ادھ کھلی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

فتحی شاہ نے اُسے آواز دی: "مونسہ!"

مونسہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فتحی شاہ بھی چپ ہو رہا۔ صبح دونوں چپ چاپ ایک دوسرے سے الگ تھلگ، اجنبی اجنبی سے رہے۔ فتحی شاہ نے گھر سے نکلتے ہوئے دبی ہوئی آواز میں کہا: "مونسہ! میں دوپہر بعد شہزادے کے ساتھ آؤں گا، تم اس وقت تک ذرا اچھے کپڑے پہن لینا!"

مونسہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ فتحی شاہ نے زور دے کے پوچھا: "مونسہ! کیا تم نے میری بات سن لی؟"

مونسہ نے کھوئی کھوئی اچاٹ نظروں سے فتحی کو دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

فتحی شاہ کے چلے جانے کے بعد اس نے ایک دربان کو بھیجی دیکھا۔ وہ چلا گیا، دوسرے دربان سے کہا: "تم مکان کے اندر آنے کا راستہ بھی بند کر دو!"

اس نے حکم کی تعمیل کر دی۔ دربان جھاڑ جھنکار کے اس پار ہی کھڑا رہ گیا۔ مونسہ نے اس کی طرف ہُن (سونے کے سکے) کی ایک تھیلی پھینکی اور کہا: "دیکھو وہ لوگ جیسے ہی تمہیں نظر آئیں، تم پکار کے مجھے مطلع کر دینا اور خود کہیں ٹل جانا!"

دربان ان عجیب و غریب احکام کو توجہ اور حیرت سے سنتا رہا۔

مونسہ نے اسی دن وہی کپڑے پہنے جو شادی والے دن پہنے تھے، ساتھ میں اپنے بچے کو بھی اچھے اچھے کپڑے پہنا دیئے اور دونوں کا انتظار کرنے لگی۔

دوپہر کے بعد جھاڑ جھنکاڑ کے قریب آ کے دربان نے پکار لگائی: "جن کا انتظار تھا، آ رہے ہیں!"

مونسہ جیسے تیار بیٹھی تھی، دربان کو حکم دیا: "اب تم بھاگ جاؤ!"

دربان فوراً بھاگ گیا۔ مونسہ نے جلدی جلدی جھاڑ جھنکاڑ میں آگ لگا دی اور خود بچے کو لے کے چھت پر چڑھ گئی اور وہاں فتحی شاہ اور شہزادے کا انتظار کرنے لگی۔ خشک لکڑیوں نے آگ کو بہت جلد دور تک پھیلا دیا۔

شہزادہ، فتحی شاہ، پستہ قامت مصاحب اور بعض دوسرے ادباشوں کے ساتھ مکان کے سامنے پہنچا تو اپنے اور مونسہ کے درمیان آگ کا سمندر حائل دیکھا، ذرا سی دیر کے لئے سبھی کی عقلیں چکرا گئیں، اچانک ان کی نظر بالائی چھت پر کھڑی ہوئی مونسہ پر پڑ گئیں۔

فتحی شاہ نے چیخ کر پوچھا: "مونسہ! یہ کیا ہے؟"

مونسہ نے ہنس کے جواب دیا: "آگ کا سمندر!"

"مذاق مت کرو۔ مجھے بتاتی کیوں نہیں کہ یہ سب کیا ہے؟" فتحی شاہ چیخ رہا تھا!

مونسہ نے تحقیر آمیز لہجے میں چلا کے جواب دیا: "پانی کے سمندر میں تم نے میری آبرو لٹوا دی تھی، اس وقت میں تمہارے اختیار میں تھی لیکن اس سیاہ ترین سانحے کے بعد میں نے تمہارے سہارے کا خیال دل سے یک لخت نکال دیا۔ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں بتا دیا تھا کہ اب میرے معاملات کا فیصلہ تم نہیں کرو گے، میں خود کروں گی!"

شہزادے نے خوشامدانہ کہا: "مونسہ! اگر تم میرا نہیں تو اپنے شوہر ہی کا خیال کرو اور خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کرو! اپنے بچے پر رحم کرو!"

مونسہ نے غصے اور صدمے سے بھرائی ہوئی آواز میں چیخ کر جواب دیا: "شہزادے! یہ شخص جو تیرے برابر کھڑا ہوا ہے، میرا شوہر نہیں ہے، یہ صرف مصاحب ہے، یہ پہلے تیرے باپ کا مصاحب تھا، اب تیرا مصاحب ہے۔ پہلے میں بھی اسے شوہر سمجھتی تھی لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص محض مصاحب ہے تو میں نے اس کے شوہر ہونے کی غلط فہمی دل سے نکال دی!" پھر اس نے اپنے بچے کو دونوں ہاتھوں میں سنبھال لیا، بولی: "اور یہ بچہ! معلوم نہیں کس کا بچہ ہے، تیرا یا تیرے مصاحب کا؟ ان بے غیرتوں کے بچے کو جنم دینے پر مجبور ہو گئی تھی، لیکن چونکہ اس میں میرا خون بھی شامل ہو چکا ہے اس لئے میں یہ کبھی بھی گوارا نہ کروں گی کہ اسے بے غیرتوں کے حوالے کیا جائے!"

پھر اس نے بچے کو ہوا میں اچھال کے آگ میں جھونک دیا۔ دہکتی ہوئی آگ میں اس کی ننھی سی چیخ جگر کا لاوا بن گئی! اس کے بعد وہ خود بھی چھت کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ سسکیاں لیتی ہوئی بولی: "تم لوگ کتنے بے وقوف ہو، تم نے جنگجو خان جیسے غیرت مند امیر کی بیٹی کو بے غیرت کیوں سمجھ لیا تھا! تم دونوں مجھ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے رہے، اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے تو آؤ میرے پیچھے میرے ساتھ آؤ!"

یہ کہتی ہوئی وہ خود بھی آگ میں چھلانگ لگا گئی۔ آگ کے شعلے ماں بیٹے کو آناً فاناً ہضم کر گئے۔

فتحی شاہ گھوڑے سے اُتر کر سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

شہزادے نے فتحی شاہ کو وہیں چھوڑا اور پستہ قامت مصاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "کیا یہ پاگل تھی؟ یہ غیرت کیا شے ہے؟ کیا یہ حکومت اور اقتدار سے بھی بڑی کوئی شے ہے؟ عجیب بے وقوف تھی یہ لڑکی! میں تو اسے احمد نگر کی ملکہ بنا کے رکھتا!"

شہزادہ اپنے مصاحبوں کو ساتھ لے کے واپس ہوا، پستہ قامت مصاحب نے فتحی شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: "اور حضور والا! یہ فتحی شاہ؟ کیا یہ ساتھ نہیں جائے گا؟"

شہزادے نے رحم دلی کا مظاہرہ کیا، کہا: "فی الحال اسے یہیں رہنے دو، اسے خاک نشین پر دو آنسو بہا لینے دو!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

فنیقی بنیادی طور پر صناع اور تاجر تھے۔ یہ شیشے اور دھات کے سامان، مٹی کے ظروف، اسلحہ، اونی اور سوتی کپڑے اور زیورات وغیرہ کی تیاری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ ان کے شہروں میں کپڑے کے کارخانوں کی بہتات تھی، اپنے مال کی منڈیوں کی تلاش میں یہ دور دراز علاقوں کی سیاحت کرتے رہتے تھے۔ بحیرۂ روم کے جزائر اور ساحلی علاقوں کے علاوہ یہ ہندوستان اور جنوبی بحر اوقیانوس کے افریقی ساحلوں تک تجارتی دھاوے مارا کرتے تھے۔ کامیاب صنعت کاری، تجارت اور جہازرانی کی وجہ سے یہ لوگ اپنے عہد کی دولت مند ترین قوم شمار کیے جانے لگے۔ دولت کی ادس نے انہیں بہت زیادہ چالاک اور عیار بنا دیا تھا۔ اس راہ میں، مطلب براری کی خاطر یہ جھوٹ اور مکر و فریب سے بھی باز نہ آتے تھے۔ دولت کمانے میں ان کا کوئی جواب نہ تھا، اس سلسلے میں یہ نت نئی ترکیبیں سوچتے اور اس پر عمل درآمد میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہ محسوس کرتے۔ بحر روم کے بیشتر جزائر انہی کے تسلط میں تھے اور جن جزائر پر انہیں جزوی تسلط حاصل تھا، اس پر پوری طرح قابض ہو جانے کی تدبیریں سوچا کرتے تھے۔ یہ چالاک اور ذہین قوم اس راز سے بھی واقف تھی کہ کامیاب تجارت اور جہازرانی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پس پشت ایک طاقتور فوجی نظام بھی موجود ہو جو تجارت اور جہازرانی کی پشت پناہی کرتا رہے، انہوں نے اس ضرورت کو بھی پورا کر دیا اور ایک زبردست عسکری قوت وجود میں لے آئے۔

ان دنوں فنیقیوں کا جزیرۂ سسلی پر جزوی قبضہ تھا۔ سسلی کے مغربی کنارے کو ہ اَرکس میں یہ لوگ ایک مدت سے آباد اور حکمران تھے کوہ ارکس ان کا وطن نہیں تھا، یہ فنیقیوں کی نو آبادی تھی۔ ان کا اصل وطن تو قرطاجنہ تھا۔ جزیرۂ سسلی کے جنوب میں بحر روم کے اس پار، افریقہ کے ساحل پر قرطاجنہ آباد تھا۔ اور یہی قرطاجنہ ان کا مستقر اور مرکز تھا۔ تاہم ان کی بستیاں قائم تھیں اور یہیں سے بحر روم کے جزائر، ہندوستان اور مصر

کفن بردوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

ادقیانوس کے ساحلی مقامات پر تجارتی سامان برائے فروخت بھیجا جاتا تھا۔ ساری دنیا کی دولت ڈھل ڈھل کر قرطاجنہ پہنچ رہی تھی۔ جس سے فنیقیوں کی خوشحالی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ یہ ۳۴۰ قبل مسیح کا واقعہ ہے

سسلی کے کوداکس میں قرطاجنہ کی حکومت کی طرف سے ہمل کربرقہ حکمران تھا۔ قرب وجوار کے علاقوں کے لئے جو سامانِ تجارت قرطاجنہ سے کوداکس کی نوآبادی میں بھیجا جاتا' اس کے لوٹ لیئے جانے کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا کیونکہ سسلی کے مشرقی حصے سیراکیوز اور مغربی کنارے پنادرس کی حکومتیں رومن ایمپائر کی مدد سے اپنی بحری قوت میں اضافے کر رہی تھیں' قرطاجنہ کے تجارتی جہاز سیراکیوز اور پنادرس کے بیڑوں سے بچتے بچاتے کوداکس کی ہلالی خلیج میں داخل ہو کر سکون کا سانس لیتے۔ کوداکس کے حکمران ہمل کربرقہ نے اس مستقل دردِ سر کا یہ علاج دریافت کیا کہ کسی طرح پورے سسلی پر ہی قبضہ کیوں نہ کر لیا جائے، قرطاجنہ کی بالادست قوت نے ہمل کربرقہ کو فوجی کارروائی کا اختیار بھی دے دیا لیکن ان کی بدقسمتی سے سسلی کی مشرقی سیراکیوزی حکومت نے ہمل کربرقہ کی طرف سے منڈلانے والے خطرات کی بو قبل از وقت ہی محسوس کر لی اور طاقت ور جمہوریہ روما سے فوجی امداد کے طالب ہوئے، جمہوریہ روما نے ان کی درخواست منظور کر لی اور جب فنیقیوں نے جنگ کا بگل بجایا تو سیراکیوز کی حمایت میں جمہوریہ روما کی فوجی مداخلت نے نہایت فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ فنیقیوں نے میدان اپنے ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر صلح کی درخواست کی' رومیوں نے شکست خوردہ فنیقیوں کے سامنے نہایت شرمناک اور جابرانہ شرائطِ صلح رکھ دیں۔ قرطاجنہ کی حکومت نے رومیوں کے پاس معاہدہ صلح کے لئے جن لوگوں کو بھیجا تھا ان میں کوداکس کا ہمل کربرقہ بھی شامل تھا فنیقی وفد کو اس صلح نامے کے ذریعے یہ حکم دیا گیا کہ وہ جلد از جلد کوداکس کی نوآبادی چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں اور ہمل کربرقہ نے اپنی کمزوری کے پیشِ نظر رومیوں کا یہ حکم مان لیا۔

کوداکس کی ہلالی خلیج میں فنیقیوں کے خالی جہاز پہنچنے لگے اور اپنے ہم قوموں کو لے کر قرطاجنہ واپس جانے لگے۔ بحیرہ روم میں منڈلاتے ہوئے سیراکیوزی' پنادرسی اور جمہوریہ روما کے طاقت ور بحری بیڑے کوداکس کے مہاجرین کی رخصتی کا نظارہ ہنس ہنس کر اور کبھی کبھی ذلت آمیز قہقہے لگا کر کرتے رہے' انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ سسلی ان عیار اور چالاک تاجروں کے وجود

سے پاک ہوا جا رہا ہے۔

اسی کھسیانی ہوئی شکست خوردہ قوم کا ایک جہاز پنادرس کی ایک قدرے غیر آباد بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا' اس چھدری آبادی کے لوگ ساحل پر اس لیے جمع ہونے لگے کہ ان بھگوڑے دولت مندوں کا ایک نظارہ بھی دیدار کر لیں، فنیقی تاجر ہنس ہنس کے اور ہاتھ ہلا ہلا کے ان سے باتیں کرنے لگے۔ مقامی آبادی کے لوگ ان کے حوصلے اور قوتِ برداشت سے بہت متاثر ہوئے ان کے کچھ لوگ فنیقیوں کے جہاز پر پہنچ گئے اور جہاز میں مختلف قسم کے سامانوں کا ذخیرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ خوش نما، دل کش اور آرائش و زیبائش کو چار چاند لگا دینے والے سامان کی زیارت نے ان مقامی ناظرین کے دلوں میں جذبۂ طمع بیدار کر دیا۔ فنیقیوں نے غیر معمولی کشادہ دلی اور سخاوت کا مظاہرہ کیا' کسی نے شیشے کا مرتبان مانگا تو بے چون و چرا وہ مرتبان کوئی قیمت لیے بغیر اس شخص کے حوالے کر دیا گیا۔ کسی نے اونی چادر پسند کی تو یہ بھی بلا قیمت اسے دے دی گئی' کچھ لوگ مٹی کی دل کش اور منقش صراحیاں لے گئے۔ اس داد و دہش کا بڑا شہرہ ہوا اور آبادی کا بیشتر حصہ عورتوں اور بچوں سمیت ڈھل کر جہاز پر پہنچ گیا یہ سب حرص و طمع کے مارے لوگ بیانیہ لئے جہاز میں داخل ہوتے تھے کہ اپنی قسمت اور اپنے حصے کی چیزیں کوئی قیمت ادا کیے بغیر لے کر ہنسی خوشی واپس آجائیں گے لیکن وہاں ان کی بدقسمتی کوئی اور ہی تماشا دکھانے پر تلی ہوئی تھی۔

چالاک اور عیار فنیقیوں نے جب یہ دیکھا کہ آبادی کا بہت بڑا حصہ ان کے جہاز میں داخل ہو چکا ہے تو انہوں نے جہاز کا لنگر اٹھا دیا۔ مقامی لوگ تھوڑی دیر تک تو کچھ سمجھ ہی نہ سکے لیکن چند ساعتوں کے بعد ان کے کان کھڑے ہوئے۔ ساحل پر کھڑے ہوئے عزیزوں اور دوستوں نے لنگر اٹھاتے اور ساحل سے دور ہوتے ہوئے فنیقی جہاز کو دیکھ کر چلانا شروع کیا اس شور غل سے فنیقی ڈرے کہ کہیں کسی حریف کا جہاز ان کا پیچھا نہ کرے، انہوں نے چند مقامی آدمیوں کو جہاز کے عرشے پر کھڑا کر کے ملائمت اور اخلاق سے درخواست کی کہ وہ اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کو چلا کر مطلع کر دیں کہ ہم ان کے ہم وطن اور ہم قوم افراد کو سمندر کی ہوا کھلا کے اور تحفے تحائف دے کر بہت جلد ساحل پر اتار دیں گے۔ بھولے بھالے سادہ لوح لوگوں نے فنیقیوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

خصم یا خواہش کی حرف بہ حرف تعیین کر دی۔

کئی گھنٹے بعد ان پر یہ تلخ حقیقت منکشف ہوئی کہ فنیقیوں کا جہاز کہیں رکے بغیر تیزی سے قرطاجنہ کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے۔ انھوں نے بد حواس ہو کر شور غل اور داد ویلا مچایا تو جہاز کے ملاح نے انہیں ڈانٹ دیا اور دھمکی دی کہ اگر انھوں نے اپنی زبان بند نہ رکھی، اور بدستور شور غل کرتے رہے تو وہ مجبوراً انہیں بحیرۂ روم کے حوالے کر دے گا۔ فنیقیوں کی خوش اخلاقی ان کے دلوں اور چہروں سے رخصت ہو چکی تھی اور ان کے چہروں سے ایک عجیب سی بے مروّتی اور سنگ دلی عیاں تھی۔

گرفتاروں نے ایک جگہ جمع ہو کر اس نئی اور ناگہانی افتاد پر صلاح مشورے شروع کر دیے۔ انھوں نے ایک سب سے زیادہ عمر رسیدہ شخص کو اپنا نمائندہ بنا کے جہاز کے ملاح کے پاس بھیجا۔ لمبی اور طوطے جیسی ناک والا یہ ستر بہتر سالہ بوڑھا اپنے کاندھے پر کالی چادر ڈالے سر جھکائے ملاح کے نزدیک پہنچا، جہاز کے جو فنیقی کسی ناگہانی خطرے کے پیش نظر ننگی تلواریں اور لیے ادھر ادھر پھر رہے تھے، ملاح نے لوہے کی لاٹھی پکڑ رکھی تھی، اپنے سامنے ستر بہتر سالہ بوڑھے کو دیکھ کر ملاح نے ناگواری سے سوال کیا۔ "کیا بات ہے؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

بوڑھے نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ "میرے ہم قوم پوچھ رہے ہیں کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے؟"

"قرطاجنہ!" ملاح نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین پر، جہاں تانت دیوی کا مندر ہے اور جہاں مقدس پیرسا کی چوٹی پر کرت دیوتا ہم سب کا انتظار کر رہا ہے!"

بوڑھے نے ذرا سکوت اختیار کیا، وہ کسی ذہنی الجھن میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا، ہچکچاہٹ سے سوال کیا۔ "ہمیں ہمارے وطن کب واپس پہنچایا جائے گا؟"

ملاح ہنسنے لگا۔ بولا۔ "کیا تمہیں ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آبادی شہر کا دیوتا مل کرت تم سے سخت ناراض ہے، تم لوگوں نے جمہوریہ کے مفاد کے خلاف کر ہمیں گھر سے بے گھر کیا، ہمارا کاروبار تباہ کر دیا۔ ہمیں کرواکس سے بے دخل کر دیا، ہم نے اپنے قیمتی مکان اور سامان وہیں چھوڑ دیے اور ہمیں ایک

معاہدۂ صلح کے طفیل جتنے نقصانات اٹھانے پڑے ہیں، کیا ان کی تلافی ہو سکتی ہے۔ کیا وہ نقصانات پورے کیے جا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ہمیں بدرجہ مجبوری یہ ناگوار قدم اٹھانا پڑا ہے، اس سے ہمارے نقصانات کی کسی حد تک تلافی ہو جائے گی!"

بوڑھا وحشت سے تیز تیز سانسیں لینے لگا اور اس کے ناک کی لو سرخ ہو گئی۔ تقریباً روہانسی آواز میں بولا۔ "میرا وطن، میرا گھر، میرا خاندان، کیا اب میں ان میں سے کسی ایک سے بھی نہ مل سکوں گا؟"

ملاح نے جواب دیا۔ "شاید نہیں کیونکہ ہمیں خود بھی یہ نہیں معلوم کہ تمہارے آقا، تمہارے مالکان دنیا کے کس خطے میں پلتے جاتے ہیں اور تمہیں اپنی بقیہ زندگیاں کہاں اور کس کی غلامی میں گزارنا ہیں!"

بوڑھے پر لرزہ سا طاری ہونے لگا، خوف، مایوسی اور مذلت کا لرزہ، روکھی سی آواز میں بولا۔ "دیوتاؤں نے ہمارے آئندہ دنوں کے لیے جو ذلتیں اور رسوائیاں مقرر کر دی ہیں، ان سے کوئی کس طرح اور کہاں بھاگ سکتا ہے؟ پھر بھی کیا یہ شرافت کا تقاضا نہیں ہے کہ تم ہمیں ان فیصلوں سے مطلع کر دو جن کا تم نے ہمیں مستحق قرار دیا ہے!"

ملاح نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "قرطاجنہ کی مجلس اقتدار ہی کوئی فیصلہ کر سکتی ہے لیکن اتنی سی بات تو ہم بھی جانتے ہیں کہ تم سب کو ایک نہ ایک دن غلاموں کی طرح کسی نہ کسی بازار میں بک جانا پڑے گا کیونکہ ہم اسی طرح اپنے نقصانات کی کمی کسی حد تک پوری کر سکتے ہیں!"

بوڑھے کی آنکھوں کے سامنے تتلیاں سی اڑنے لگیں، انتہائے یاس اور احساس ذلت سے دل ڈوبنے لگا اور جہاز، ابابیلیں، جہاز اور جہاز کا ساز و سامان گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ پوری قوت سے چیخا۔ "ہائے میرا وطن، ہائے میرا کنبہ، ہائے میرے آباؤ اجداد کے قبرستان، کیا میں پردیس میں مروں گا؟ اُف اُف آہ!"

اس دلدوز آواز میں بھی ملاح کے لیے تفریح اور لذت کا عنصر موجود تھا، وہ ہنسنے لگا۔ وہ اس مخبوط الحواس اور یاس زدہ بوڑھے سے شاید کچھ کہتا بھی لیکن بوڑھا بے ہوش ہو کر گر گیا اور ملاح حیرت سے اس بزدل اور کم ہمت بوڑھے پر افسوس کرنے لگا۔

٭

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

قرطاجنہ کے بازار میں جبری غلاموں کو بیچ کر جہازیوں نے جو کچھ کمایا اس کے حصے بخرے میں بڑی الجھنیں پیش آئیں کیونکہ یہ لوگ اپنے حصے میں ایک دوسرے سے زیادہ کے خواہش مند تھے۔ اگر قرطاجنہ کے چند بڑے لوگ بر وقت مداخلت نہ کرتے تو شاید خون خرابا ہو جاتا۔ انھوں نے آپس میں لڑنے جھگڑنے والوں کو یہ کہہ کر ڈانٹا کہ "تمہاری یہی نا اتفاقیاں ہی تو تھیں جنھوں نے ہمیں کو وارکس چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔"

جہاز کے ملاح نے کہا: "میں اپنے حصے کی رقم میں زیادہ کا مطالبہ اس لیے کر رہا ہوں کہ ان غلاموں کی اسیری اور تجارت کا منصوبہ سب سے پہلے میرے ذہن میں آیا تھا اور شروع سے آخر تک اس معاملے کا نگران اور عمل کار میں ہی رہا ہوں!"

شہر کے محافظ نے ملاح سے اتفاق کیا اور اسے غلاموں کی کل قیمت میں سے چوتھائی کا مستحق قرار دے دیا۔ بوڑھا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بازار میں سڑک کے کنارے کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔ اس کے سامنے اور آس پاس کی قوم کے نوجوان لڑکے لڑکیاں، جوان اور بوڑھے مرقع عبرت بنے ایک دوسرے تھے۔ بوڑھوں کی قیمتیں بہت کم لگ رہی تھیں کیونکہ ان کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ یہ لوگ اول تو کام کے لائق ہی نہیں رہ جاتے اور جو کام کے لائق رہتے بھی ہیں تو ان میں پائی جانے والی قنوطیت اور مایوسی انھیں اس لائق نہیں رکھتی کہ وہ اپنے فرائض دل جمعی، لگن اور مستعدی سے انجام دے سکیں۔ قیمتیں لگانے والے اس کے قریب آتے اور جھریوں زدہ چہرہ دیکھ کر آگے بڑھ جاتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بوڑھے لوگ کوئی بڑے نازک اور اہم کام کے لائق نہیں رہ گئے۔ بوڑھے نے اپنے سامنے سے گزرنے والے کئی امیروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "لوگو! مجھے خرید لو۔ میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہیں عقل و دانش کی باتیں بتاؤں گا!"

ایک ادھیڑ عمر گٹھے جسم کے مالک نے بوڑھے کی درخواست پر غور کیا اور اس کا مول تول کرنے لگا۔ بات طے پا گئی، سودا ہو گیا اور بڑے میاں اس ادھیڑ عمر شخص کی غلامی میں چلے گئے۔ بعد میں خریدنے والے کو بڑی پریشانیاں اٹھانا پڑیں کیونکہ بڑے میاں کا بیشتر وقت وطن کی طرف منہ کر کے رونے اور بین کرنے میں گزر جاتا تھا۔ ادھر سے فرصت پاتے تو چپکے چپکے فینیقیوں کو کوستے رہتے جنھوں نے اس کی قوم کے بہت سارے لوگوں

دھوکے سے اپنا غلام بنا ڈالا تھا۔

بیرسا کی چوٹی پر بل کرت دیوتا کا شاندار بت رکھا تھا۔ اسی مندر کے دوسرے حصے میں تانیت دیوی براجمان تھی۔ شام سے ذرا پہلے وہاں ایک زبردست اجتماع ہوا۔ اپنے ادھیڑ عمر مالک کے ساتھ بوڑھے کو بھی وہاں جانا پڑا۔ مندر کے آس پاس بڑے بڑے درختوں کی قطاریں لگی تھیں، انہی کے جھنڈ میں بل کرت دیوتا اور تانیت دیوی کا مندر تھا۔ بوڑھے کے ذمے یہ خدمت لگی گئی کہ وہ معزز حاضرین کو پانی پلاتا رہے۔ ان معززین میں ہاملکر برقہ بھی اپنے بیٹے ہینی بال کے ساتھ شامل تھا۔ ہینی بال اس وقت آٹھ سال کا رہا ہو گا۔ ہملکر برقہ کو وارکس سے بے دخل ہو جانے کی صورت میں جو بے عزتی اور ذلت اٹھانی پڑی تھی، دل پر اس کا زخم تازہ تھا اور یہ اس وقت تک مندمل نہیں ہو سکتا تھا جب تک وہ خود بھی جمہوریہ روما کو ذلیل اور شرمسار نہ کر لے گا۔ بیرسا کی نواحی بندرگاہ سے لائے جانے والے غلاموں کو یہاں بطورِ خاص رکھا گیا تھا اور ان سے کمتر درجے کی خدمات لے کر یہ قرطاجنی تاجر اپنے نفس کو تسکین دینا چاہتے تھے۔ یہاں اس بوڑھے کو بہت سے ہم وطنوں، دوستوں اور عزیزوں کے چہرے نظر آئے ان میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے جو اپنے قرطاجنی آقاؤں کی جوتیاں سنبھالے مندر کی سیڑھیوں کے نیچے کھڑے تھے۔ مندر کی سیڑھیوں پر دونوں طرف پجاری عورتیں معززینِ شہر کا پُرتکلف اور دل کش مسکراہٹوں سے استقبال کر رہی تھیں اور سروں کے اوپر وہ کبوتریاں منڈلا رہی تھیں جنھیں تانیت دیوی کے نام پر چھوڑا گیا تھا۔

اس بوڑھے کو جب کبھی موقع ملا، اس نے اپنے ہم وطنوں کو سرگوشی میں یہ یاد دلا دیا کہ انھیں یہاں مستقل نہیں رہنا ہے، ایک نہ ایک دن واپس ضرور جانا ہے کیونکہ یہ بیرسیوں کا وطن نہیں ہے، ان کا وطن تو یہاں سے دور بحیرہ روم کے اس پار سسلی کے مغربی کنارے پر ہے۔ اس نے اپنے ہم وطنوں کو بتایا کہ وطن کی خوشگوار اور مرطوب ہوائیں ان کی یاد میں آوارہ و سرگرداں ہوں گی اور وطن کے لوگ ان کی یاد میں آہیں بھر رہے ہوں گے۔ اس نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ رات کے پچھلے پہر نیم غنودگی میں اس نے اپنے دور افتادہ ہم وطنوں کو روتے اور سسکیاں بھرتے سنا ہے۔ اس نے اپنے ہم وطنوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ قرطاجنہ کی ذلیل سرزمین میں مر کر دفن ہونا بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ UNEURDU.COM

پسند نہ کرے گا کیونکہ یہاں اس کے عزیزوں اور بزرگوں کی قبریں نہیں ہیں۔ عالم میں اس نے ایک بچے کو مندر کی نچلی سیڑھی پر سسکیاں بھرتے دیکھا۔ بے چین ہو کر بچے کے پاس پہنچا اور اس کا سر اوپر اٹھا کے پوچھا۔ "بیٹے تم رو کیوں رہے ہو؟"

بچے نے سرخ سرخ سوجی آنکھوں سے بوڑھے کی طرف دیکھا اور ... سے جواب دیا۔ "کیا تم اپنی غلامی پر قانع ہو گئے ہو؟"

بوڑھے نے گھبرا کر جواب دیا۔ "نہیں تو۔ غلامی پر کوئی حساس اور غیرت مند انسان آخر کس طرح قانع ہو سکتا ہے!"

"پھر تم مجھ سے رونے کا سبب کیوں دریافت کر رہے ہو؟" بچے نے بوڑھے کو شرمسار کر دیا۔

بوڑھا کچھ دیر تک اس غیرت مند بچے کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میرے ... ابھی تھوڑی دیر پہلے تک میں اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اپنے غلام ہم وطنوں میں، میں سب سے زیادہ حساس اور غیرت مند شخص ہوں لیکن تجھ سے مل اور تیری باتیں سن کر میرا یہ پندار ٹوٹ گیا۔" پھر خوشی اور فخر کے جذبے سے ... "ہم میں جب تک تیرے جیسے سمجھدار اور غیرت مند بچے موجود ہیں میری قوم ... نہیں ہو سکتی!"

بچے نے کہا۔ "میں اپنے بزرگوں کی عقل مندی اور حوصلے کی امید پر غلامی کے دن گزار رہا ہوں، اب دیکھنا یہ ہے کہ تم لوگ کب اور کس طرح ہمیں ... سے نکال لے جانے میں کامیاب ہوتے ہو!"

بوڑھے نے شرمساری سے کہا۔ "ہم یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش تو ضرور کریں گے لیکن اگر موت کی دہلیز پر کھڑی ہوئی ہماری عمریں ہمیں یہ موقع نہ دیں تو تم ہم پر لعن طعن کبھی نہ کرنا کیونکہ زندگی کو طول دینا ہم فانی انسانوں کے اختیار میں نہیں ہے، یہ دیوتاؤں کا کام ہے جب ہم مر کر دیوتاؤں کی سرزمین میں چلے جائیں تو اس وقت یہ تمہاری فرض داری ہو گی کہ تم اس ظلم و جبر کی سرزمین میں ہمیشہ کے لئے نہ رہ پڑو، تمہیں یہاں کی رنگینیاں اور دلکشیاں ہرگز ہرگز غلامی پر قانع نہ ہو جانے دیں اور تمہیں زندگی کی ہر آتی جاتی سانس میں یہ یاد رکھنا ہو گا کہ تم قرطاجنہ کے باشندے نہیں ہو اور تمہارا اس سرزمین پر عارضی قیام ہے، آج ایک نہ ایک دن یہاں سے چلا جانا ہے!"

بچے نے پھر سر جھکا لیا۔ رقت زدہ لہجے میں بولا۔ "میں اپنے باپ، ماں اور بہن بھائیوں کو کس طرح بھلا سکتا ہوں، یہ میری زمین نہیں ہے، یہ میرا وطن نہیں ہے، میں اس جگہ سے کس طرح محبت کر سکتا ہوں!"

تھوڑی دیر بعد ان غلاموں کو شراب کی صراحیوں اور بھیڑوں کے ساتھ بل کرت دیوتا کے روبرو پہنچنے کا حکم دیا گیا۔ ان میں بوڑھا بھی شامل تھا۔ بوڑھے کے دونوں کاندھوں پر شراب کی صراحیاں رکھ دی گئیں اور وہ انہیں لے کر بل کرت دیوتا کے روبرو پہنچ گیا۔ مندر کے صحن میں دھوپ بکھری ہوئی تھی اور سورج کی تمازت سر چٹخا دے رہی تھی، اس تمازت میں لوگوں کا ازدحام اور زیادہ شدت پیدا کر رہا تھا۔ اسی مجمع میں اس نے ہمل کربرقہ اور اس کے آٹھ نو سالہ بیٹے ہنی بال کو کھڑے دیکھا، ہمل کربرقہ کبھی سسلی میں، اس کے بڑوں کے کھو دار کس پر حکومت کر چکا تھا۔ اس وقت وہ بہت اداس تھا، غمگین اور فکر مند چہرے پر کچھ کھو دینے کے شدید احساس نے دکھ کی تیرگی سی پھیلا دی تھی۔ ہمل کربرقہ کے ایک طرف اس کے کاندھے سے کاندھا ملائے بوڑھے کا ادھیڑ عمر آقا کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بوڑھے کو قریب بلایا، پھر یہ لوگ، لوگوں کے ہجوم اور دھوپ کی تمازت سے بچنے کی خاطر مندر کے اس حجرے میں چلے گئے جہاں بل کرت دیوتا کا بت رکھا تھا۔ صراحی بردوش بوڑھا ان کے ساتھ، دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔ برقہ خاندان کے بعض دوسرے سرکردہ بھی ہمل کربرقہ کے ہمراہ تھے۔ ان کے پیچھے چند غلام قربانی کی بھیڑوں کی رسیاں پکڑے حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ ہمل کربرقہ کے حکم پر ایک بھیڑ کے چاروں پیر ایک رسی سے باندھ دیئے گئے اور اس بندھی ہوئی بے بس بھیڑ کو بل کرت دیوتا کے قدموں میں ڈال دیا گیا۔ مجبور بھیڑ نے سر پٹخ اور پیروں سے فرش کو گھسنا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن پیروں کے بندھے ہونے کی وجہ سے وہ اٹھ نہیں سکی۔ ہمل کربرقہ دو قدم آگے بڑھا اور قربانی کے گنڈاسے کی ایک ضرب سے بھیڑ کا سر الگ کر دیا۔ خون کی دھار اڑ اڑ کر بل کرت دیوتا کے قدموں کو رنگین کرنے لگی۔ اس کے بعد ہمل کربرقہ نے بوڑھے کے کاندھے سے صراحیاں لے لیں اور یکے بعد دیگرے دونوں صراحیوں کی شراب دیوتا کے جسم پر انڈیل دی۔ ان رسوم کی ادائیگی کے دوران ننھا ہنی بال باپ کے قریب ہی موجود رہا۔ دیوتا کو بھیڑ کی قربانی دینے اور شراب میں نہلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

چھلکنے کے بعد ہمل کربرقہ نے مندر میں موجود لوگوں کو حکم دیا کہ وہ سب اور پیچھے ہٹ جائیں حکم کی فوراً ہی تعمیل کر دی گئی۔ ہمل کربرقہ نے ننھے ہینی بال کا ہاتھ پکڑا اور قربان گاہ سے متصل لے گیا وہ دونوں دیوتا کے قدموں میں دو زانو بیٹھ گئے۔

ہمل کربرقہ نے اپنا ایک ہاتھ دیوتا کے قدموں میں اور دوسرا بھیڑ کی مردہ پشت پر رکھ دیا اور قسم کھائی۔ "مقدس بل کرت! آبادیوں اور شہروں کے دیوتا! ہمیں نئی زمین اور نئے شہر عطا فرما اور روم کو تباہ و برباد کرنے کی قوت دے!" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ پھر اس نے اپنے ہینی بال کا ہاتھ قربانی کی بھیڑ پر رکھ کر حکم دیا۔ "ہینی بال! قسم کھاؤ اگر میں روم کو تباہ و برباد نہ کر سکا تو میرا عہد تم پورا کر دکھاؤ گے!"

ہینی بال نے ایک نظر باپ پر ڈالی' جذبات سے بھرائے باپ کے چہرے کی کیفیت خود اس کے چہرے پر طاری ہو گئی' اس نے گردن جھکا لی اور قسم کھائی۔ "رومیوں کی تباہی اور بربادی میری زندگی کا نصب العین اور اہل قرطاجنہ کی ترقی میرا مقصد ہو گا اگر میں اپنے عہد سے پھر جاؤں تو اے بل کرت دیوتا! تمہیں اختیار ہو گا کہ مجھے تباہ و برباد کر دو!"

ہمل کربرقہ نے اسی جگہ اپنے بیٹے کو اس فیصلے سے آگاہ کیا کہ وہ نامعلوم نئی زمینوں کی تلاش میں عنقریب روانہ ہو جائے گا کیونکہ کوہ اطلس کو عبور کر دینے کے بعد کسی اور نو آبادی کی دریافت اور اقتدار ضروری ہو گیا ہے۔ اس نے بیٹے سے دریافت کیا۔ "ہینی بال کیا تم اس سفر میں بھی میرے ساتھ جانا پسند کرو گے؟"

ہینی بال نے تائید میں گردن ہلائی۔ پنارسی بوڑھا اس عہد و پیمان کو غصے سے برداشت کر رہا تھا۔

اس عہد و پیمان کے کچھ دنوں بعد بوڑھے پنارسی کی نگرانی میں ایک خوفناک بغاوت نے جنم لیا' یہ بغاوت آناً فاناً پھیلتی چلی گئی' یہاں تک کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہو گئے جو غیر افریقی ہونے کے باوجود قرطاجنہ کی فوج میں ملازم تھے اور انہیں ماہ بہ ماہ تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں' اور وہ غریب کاشت کار اور دست کار بھی بغاوت میں شامل ہو گئے جو قرطاجنہ کی حکومت کو بھاری محصول ادا کرتے کرتے تنگ آ چکے تھے' یہ آگ اتنی تیزی سے بھ

اس نے اتنا بڑا علاقہ گھیر لیا کہ قرطاجنہ اور اس کے حاکموں اور تاجروں کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا۔ بغاوت زدہ علاقہ ہمل کربرقہ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ ہمل کربرقہ نے افریقہ کے لومڑیوں کو فوج میں لے لیا۔ اور مقامی اور شامی وفادار سپاہ کو لے کر باغیوں کے گرد گھیرا تنگ کرنے لگا۔ ہاتھیوں کی قطاریں فوج کے آگے آگے تھیں' ہاتھیوں پر چمڑے کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں' ان دیو پیکر جانوروں اور نومدیہ کے بے جگر شہسواروں نے باغیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ باغی مجبوراً اپنی قوت کو مجتمع کر کے کھلے میدان میں آ گئے۔ ہمل کربرقہ چاہتا بھی یہی تھا۔ اس نے باغیوں پر ہاتھیوں کی قطاریں چھوڑ دیں اور جو ہاتھیوں کی روندن سے بچ گئے انہیں ہمل کربرقہ کی سیاہ نے تلواروں کی دھار اور برچھیوں کی نوک پر رکھ دیا اور ایک بڑی تعداد گرفتار کر لی گئی۔ قرطاجنہ سے مختلف اندرونی علاقوں میں جانے والی سڑکوں پر صلیباں گاڑی گئیں اور ان میں باغیوں کو لٹکا دیا گیا' وہ پنارسی بوڑھا جو اس بغاوت کا اصل بانی تھا۔ ہمل کربرقہ کے ہاتھ نہیں آیا تھا اور اس کے نوجوان شکاری کتوں کی طرح اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ بوڑھا بچتا چھپتا قرطاجنہ کی بندرگاہ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اس کی دوسری کوشش یہ ہوتی کہ کوئی غیر افریقی جہاز ساحل پر آ جاتے تو وہ کسی طرح اس میں سوار ہو جاتے اور یا کسی بھی ممکنہ طریقے سے وہ جہاز کے ملاح کو ساتھ لے جانے پر آمادہ کر لے۔

پندرہ سولہ دن ادھر ادھر روپوش رہنے کے بعد وہ ایک پتھریلے مکان کی حدود میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دن پیرسا کی چوٹی پر زمین کے بت تانیت کا کوئی میلہ ہو رہا تھا اور آبادی کے بیشتر لوگ وہیں گئے ہوئے تھے' بوڑھا جس پتھریلے مکان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے عقبی حصے میں ایک اجاڑ مگر گنجان باغ تھا اور مختلف قسم کے بڑے بڑے درختوں نے اندھیرا کر رکھا تھا۔ انہی میں وہ خاردار جھاڑیاں بھی تھیں جو ایک وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھیں اور جنہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا' وہ مکان کی پتھریلی دیواروں کی آڑ لیتا ہوا باغ میں داخل ہو گیا اور اسے اس جگہ کا سرسری جائزہ لینے کے بعد صحیح فیصلے تک پہنچنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی۔ اس کا فیصلہ یہ تھا کہ کسی بھی طرح خطرناک خاردار جھاڑیوں میں پناہ لینا ہے' خواہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کوشش میں اس کا جسم چھلنی ہی کیوں نہ ہو جاتے، موت تو ہر طرح اس کے تعاقب میں تھی۔ اگر پکڑا جاتا تو قتل کیا جانا یقینی تھا اور اگر خاردار جھاڑیوں میں کوئی زہریلا کیڑا اسے کاٹ لیتا، تب بھی موت یقینی تھی لیکن اگر خوش قسمتی سے جھاڑی کے کسی کیڑے نے اسے نہیں کاٹا تو نوکیلے کانٹے اسے زخمی کر کے لہو لہان ہی کر سکتے تھے اور وہ کچھ اذیت جھیل کر زندہ تو رہ سکتا تھا۔ رہا کھانے پینے کا مسئلہ تو اس پر اطمینان سے غور کیا جا سکتا تھا۔ اس فیصلے کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا خاردار جھاڑیوں کی طرف بڑھا لیکن عین اس وقت جب وہ باغ میں داخل ہو چکا تھا اس نے اپنے پیچھے کسی کے

بھاگ کر آنے کی آہٹ محسوس کی، وہ ٹھٹھک کر رک گیا اور پلٹ کر دیکھا۔ ایک گیارہ بارہ سالہ لڑکا اس کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ پارسی بوڑھا گھبرا گیا۔ اس نے تشویش سے زمین کا جائزہ لیا، وہاں ادھر ادھر مختلف قسم اور وزن کے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ لڑکا جیسے ہی اس کے قریب آئے گا، وہ اسے کسی پتھر کی بھرپور ضرب سے ہلاک کر دے گا کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یہ لڑکا اسے گرفتار کرا دے گا لیکن یہ لڑکا جیسے جیسے قریب ہوتا گیا۔ پارسی بوڑھے کا جوش اور غصہ ٹھنڈا پڑتا گیا کیونکہ یہ لڑکا وہی پارسی خدمت گار تھا جو اسے کچھ عرصے پہلے پیر سائیں جوگی پر بل کرتے دیکھتا کی سیڑھیوں پر ملا تھا۔

بوڑھے نے لڑکے سے کہا۔ "فیقی کتنے میری تلاش میں ہیں، مجھے ان خاردار جھاڑیوں میں چھپ جانے دو!"

لڑکے نے کہا۔ "آؤ میں تمہیں ایک ایسی جگہ چھپا دوں کہ تم آرام سے روپوش رہو اور موقع ملتے ہی یہاں سے نکل جاؤ۔"

بوڑھے کی جان میں جان آئی اور ذرا سے تامل کے بعد لڑکے کی بات مان لی۔

لڑکے نے اسے خام مال کے اس گودام میں چھپا دیا جہاں گھر والے شاذ و نادر ہی جایا کرتے تھے اور اس گودام سے مال نکالنے اور رکھنے کا کام اسی لڑکے کے ذمے تھا۔ لڑکے نے بوڑھے کو یہاں چھپا دیا اور اسے یقین دلایا کہ اسے کھانا پینا یہیں ملتا رہے گا لیکن اگر کسی وقت ناظر ہو جائے تو لڑکا اسے معاف کر دے کیونکہ ایسا کسی خطرے ہی کی گھڑی میں ممکن ہوگا۔

ایک دن جب یہ لڑکا گودام میں داخل ہوا تو بوڑھے نے اس سے چند متوقع سوالات کیے، سب سے پہلے تو اس نے لڑکے سے نام پوچھا۔ "میں نے تمہارا نام تو پوچھا ہی نہیں!"

لڑکے نے جواب دیا۔ "فلبی، یوں پورا نام فلباس ہے!"

بوڑھے نے دوسرا سوال کیا۔ "اس گھر میں اور کون رہتا ہے؟"

"گھر کا مالک، اس کی بیوی، ایک لڑکی زیغو۔ ایک لڑکا بھی تھا جو پچھلی بغاوت میں مارا گیا!"

بوڑھے نے ذرا پریشانی سے سوال کیا۔ "لڑکی کی عمر کیا ہے؟"

"یہی کوئی دس گیارہ سال!" لڑکے نے جواب دیا۔ "کیوں؟"

بوڑھے نے فکرمندی سے پوچھا۔ "تمہیں وہ لڑکی اچھی لگتی ہے؟"

"ہاں اچھی کیوں نہیں لگتی؟" لڑکا ان سوالات سے پریشان تھا۔ "کیوں؟ کوئی خاص بات؟"

"کیا وہ لڑکی بھی تمہیں پسند کرتی ہے؟"

"ممکن ہے پسند کرتی ہو لیکن یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے نفرت نہیں کرتی!"

بوڑھے کے کان کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔ "تم دونوں آپس میں بے تکلف بھی ہو گے؟"

"ہاں خاصے بے تکلف ہیں اور اسی لڑکی کے طفیل میری اس گھر میں نوکروں یا غلاموں جیسی حیثیت نہیں رہی، اب میں اس گھر کا ایک فرد سمجھا جاتا ہوں!"

بوڑھے نے خوف زدہ انداز میں پوچھا۔ "تم نے اس لڑکی سے میرا ذکر تو نہیں کیا؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "زیغو بری لڑکی نہیں ہے، وہ میری باتیں کسی اور کو نہیں بتاتی!"

بوڑھے نے تلخی سے کہا۔ "میرے سوال کا جواب دو، تم نے اس لڑکی سے میرا ذکر تو نہیں کیا؟"

لڑکے نے کسی قدر ہچکچا کر جواب دیا۔ "نہیں!"

لیکن جھوٹ اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا۔ اس نے راز داری کا وعدہ لے کر زیغو کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

بوڑھے نے غصے اور خفگی سے کہا۔ "لڑکے تم نے یہ بہت برا کیا۔ تم نے مجھے میرے دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ میں نے تم پر اعتماد کر کے زندگی کا بدترین فریب کھایا ہے!"

لڑکا کھانے پینے کا جو سامان بوڑھے کے لیے لے گیا تھا۔ بوڑھے نے اسے نفرت سے واپس کر دیا۔

لڑکے نے جھک کر بوڑھے کے پیر پکڑ لیے، روتا ہوا بولا۔ "میں اپنی غلطی پر شرمسار ہوں، مجھے معاف کر دو!"

بوڑھے کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بولا۔ "فلبی! تم میرے بچے ہو میرے وطن کے بیٹے! میں تم سے کس طرح نفرت کر سکتا ہوں، تم نے لڑکپن کی سادگی میں بہت بڑی غلطی کی ہے اور اس غلطی پر میں تم سے نفرت نہیں، تم پر افسوس کر سکتا ہوں!"

فلبی نے بڑی کوشش کی کہ وہ کچھ کھا پی لے لیکن پارسی بوڑھا اپنی ضد اور انکار پر آخر تک قائم رہا۔

بوڑھے کا خدشہ بالکل صحیح نکلا، اسے اہل کربرقہ کے آدمیوں نے خام مال کے گودام سے برآمد کر لیا۔ فلبی خاموش تماشائی بنا اس کی گرفتاری کا منظر دیکھتا رہا۔ زیغو اس کے پاس کھڑی تھی۔ جب اہل کربرقہ کے آدمی پارسی بوڑھے کو ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے گودام سے باہر لائے تو اس کے کولہے سے خون کا فوارا چھوٹ رہا تھا۔ اہل کربرقہ گودام کے باہر کھڑا اس نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے قریب داہنی طرف ہیبی پال کھڑا تھا۔

سپاہیوں نے بوڑھے کو بے دردی سے اہل کربرقہ کے سامنے ایک جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔

اہل کربرقہ نے پوچھا۔ "یہ اس کے کولہے سے خون کیسا بہہ رہا ہے؟"

ایک سپاہی نے جواب دیا۔ "جب ہم لوگ گودام میں داخل ہوتے تھے تو یہ خطرے کا صحیح اندازہ لگا کے خام مال کے نیچے چھپ گیا تھا، ہم لوگ خام مال میں نیزے چبھو چبھو کر تلاش کر رہے تھے، اس تلاش میں ہمارا ایک نیزہ اس کے کولہے میں آ گیا اور جب ہم نے نیزا کھینچ کر باہر نکالا تو اس کی انی خون میں تر تھی!"

تکلیف سے نڈھال بوڑھے نے حاضرین کو دیکھا، پھر اس نے فلبی پر

نظریں گاڑ دیں اور کرب سے چلایا۔ "مجھے اس کا غم نہیں ہے کہ میں گرفتار کر لیا گیا اور کچھ دیر بعد اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا جاؤں گا۔ افسوس ہے تو صرف اس بات کا کہ میں ہمیشہ کے لیے اجنبیوں کی زمین میں دفن ہو جاؤں گا!"

فلبی نے زیغو کو شکایت آمیز نظروں سے دیکھا اور آہستہ سے پوچھا۔ "کیا اس کی مخبری تم نے کی تھی؟"

زیغو نے معصومیت سے جواب دیا۔ "ہاں! کیونکہ تم اسے یہاں کب تک چھپائے رکھتے، ایک نہ ایک دن تو یہ پکڑا ہی جاتا، میں نے سوچا یہ خبر تمہارے والد کو میں خود ہی کیوں نہ دے دوں کیونکہ اس طرح تم ہمارے وفادار کہلاؤ گے؟"

فلبی نے خاموشی اختیار کر لی۔ بوڑھا بدستور بڑبڑا رہا تھا۔ "معصومیت کی غلطی قابل معافی ہے لیکن جو لوگ جوان ہو کر بھی اپنے آباؤ اجداد کی زمین کو بھلا دیں ان پر میں دیوتاؤں کی لعنت بھیجتا ہوں!"

اہل کربرقہ نے نہایت سنجیدگی سے بوڑھے کا مقدمہ فیصل کر دیا۔ تماشائیوں کے ہجوم میں اہل کربرقہ نے دو گھڑ سواروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑوں کی دو بالمقابل ٹانگوں میں بوڑھے کی ایک ایک ٹانگ باندھ دیں، اہل کربرقہ کے حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد دونوں سوار اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اہل کربرقہ کے دوسرے حکم پر دونوں گھڑ سوار یکساں رفتار سے متوازی بھاگنے لگے۔ بوڑھے کا پتھروں اور کنکریوں سے رگڑ کھاتا ہوا جسم لہولہان ہونے لگا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے بعد دونوں گھوڑوں نے اچانک دو مخالف سمتوں میں بھاگنا شروع کر دیا اور ایک جھٹکے سے بوڑھا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ تماشائی فرط جوش میں خوشی سے نعرے لگانے لگے۔

فلبی اداس اور چپ چپ گھر واپس ہوا۔

زیغو نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اس واقعے سے دکھ پہنچا؟"

فلبی نے جواب دیا۔ "اس سے میں خوش بھی نہیں ہوا!"

اس وقت زیغو کے باپ نے فلبی کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔ "فلبی! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ اگر تمہاری مدد شامل حال نہ ہوتی تو یہ بوڑھا کبھی بھی پکڑا نہ جا سکتا!"

فلبی نے کوئی جواب نہیں دیا مگر اس کے کانوں میں بوڑھے کی آواز اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

بھی کو نج رہی تھی: "معصومیت کی غلطی قابلِ معافی ہے لیکن جو لوگ جوان ہو کر بھی اپنے آبا و اجداد کی زمین بھلا دیں، ان پر میں دیوتاؤں کی لعنت بھیجتا ہوں!"

زیفو کے باپ نے فلبی کو تسلی دی اور اسے یقین دلایا کہ اگر وہ اہلِ قرطاجنہ کا اسی طرح وفادار رہا تو اسے بہت جلد وہی حقوق حاصل ہو جائیں گے جو انہیں حاصل ہیں۔

زیفو اس کی خاموشی سے پریشان تھی۔ جب اس کا باپ چلا گیا تو اس نے غصے سے کہا: "اب تمہارا یہی وطن ہے اور تم اسی زمین کے باشندے ہو، تمہیں اس غدار بوڑھے کے انجام پر غمگین نہیں ہونا چاہیے!"

فلبی اپنے غصے اور صدمے کا برملا اظہار نہیں کر سکا۔ بمشکل جواب دیا۔ "زیفو! تم نے جو کچھ کیا، اگر یہ سب میرے علم میں لا کر کرتیں تو زیادہ اچھا ہوتا!"

اس واقعے کے کئی ماہ بعد ہملکر برقہ اپنے خاندان اور جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ اس جہاز میں چلا گیا جو ایک نامعلوم دنیا کی تلاش میں جا رہا تھا۔ اس نئی زمین کی جستجو میں جو کوہ وادکس کا بدل ثابت ہو سکے۔ تجارتی بندرگاہ کے ایک حجرے میں سیر و سفر کے دیوتا کے حضور قربانی پیش کی گئی اور عود و عنبر کی خوشبو میں چغہ پوش عمائدِ شہر نے خیر و سلامت سے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی دعائیں مانگیں، اس کے بعد بگل بجے، چپو حرکت میں آ گئے اور ہملکر برقہ کے جہاز نے پانی میں حرکت شروع کر دی۔ ساحل پر کوہِ بیرسا کی مقدس چوٹی انہیں الوداع کہہ رہی تھی۔ جہاز نے احتراماً کوہِ بیرسا کے سامنے ایک چکر لگایا اور پھر اس سمت میں روانہ ہو گیا، جہاں دو ساحلوں کے درمیان سورج ہر روز غروب ہوا کرتا ہے، جبرالٹر اور سیوٹا کے درمیان۔

ساحل پر کھڑے ہوئے عمائدِ شہر اور دوسرے شہریوں کی نظر جب جہاز کے مستولوں اور چپوؤں پر جمی ہوئی تھیں جو لمحہ بہ لمحہ مختصر ہوتے جا رہے تھے اور یہ مختصر ہوتے ہوتے دھبے کی شکل اختیار کر گئے، پھر یہ دھبے بھی سمندر کی وسعتوں میں گم ہو گئے۔ اس وقت فلبی ایک ایسے جہاز کا تصور لیے کھڑا تھا جو اسے پہاڑوں کی آبادیوں میں لے جائے گا۔ اس کے آبا و اجداد کی سرزمین میں، سامنے شمال کی ہواؤں میں اسے وطن کی بو محسوس ہو رہی تھی۔

اسی دن زیفو کے والدین نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ اگر ہملکر برقہ ان کے لئے کوئی نئی دنیا حاصل کر سکا تو یہ لوگ بھی وہیں چلے جائیں گے۔

٭ ٭ ٭

جیسے جیسے دن گزرتے گئے، فلبی قرطاجنہ والوں کا اعتماد حاصل کرتا گیا لیکن دوسری طرف فلبی کے دل میں ہم وطن بوڑھے کی گرفتاری اور موت کے نقوش گہرے ہوتے چلے گئے۔ وہ اس سانحے کو بھول جانا چاہتا تھا مگر بوڑھے کی روح نے گویا اس کے دل پر قبضہ کر لیا تھا اور کسی طرح حافظے سے نکلنے پر تیار ہی نہ ہوتی تھی۔ زیفو اسے اچھی لگتی تھی لیکن اس اتفاق اور دلکشی میں بوڑھے کی موت شیشے میں بال پڑ جانے کی طرح شامل ہو گئی تھی۔ وہ اپنے اس دکھ کا زیفو پر اظہار بھی نہ کر سکتا تھا لیکن زیفو یہ تبدیلی تو محسوس کر ہی سکتی تھی کہ فلبی میں کچھ تبدیلی آ گئی ہے۔ شاید یہ تبدیلی کہ وہ اس سے باتوں اور معاملات میں گرم جوشی اور محبت کا مظاہرہ کرتے کرتے اچانک سرد مہری اختیار کر لیتا ہے۔ زیفو کا ننھا ذہن اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

ہملکر برقہ نے اسپین کے جنوب مشرق میں ایک نئی دنیا حاصل کر لی تھی اور اس کا نام "نیا قرطاجنہ" رکھ دیا تھا۔ قرطاجنہ کے حکام نے ہملکر برقہ کو فرمان حکمرانی کی ایک کندہ تختی پہلے ہی سے دے رکھی تھی جس پر لفظ "شوفت" یعنی محافظ کندہ ہوا تھا اور جس کا یہ مطلب تھا کہ ہملکر برقہ کو عمائدِ قرطاجنہ نے کسی بھی علاقے کی حفاظت کا فرض سونپ رکھا ہے۔ ہملکر برقہ نے اس تختی سے وہی کام لیا جو کسی حکومت کے عہدے دار پروانۂ تقرری سے لیا کرتے ہیں۔ ہملکر برقہ نے ایک پانچ رکنی وفد بھیج کر قرطاجنہ کے حکمرانوں کو یہ خوشخبری سنا دی۔ کوہِ بیرسا کی بلندی پر مجلسِ قرطاجنہ کا وہ محل تھا جہاں حکومت کی ذمے دار مجلس اہم ترین فیصلے صادر کیا کرتی تھی۔ اس ایوان میں پردوں کے پیچھے ارکانِ مجلس سر جوڑ کے بیٹھتے اور گھنٹوں بحث مباحثے کرتے رہتے۔ پھر جب کسی نتیجے پر پہنچ جاتے تو پردے سے نمودار ہو کر اپنے فیصلوں کا اعلان کر دیتے۔

ہملکر برقہ کی کامیابی کی خوشی میں ایک شاندار جشن کا اہتمام ہوا۔ بعل ت دیوتا کی قربان گاہ پر بھیڑیں ذبح کی گئیں اور تانیت دیوی کے نام بے شمار کبوتریاں چھوڑی گئیں، شہر کی مضافاتی آبادی کے لوگ بھی اقربہ پیغ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

گئے اور ان سب نے مل کر شاندار جشن منایا۔ نومبر کے زندہ دل اور بہادر سپاہیوں نے آگ کا الاؤ جلایا اور اس کے گرد بیٹھ کر شرابیں پینے لگے، قرطاجنہ کے شہری بھی بیرسا کے مختلف مندروں میں قربانیاں اور نذرانے پیش کرتے پھر رہے تھے۔ انہیں میں زیغو کا خاندان بھی شامل تھا۔ زیغو کے باپ نے شراب کے کئی مرتبان ایک گاڑی میں لادے اور بیرسا کی چوٹی پر پہنچ کر دیوی دیوتاؤں کو شراب میں نہلانے لگا۔ اور اس نے یہ منت مانی کہ اگر دیوی دیوتاؤں نے اسے مجلسِ قرطاجنہ سے کسی علاقے کے شوفت کی تختی دلوادی تو وہ ان کے قدموں میں پچاس بھیڑیں قربان کرے گا' اور انہیں بیس سیر شراب سے غسل دلاتے گا۔ تانیت دیوی سے یہ عہد کیا کہ اگر وہ اپنا دلی مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ تانیت دیوی کے نام پر پچاس کبوتریاں آزاد کرے گا۔

نہیں رات کے اندھیرے میں مل کرت کی سیڑھیوں پر زیغو اور قلبی بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ زیغو نے محسوس کیا تھا کہ وہ آج کے ہنگامے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا ہے، اور یہ احساس زیغو کے لئے بہت اذیت ناک تھا۔ ان دونوں سے تقریباً پانچ سو قدم دور نومبریہ شہسوار الاؤ کے گرد بیٹھے نا ؤنوش میں مشغول تھے، الاؤ کی روشنی میں ان دونوں کے چہرے دمک رہے تھے۔

زیغو نے خاموش اور فکرمند قلبی سے پوچھا "کیا تم آج بھی خوش نہیں ہو؟"

قلبی نے بے خیالی میں جواب دیا۔ "معلوم نہیں کیوں، کبھی کبھی میرے دل کی حرکت بہت تیز ہو جاتی ہے اور جب مجھ پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو میں بہت اداس ہو جاتا ہوں!"

زیغو نے پوچھا۔ "اس اداسی کا سبب؟"

"میں خود نہیں جانتا!"

"یہ کیونکر ممکن ہے!" اس وقت وہ خود بھی اداس تھی۔ "میں ایک بات آج تمہیں ضرور بتا دینا چاہتی ہوں، تم میرے گھر میں زرخرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے لیکن آہستہ آہستہ تمہارے دل نشیں انداز اور بے لوث خدمت گزاری سے تمہارے لیے میرے گھر میں بڑی عزت پیدا ہو گئی اور

اب یہ حال ہے کہ تم میرے گھر کے ایک فرد سمجھے جاتے ہو!"

قلبی نے جواب دیا۔ "بہت بہت شکریہ لیکن میں نے تمہارے خاندان میں اپنی شمولیت کی درخواست تو نہیں دی تھی۔ اگر تمہارے گھر کے لوگ مجھے اپنے خاندان میں شامل کر لینا چاہتے ہیں تو میں انہیں خوش آمدید کہنے کو تیار ہوں!"

"پہلے تم بہت خوش رہتے تھے لیکن اب اداس اور چپ چپ رہنے لگے ہو آخر اس کا سبب؟"

"کہہ تو دیا سبب تو میں خود بھی نہیں جانتا!"

زیغو نے کہا۔ "کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ قرطاجنہ کے بعض بڑے تاجر اپنے لڑکوں کے لئے مجھے پسند کرنے لگے ہیں، میرے باپ نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ زیغو ابھی بچی ہے لیکن تم خود سوچو کہ میرے باپ کا یہ جواب ایسا تو نہیں ہے جو ہمیشہ دیا جا سکتا ہو، وہ کچھ دنوں سے تمہاری پُراسرار تبدیلی پر بھی غور کر رہے ہیں چنانچہ کل رات میں نے خود اپنے کانوں سے سنا وہ میری ماں سے کہہ رہے تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ قلبی ہمیں دھوکا دے جائے۔ کیونکہ اس کی پُراسرار خاموشی سے ڈر لگنے لگا ہے!"

قلبی نے جواب دیا۔ "ابھی ہیں یہ باتیں تمہیں سوچنی چاہئیں، کیا خود تمہیں یہ باتیں اچھی لگتی ہیں اور ان کا اصل مفہوم تمہاری سمجھ میں آتا ہے؟"

زیغو نے کہا۔ "یہ باتیں تو مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، رہا ان کے مفہوم سمجھنے کا مسئلہ تو کبھی نہ کبھی تو ان کا اصل مفہوم سمجھنے ہی لگوں گی!"

قلبی نے کہا۔ "جب ان کا مفہوم سمجھنے لگو تو اس سلسلے میں باتیں بھی کر لینا، فی الحال تو اس موضوع کو یوں ہی سپاٹ رہنے دو!"

"واہ یہ کس طرح ممکن ہے!" زیغو تڑپ کر بولی۔ "تمہیں میری خاطر پہلے جیسا تو بننا ہی پڑے گا۔"

اسی وقت مندر کی سیڑھیوں سے ایک نوجوان اترتا ہوا ان دونوں کے قریب آ گیا۔ اس نے زیغو کو دیکھا اور ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ بولا "لڑکی! تمہارا نام کیا ہے؟"

زیغو نے تنک کر جواب دیا۔ "میرے نام سے تمہیں کیا کام؟ کچھ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

ہو میرا نام، تمہیں کیا!"

نوجوان نے شرارت سے ایک آنکھ میچ لی اور آنکھ مار کے بولا۔ "تم ابھی چھوٹی ہو لڑکی، میرے باپ کو معلوم نہیں کیوں، تم بہت زیادہ پسند آگئی ہو لیکن اب میں اس سے یہ کہوں گا کہ ابھی کچھ دن انتظار کرو۔ ورنہ جلد کام بگڑ جائے گا!"

فلبی غصّے میں آکر کھڑا ہو گیا، بولا۔ "نوجوان! تم جاؤ اور ہمیں پریشان نہ کرو، میں یوں ہی بہت پریشان ہوں!"

نوجوان نے شرارت سے کہا۔ "میرے چھوٹے سے دوست! اگر تم نے اس لڑکی کے حقوق کسی طرح بھی حاصل کر لیے ہیں تو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں، تم دونوں عیش کرو، میں چلتا ہوں!"

جب وہ چلا گیا تو زیفو نے فلبی کو آرام سے ہاتھوں لیا، بولی۔ "یا تو تم خود کو پہلے جیسا بنا لو یا پھر اس کے لیے تیار ہو جاؤ کہ ہم دونوں کے درمیان جو فاصلہ اس وقت موجود ہے، وہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جائے!"

فلبی نے آہستہ سے جواب دیا۔ "زیفو! میں اپنی غلطی پر تم سے معافی چاہتا ہوں، تم مجھے معاف کر دو، آئندہ میں پہلے جیسا بننے کی کوشش کروں گا!"

پہاڑ کی خنک ہواؤں میں سمندر کی نمی سے سردی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، یہ سردی دونوں ہی محسوس کر رہے تھے۔

فلبی نے پوچھا۔ "ہم گھر واپس کب چلیں گے؟"

زیفو نے جواب دیا۔ "میرے ماں باپ دیوتاؤں کو نذرانے پیش کرتے پھر رہے ہیں، وہ فارغ ہو کر آجائیں تو ہم دونوں بھی چلنے کی تیاری کریں!"

فلبی نے کہا۔ "تب پھر چلو چل کے ہم دونوں کسی حجرے میں بیٹھیں جہاں یہ سرد ہوائیں نہ پہنچ سکتی ہوں!"

زیفو نے فوراً کہا۔ "میں تیار ہوں!"

یہ دونوں مندر کی سیڑھیوں کو عبور کر کے تانیت دیوی کے مندر میں داخل ہو گئے، جہاں زیفو نے دیوی کے قدموں میں شراب انڈیل

فلبی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگی۔ "اے تانیت دیوی! فلبی کو پہلے جیسا بنا دے!"

لیکن فلبی نے کوئی دعا بھی نہ مانگی۔ زیفو نے کہا۔ "تم دیوی سے کچھ مانگتے کیوں نہیں، یہ زمین کی دیوی تانیت ہے اور لوگوں کا تجربہ ہے کہ اگر اس سے خلوص کے ساتھ کچھ مانگا جائے تو یہ اپنے پرستاروں کو مایوس نہیں کرتی!"

فلبی نے نیم حضوری دیوی سے دعا مانگی۔ "مجھے پہلے جیسا بنا دو۔"

زیفو نے حجرے کے باہر اپنے باپ کو ایک طرف جاتے ہوئے دیکھا تو وہ یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی کہ میں اپنے باپ سے مل کر ابھی آتی ہوں، کہیں میرا باپ مجھے تلاش کرتا ہوا اس ہجوم میں بھٹک نہ جائے!"

اس کے جاتے ہی فلبی نے رو رو کر دعا مانگی۔ "تانیت دیوی! تم زمین کی دیوی ہو تم مجھے میری زمینوں میں واپس کیوں نہیں بھیج دیتیں، میرے ماں باپ میرے غم میں رو رو کر نڈھال ہو گئے ہوں گے، میرے بھائی بہن آتی جاتی سانسوں میں میرا نام لے رہے ہوں گے، تانیت دیوی! میں اس زمین کا آدمی نہیں ہوں، جیسا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں یہاں پردیسی ہوں، مجھے واپس پہنچا دو دیوی! یہ میری آخری اور سب سے بڑی دعا ہے اسے قبول کر لو!"

تھوڑی دیر بعد زیفو پھر واپس آگئی اس وقت تک فلبی اپنے دل کا بوجھ اتار چکا تھا اور خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے زیفو کا استقبال کیا، فلبی کو ایسا لگا جیسے اس کی دعا قبول کی جا چکی ہے۔ زیفو اسے خوش دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ فلبی نے اسے تسلی دینے کی خاطر کہا۔ "زیفو! ابھی میں نے دیوی سے یہ دعا مانگی تھی کہ وہ مجھے پہلے جیسا بنا دے، اس دعا کے فوراً بعد میرے دل کا بوجھ اتر گیا، میرا خیال ہے اب میں پھر پہلے جیسا ہو گیا ہوں!"

زیفو نے فرطِ خوشی میں اس کا ہاتھ چوم لیا۔ "کاش دیوی ایسا ہی کر دے!"

واپسی میں دونوں مست اور بے حال تو مدیوں کے الاؤ کے قریب گئے اور ان کی بلانوشی کا نظارہ کرتے رہے، اس کے بعد خالی مرتبانوں سمیت اپنے گھر روانہ ہو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

بوڑھے کی موت کو جتنا عرصہ گزرتا گیا، قلبی کے ذہن سے اس کی یادیں اور تعلیمات محو ہوتی چلی گئیں۔ اسے زیغو اور اس کے والدین نے اتنا آرام پہنچایا کہ اسے قرطاجنہ اور اہل قرطاجنہ سے محبت ہو گئی۔ زیغو کے باپ نے قلبی کو تجارت میں لگا دیا۔ وہ بہت جلد اس لائق ہو گیا کہ بڑے بڑے بحری تاجروں کے ہاتھ اپنا مال فروخت کرنے لگا لیکن اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ تجارتی سامان دوسرے ملکوں اور شہروں میں بیچنا زیادہ نفع بخش ہے۔ اس نے زیغو کے باپ کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ قرطاجنہ سے نکل کر یورپ کے ساحلی شہروں اور جزیروں میں قسمت آزمائی کرے۔ زیغو کے باپ نے اس کی تجویز سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ اس پر عمل کیا اور وہ قلبی کو ساتھ لے کر ایک لمبے سفر پر روانہ ہو گیا۔ دونوں قرطاجنہ سے تقریباً چار سال دور رہے لیکن جب واپس آئے تو اپنے ساتھ بڑی دولت کما لائے۔ زیغو کا باپ قلبی سے بہت خوش تھا۔ اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ وہ قلبی کو عنقریب اپنی دامادی کا شرف بخش دے گا۔ دوسری طرف زیغو پر جوانی پھوٹ پڑی تھی اور اس نے کئی نوجوانوں کو دیوانہ بنا رکھا تھا لیکن خود زیغو قلبی کی دیوانی تھی اور اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ وہ قلبی کی عدم موجودگی میں بارہا ساحل پر جا بیٹھ کر اس جہاز کا انتظار کر چکی تھی جو کسی بھی طرف سے نمودار ہو کر قلبی کو لانے والا تھا لیکن یہ تقدیر کی ستم ظریفی تھی کہ جب وہ قرطاجنہ کے ساحل پر آیا اس وقت زیغو اپنے گھر میں تھی اور جب قلبی اس کے باپ کے ساتھ گھر میں اچانک داخل ہوا تھا تو وہ خوشی کے مارے پاگل سی ہو گئی تھی۔ پھر جب زیغو کے باپ نے قلبی کو داماد بنانے کا اعلان کر دیا تو اہل قرطاجنہ نے اس اعلان کو اچھے نہیں سنا کیونکہ قلبی بدقسمتی سے پارسی تھا اور پارسی رومی نسل سے تعلق رکھتے تھے وہ رومی جنہوں نے قرطاجنہ والوں کو کئی نوآبادیوں سے محروم کر دیا تھا۔ اسی دوران ہسپانوی قرطاجنہ سے یہ خبر ملی کہ ہمل کار برقہ کسی مقامی سازش میں قتل کر دیا گیا اور جمہوریہ روما نے ان کے جزیرے سارڈینیا اور سالونیکا پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ یہ بڑی تشویشناک خبریں تھیں۔ زیغو کے باپ کو کوہ بیرسا کے ایوان میں طلب کر لیا گیا۔ وہاں عمائد شہر تھے اور ایوان کے دروازے پر مسلح پہرہ دار کھڑے ہوتے تھے۔

مجلس کے صدر نے زیغو کے باپ سے سوال کیا۔ "کیا یہ خبر درست ہے کہ تم اپنی بیٹی زیغو کی شادی رومی نژاد قلبی سے کر دینا چاہتے ہو جو وہ نہیں جو

ہونے کے ساتھ ہی تمہارا غلام بھی ہے!"

زیغو کے باپ نے جواب دیا۔ "وہ رومی اور غلام ہونے کے ساتھ ہی بھلا وفادار شہری ہے۔ میں اپنے فیصلے اور اس کے اعلان پر شرمندہ نہیں ہوں۔ قلبی ہر طرح اس اعزاز کا مستحق ہے کہ میں اسے اپنا داماد بنا لوں!"

مجلس کے ایک ممبر نے تقریباً چیخ کر کہا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا، کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا، اگر ایسا ہوا تو میں اس منحوس کام میں ہر طرح کی مداخلت کا ارادہ کر چکا ہوں!"

میر مجلس نے دھمکی دی۔ "اور بیرسا کی مجلس یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ اگر ایک رومی کو کسی بھی طرح وہ عزت بخشی گئی جو اہل قرطاجنہ کا حق ہے تو وہ اس قومی مجرم کو صنعت اور تجارت کے حقوق سے محروم کر دے گی!"

زیغو کا باپ دل شکستہ اور پا گرفتہ حالت میں بیرسا سے نیچے آیا اور اپنے کمرے میں منہ چھپا کے بیٹھ رہا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ بیرسا کے ایوان کا فیصلہ زیغو اور قلبی کو کس طرح سنائے؟ اس فیصلے کی سن گن زیغو کو بھی مل چکی تھی۔ اس نے اپنے اداس باپ کو کمرے میں جاتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ معاملہ کچھ زیادہ گمبھیر ہے۔ کچھ دیر تک تو اس نے یہ انتظار کیا شاید اس کا باپ اسے بلا کر بیرسا کے ایوان کا فیصلہ سنا دے لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو اس نے خود بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت قلبی گھر میں موجود نہیں تھا۔ وہ دبے قدموں باپ کی خلوت گاہ میں داخل ہوئی تو وہاں ماں کو موجود پایا۔ دونوں کی نظریں تقریباً ایک ساتھ اٹھیں اور افسردہ زیغو کے چہرے پر جم گئیں۔

ماں نے زیغو کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ لیٹے ہوئے باپ نے کانوں پر سے بالوں کی لٹیں ہٹائیں اور داڑھی کھجانے لگا۔ ماں نے زیغو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مضبوط لہجے میں کہا۔ "اگر مقدس بیرسا کے ایوان نے متفق ہو کر یک آواز یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میری بیٹی زیغو کا پارسی نوجوان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے تو ہمیں بھی بے چون و چرا اس فیصلے کو قبول کر لینا چاہئے کیونکہ یہ ہمارے بڑوں کا فیصلہ ہے!"

زیغو کے باپ نے کہا۔ "میں اپنے بڑوں کے فیصلے کو رد کیونکر کر سکتا ہوں لیکن یہ بات بھی آسان نہیں ہے کہ میں اس شریف پارسی نوجوان کو خود اپنی زبان سے یہ موت کا حکم سنا دوں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

ماں نے کہا۔ "تم زیغو کو ہمارے بڑوں کا فیصلہ سنا دو، میں سمجھتی ہوں یہ ناگوار فرض، جو خالصتاً زیغو کی ذات سے تعلق رکھتا ہے، یہ خود انجام دے سکے گی!"

باپ نے بیرسا کی مجلس کا فیصلہ زیغو کو سنا دیا اور تالیفِ قلب کے لیے بولا۔ "یہ ایک نہایت ناگوار اور ظالمانہ فیصلہ ہے جو بیرسا کے بڑے لوگ دو لوگوں کی ذاتی اور جذباتی زندگی کے خلاف سنا بیٹھے ہیں، ہم چاہیں تو ان کے اس فیصلے کو ٹھکرا دیں لیکن ہمارے خاندان میں آج تک ایسی کوئی مثال نہیں ملتی دوسرے یہ کہ اس فیصلے کے خلاف قدم اٹھانے کی جو ہمیں سب سے بڑی سزا بھگتنا پڑے گی وہ یہ ہے کہ ہمیں صنعتی اور تجارتی حقوق سے محروم کر دیا جائے گا!"

زیغو کے دل پر مسلسل گھونسے سے لگ رہے تھے۔ وہ کافی دیر خاموش بیٹھی رہی، اس کے ماں باپ زیغو کا جواب سننا چاہتے تھے، جب دیر تک خاموشی طاری رہی تو ماں نے کہا۔ "زیغو! تو کیا سوچ رہی ہے؟ کیا تجھے مقدس بیرسا کے بڑوں کا یہ فیصلہ قبول نہیں ہے؟"

زیغو نے نہایت دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "بیرسا کے بڑوں نے بہت بھیانک فیصلہ کیا ہے، اس سے زیادہ بھیانک اور دردناک آپ دونوں کا یہ فیصلہ ہے کہ آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ اس فیصلے کو قلبی تک میں پہنچا دوں!"

باپ نے کہا۔ "زیغو! تم ہماری بات سمجھنے کی کوشش کرو، ہم نے یہ فرض محض اس لیے تمہیں سونپا ہے کہ یہ مسئلہ تمہاری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم نے اپنی کاروباری زندگی میں یہی سیکھا ہے کہ جس کے ذمے جو کام ہے اسے خود انجام دے، یہ مسئلہ تمہارا ہے، ہمیں تم سے ہمدردی ہے لیکن اس ہمدردی کی خاطر اپنے صنعتی اور تجارتی مفاد نہیں قربان کر سکتے!"

زیغو نے جواب دیا۔ "میں بیرسا کے بڑوں کا یہ فیصلہ قبول کرتی ہوں لیکن ایک فیصلہ میں نے بھی کیا ہے، اور وہ یہ اس میں کسی اور کی مداخلت ہرگز قبول نہ کروں گی!"

اس کے ماں باپ نے حیرت اور تجسس سے زیغو کو دیکھا اور اس کا فیصلہ سننے کی خواہش کی۔

زیغو نے تجسس کی فضا زیادہ دیر نہیں قائم رہنے دی۔ اس نے

آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "ہمارے بڑوں نے اس پناہ سی نوجوان کی اس خدمت کو کیوں بھلا دیا۔ جو اس نے اپنے ہم قوم خطرناک لٹیرے کی گرفتاری کی شکل میں انجام دی تھی، تم لوگ اپنے پتھر دلوں جیسے دلوں سے اس کی خدمات نکال دو، لیکن میں نہیں نکال سکتی۔ اس نے تجارتی اور صنعتی معاملات میں ہمیں اور ہماری قوم کو بڑے فائدے پہنچائے ہیں، اور یہ باتیں ایسی نہیں ہیں جنہیں بآسانی نظر انداز کر دیا جائے قلبی کے ان احسانات اور خدمات کا میں عملاً یوں اعتراف کروں گی کہ زندگی بھر اسی کے نام پر کنواری بیٹھی رہوں اور یہی میرا وہ فیصلہ ہے جس میں، میں اپنے کسی بڑے کی مداخلت پسند نہیں کروں گی!"

زیغو کی ماں نے پریشان ہو کے کہا۔ "یہ کس طرح ممکن ہے؟"

باپ نے قدرے سختی سے کہا۔ "ہمارے خاندان میں ایسا آج تک نہیں ہوا میں نے تمہیں پالا پوسا ہے، اور تمہاری پرورش اور تربیت پر میں بہت کچھ خرچ کر چکا ہوں، قلبی سے زیادہ تم پر میں نے احسانات کیے ہیں کیا ان احسانات کا عوض تم نہیں دو گی!"

زیغو نے اٹل اور بے مروتی کے انداز میں جواب دیا۔ "آپ لوگ اپنا قرض پہلے ہی وصول کر چکے ہیں!"

"وہ کس طرح اور کب؟" زیغو کا باپ تلملایا ہوا تھا۔

زیغو نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے مقدس بیرسا کے بڑوں کا وہ فیصلہ جو انہوں نے آپ کے خلاف نافذ کیا تھا خندہ پیشانی سے قبول کر کے آپ کا قرض اتار دیا ہے!"

باپ غصے میں آگ بگولا ہوا۔ وہ شاید تشدد پر آ جاتا لیکن مہربان ماں نے دونوں کے درمیان حائل ہو کر فریقین کو ٹھنڈا کرنا شروع کر دیا۔ شوہر سے کہا۔ "زیغو ہماری بیٹی ہے اور اس پر ہاتھ اٹھا کے یا کسی اور تشدد کے طریقے سے تم اس کے دل کو نہیں جیت سکتے ہمارے لیے فی الحال یہی مناسب ہے کہ اس معاملے کو کچھ دنوں کے لیے التوا میں ڈال دیں اور دو چار سال خاموش تماشائیوں کی طرح زیغو کا جائزہ لیتے رہیں اور مجھے یہ یقین ہے کہ کوئی بھی نوجوان یکساں جذباتی حالت کو زیادہ دیر قائم نہیں رکھ سکتا!"

پھر اس نے سسکیاں لیتی ہوئی زیغو کو سینے سے لگایا اور سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ "بیٹی! تیرا باپ مرد ہے اور مردوں میں اپنے فیصلے جبراً منوانے کی پرانی عادت چلی آ رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تو نے کوئی غلط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

فیصلہ کیا ہے۔ ان حالات میں عموماً نوجوان لڑکیاں اسی قسم کے جذباتی ارادے کیا کرتی ہیں جن پر وہ زندگی بھر نہیں چل پاتیں اور بعد میں جب ان وقتی جذبوں پر حالات اور تقاضوں کی شدتیں غالب آتی ہیں تو وہ وہی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں جو صحیح اور سچا راستہ ہوتا ہے!"

زلیخو نے روتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نے جو فیصلہ کیا ہے اسے زندگی کی آخری سانسوں تک نبھاؤں گی!"

"ٹھیک ہے۔" ماں نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں تجھے پانچ سال دوں گی۔ اس عرصے میں اگر تو اپنے فیصلے پر اسی شدومد سے قائم رہی تو میں پانچ سال بعد اور توسیع کر دوں گی لیکن اگر تیرے قدم ڈگمگانے لگے تو میں تیرے لئے تیرے شایانِ شان کسی خوب صورت اور دولت مند نوجوان کو پسند کر لوں گی!"

باپ نے درمیان میں مداخلت کی۔ کہا۔ "لیکن ان پانچ سالوں میں زلیخو کو ایک بات کا بطورِ خاص خیال رکھنا پڑے گا!"

ماں نے چڑ کر کہا۔ "تم معاملے کو ضرور بگاڑ دو گے، میں کہتی ہوں تم خاموش رہو!"

"او کم عقل عورت!" زلیخو کا باپ گرجا۔ "تو نے زلیخو کو پانچ سال کی مہلت دینے میں ایک خاص نکتہ نظر انداز کر دیا ہے، اور وہ ایسا نکتہ ہے کہ اگر اس کا خیال نہیں رکھا گیا تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ زلیخو ایک زندگی تو کیا کئی زندگیاں اپنے اس عہد پر قائم رہ کر گزار سکتی ہے!"

زلیخو نے اپنے بے رحم باپ کو رحم کی نظروں سے دیکھا۔

ماں نے پوچھا۔ "وہ کون سا نکتہ ہے، ذرا مجھے بھی تو بتاؤ!"

زلیخو کے باپ نے کہا۔ "تم زلیخو سے وعدہ لو کہ وہ ان پانچ سالوں میں قلبی سے دور بلکہ اس کی نظروں سے اوجھل رہے گی!"

زلیخو چیخ اٹھی۔ "ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا نہیں ہو سکتا!"

ماں ششدر سناٹے میں آ گئی۔ آہستہ سے بولی۔ "اس کے بغیر تو میری عائد کردہ شرط کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی!"

زلیخو چیختی رہی۔ "مجھ پر اتنا ظلم نہ کرو، میں مر جاؤں گی، میں یہ ظلم نہیں برداشت کروں گی!"

ماں، اپنے شوہر کو زلیخو سے ذرا دور کمرے کے کونے میں لے گئی اور سرگوشی میں کہا۔ "میں سمجھتی ہوں اس نکتے کا زلیخو کے سامنے اظہار مناسب بات نہ تھی۔ یہ کام تو تمہارے کرنے کا ہے۔ اب فی الحال خاموش رہو اور وقت کا انتظار کرو، کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا!"

زلیخو نے چیخ کر کہا۔ "ماں! تمہیں جو فیصلہ کرنا ہے میرے سامنے کرو، دشمنوں کی طرح پیٹھ میں چھرا گھونپنے سے کیا حاصل!"

ماں نے جواب دیا۔ "زلیخو! میں تیری ماں ہوں مجھے اپنا دشمن نہ سمجھو!"

باپ نے کہا۔ "زلیخو! جو ہونا تھا ہو چکا، اب تم اپنا فرض انجام دو اور اپنے بڑوں کا فیصلہ قلبی کو جا کر سنا دو!"

زلیخو کوئی جواب دیئے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

* * *

زلیخو نے اپنے بڑوں کا فیصلہ مکان سے ملحق پیچھے باغ میں قلبی کو جا کر سنا دیا۔ قلبی پر اس فیصلے کا اتنا برا اثر نہیں ہوا، جس کی زلیخو امید کر رہی تھی۔ اس نے افسوس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں اس فیصلے سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی؟"

قلبی نے جواب دیا۔ "پہنچی کیوں نہیں لیکن میں اسے جھیل لوں گا کہ میں اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا!"

زلیخو نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟ کیا تم ہمارے بڑوں کے اس فیصلے سے قبل از وقت ہی آگاہ ہو گئے تھے؟"

"ہاں!" قلبی نے جواب دیا۔ "تم لوگوں میں بچپن سے رہ رہا ہوں، تمہاری قوم کے مزاج اور طبیعت سے اتنا واقف تو ہو ہی گیا ہوں کہ بہت سی باتیں وقت سے پہلے جان جاتا ہوں!"

زلیخو نے پوچھا۔ "اب کیا ہوگا؟"

"وہی جو تمہارے بڑے چاہتے ہیں!"

"لیکن میں نے تو ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں بیرما کے بڑوں کا فیصلہ اس شرط پر قبول کر لوں گی کہ وہ بھی میری ذاتی زندگی میں آئندہ کسی قسم کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

نہیں!" اس کے بعد آہستہ سے گردن جھکا کے کہا۔ "لیکن میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ زندگی بھر کنواری رہوں گی اور کسی فنیقی نوجوان یا مرد کو اپنا شوہر نہ بناؤں گی!"

قلبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیفو کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ تھوڑی دیر بعد قدموں میں پڑے ہوئے خشک پتوں پر کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ زیفو نے سر اٹھا کے قلبی کی طرف دیکھا وہ آنسو بہا رہا تھا اور آنسوؤں کے قطرات خشک پتوں پر گر گر کے ہلکا سا شور کر رہے تھے۔

"تم رو رہے ہو؟ مرد ہو کر رو رہے ہو!" زیفو نے کرتے کے دامن سے اس کے آنسو خشک کرنے کی کوشش کی اور کہنے لگی۔ "رونے کا کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں روؤں گی اگر تم ہمارے بڑوں کے اس فیصلے کے خلاف کوئی بڑا عملی قدم اٹھا سکتے ہو تو ہمت کرو میں تمہارا ساتھ دوں گی!"

قلبی نے جواب دیا۔ "یہاں سے پنارس بہت دور ہے اور درمیان میں سمندر حائل ہے اگر پنارس تک پہنچنے کا کوئی بری راستہ ہوتا تو میں تمہیں دنیا کے آخری سرے تک لیے چلا جاتا!"

زیفو نے کہا۔ "کوئی جلدی نہیں ہے پانچ سالوں کے دوران تم اس مسئلے پر آزادی سے سوچتے رہو اور جب کسی امید افزا نتیجے پر پہنچ جاؤ تو اس سے مجھے مطلع کر دو میں اس منصوبے میں تمہارا ساتھ دوں گی!"

قلبی نے بے دلی اور مایوسی سے کہا۔ "میں کوشش کروں گا۔"

زیفو سے جدا ہو کر قلبی اس جگہ پہنچا جہاں پنارسی بوڑھا دو حصوں میں تقسیم ہو کر ہلاک ہو گیا تھا۔ اس کے جسم کے منتشر اعضا اس وقت بھی ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ گوشت مردار خور پرند چٹ کر گئے تھے تھوڑی سی بہت ہڈیاں اور سر اب بھی موجود تھا اس نے انہیں یکجا کیا اور پھر ایک گڑھا تلاش کر کے انہیں اس میں ڈال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر گھر واپس آیا اور رات کی تاریکی میں ایک بار پھر وہیں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے کاندھے پر بندھی ہوئی چادر میں ایک چراغ، ایک کوزہ، ایک قاب اور کھانے پینے کے چند دوسرے برتن چھپا رکھے تھے فنیقیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مردے بھی انہی کی طرح زندگی گزارتے ہیں اور انہیں بھی ان ضروری چیزوں کی ضرورت رہتی ہے

قلبی نے یہ چیزیں بوڑھے کے سر اور ہڈیوں کے پاس رکھ دیں اور مؤدب کھڑے ہو کر عرض کیا۔ "میرے معزز ہم وطن بزرگ! میں شرمندہ ہوں کہ تمہیں اتنے دنوں تک ان ضروری اشیاء کے بغیر دن گزارنے پڑے۔ تمہیں یقیناً پریشانی اٹھانی پڑی ہوگی لیکن تم میری بات کا یقین کرو کہ پہلے میں ان رسوم سے واقف نہ تھا۔ تم میری لغزشیں اور کوتاہیاں معاف کر دینا۔ آئندہ میں تمہارا خیال رکھوں گا!"

اس کے بعد اس نے تھوڑی دیر کے لیے سکوت اختیار کیا اور گڑھے کی طرف نظریں جمائے رہا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بوڑھا اس گڑھے سے جھانک رہا ہے۔ قلبی کا دل بھر آیا وہ بھرائی آواز میں بولا۔ "میرے محترم ہم وطن بزرگ! تمہیں یہ جان کر یقیناً دکھ پہنچے گا کہ میں زیفو کو نہیں حاصل کر سکے کیونکہ مقدس پیرسا کے سرخ پردوں والے ایوان نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ میں پنارسی ہوں جو روم ہی کا ایک جزیرہ ہے، روم اور فنیقیہ والوں میں ازلی بیر چلا آ رہا ہے پھر وہ اپنی لڑکی ایک رومی کو کیوں دے دیں!"

پنارسی بوڑھے نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن خوش عقیدہ قلبی یہی سمجھ رہا تھا کہ بوڑھا نہ صرف یہ کہ اس کی باتیں بغور سن رہا ہے بلکہ وہ اس کا کوئی حل بھی ضرور سوچ رہا ہوگا۔

قلبی نے مزید کہا۔ "میرے محترم بزرگ! میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تم میرے اس جان لیوا مسئلے کو حل کرو۔ میں تمہیں ایک بار پھر یہ یقین دلاتا ہوں کہ میں ابھی تک اپنے وطن کو بھولا نہیں ہوں۔ مجھے اپنی سرزمین آج اتنی ہی عزیز اور پیاری ہے جتنی خود تمہیں تھی اور مجھے آج بھی اپنے خاندانی قبرستان کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ تم نے میرے دل میں وطن کی عظمت اور محبت کا جو چراغ روشن کیا تھا وہ آج بھی روشن ہے اور مرتے دم تک اسی طرح روشن رہے گا!"

اس کے بعد اس نے اپنے آنسو خشک کیے اور گھر واپس چلا گیا۔

* *

اسپین کے شہر قرطاجنہ میں ہملکر برقہ کا داماد بھی قتل کر دیا گیا اور وہاں کی قیادت ۲۵، ۲۶ سالہ نوجوان ہنی بال کو منتقل ہو گئی۔ ہینی بال حقیقت میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

جینی بعل تھا جس کا مطلب ہے بعل کے لطف و نوازش۔ ہینی بال کی پرورش اور تربیت مخصوص انداز میں ہوئی تھی، وہ بچپنے سے رومیوں کے خلاف جذبوں کی پرورش کرتا رہا تھا چنانچہ نئے قرطاجنہ کا اقتدار سنبھالتے ہی اس نے اسپین کے ان علاقوں کی تسخیر کا منصوبہ بنایا جو یا تو روما کے زیرِ تسلط تھے یا اس کے حریفوں کے قبضے میں تھا۔ ایک پرانے معاہدے کی رُو سے شمال میں ابرو کے اس پار جنوب میں نئے قرطاجنہ تک ہینی بال کا قبضہ تھا۔ اسی طرح شمال کا ساحلی شہر سگنیتم ہینی بال کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے تک رومیوں کے زیرِ اثر تھا لیکن پُرجوش اور سرپھرے ہینی بال میں اب اتنا یارا نہ تھا کہ وہ تمام

جزائر اور ساحلی شہروں سے دستبردار ہو جاتے، وہ ایک مدت سے یہ محسوس کرتا چلا آرہا تھا کہ رومی حکومت اپنا پنجۂ اقتدار دور تک پھیلاتی چلی جا رہی ہے اور یہ بات کم از کم نوجوان ہینی بال ہرگز برداشت نہ کر سکتا تھا بلکہ وہ تو اس فکر میں تھا کہ رومیوں سے وہ تمام علاقے واپس چھین لے جو اس سے پہلے گنوائے جا چکے ہیں، یہ سوچ کر اس نے ساحلی شہر سگنیتم پر حملہ کر کے زیر کر لیا۔ سگنیتم نے روما سے مدد مانگی لیکن جب تک یہ مدد آتے سگنیتم ہینی بال کے قبضے میں جا چکا تھا، اور اس سے بڑی ستم ظریفی یہ ہوئی کہ ہینی بال نے ابرو کی حد بندی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ روم کے عمائدین شہر اس فیصلے سے بہت ناخوش تھے، انھوں نے ایک پانچ رکنی وفد قرطاجنہ روانہ کیا اور اسے یہ اختیار دیا کہ وہ بے جھجک شاہانہ وقار سے بیرسا کی مقدس چوٹی پر جائے اور وہاں تیرہ پردوں والے دروازوں کے پیچھے بیٹھی ہوئی مجلس کو یہ بتائے کہ اگر ہینی بال اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو روما کو مجبوراً کوئی سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔

روم کا یہ پانچ رکنی وفد جب قرطاجنہ میں داخل ہوا تو شہر والوں نے اس کا استقبال متضاد جذبوں سے کیا۔ زیغو کے باپ کو ایک عجیب موقع ہاتھ آگیا اس نے فلبی سے کہا۔ "تمھیں ہمارے ساتھ بیرسا کے ایوان میں چلنا ہے۔"

فلبی کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا، کہا۔ "بیرسا کے ایوان کی وہ مجلس، جو میرے خلاف ایک دردناک اور سوہانِ روح فیصلہ سنا چکی ہے، اس لائق ہی نہیں کہ اس کے سامنے جایا

جاتے!"

لیکن زیغو نے کہا۔ "فلبی! چلے جانے میں کوئی ہرج نہیں، ہو سکتا ہے وہاں کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس سے ہمارے بڑے اپنا فیصلہ بدل دیں مجھے ایسا لگ رہا ہے، جیسے دیوتا ہم پر مہربان ہو رہے ہیں اور وہ بہت جلد ہمارے دکھوں کو ختم کر دیں گے!"

فلبی نے بے بسی سے کہا۔ "زیغو تم کہتی ہو تو میں تمھارے بڑوں کی مجلس میں چلا جاؤں گا ورنہ وہاں جانے کو میرا جی نہیں چاہتا!"

زیغو کا باپ فلبی کو اس ایوان میں لے گیا جہاں قرطاجنہ کی مجلس کے بڑے لوگ روم کے پانچ رکنی وفد سے مصروفِ گفتگو تھے۔

وفد کے صدر نے قرطاجنی مجلس کے سامنے وہ الزامات دہرائے جو رومی حکومت نے ہینی بال پر عائد کیے تھے۔ انھوں نے غصے میں مٹھیاں بھینچ بھینچ کر قرطاجنہ کے بڑوں کو بتایا کہ "ہینی بال ڈاکو کا کردار ادا کر رہا ہے اور اس نے ان سرحدوں کو توڑ دیا ہے جن کا احترام واجب تھا اور اس نے بعض ایسے قلعوں پر قبضہ کر لیا ہے جو کمزور تھے اور انھیں رومیوں کی حلیفی کا شرف حاصل تھا۔"

بیرسا کی مجلس نے رومی وفد کے الزامات بے دلی سے سنے اور پوچھا "ہمیں یہ بتایا جائے کہ رومی حکومت ہم سے کیا چاہتی ہے؟"

وفد کے صدر نے سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت جواب دیا۔ "ہملقر کے بیٹے ہینی بال اور اس کے آدمیوں کو روما کی حکومت کے حوالے کر دیا جائے!"

بیرسا کی مجلس نے جواب دیا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا!"

رومی وفد کے صدر نے سوال کیا۔ "کیا ہینی بال کے اقدامات میں قرطاجنہ کے بڑوں کی خواہش یا حکم شامل ہے؟ اور یہ کہ کیا بیرسا کے بڑے لوگ ہینی بال کے اقدامات کو ناجائز نہیں سمجھتے!"

بیرسا کی مجلس کا صدر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور کہا۔ "ہینی بال نے جو کچھ کیا وہ ناجائز کس طرح ہے، اس نے جن قلعوں پر قبضہ کیا ہے وہ پہلے ہمارے متصرف تھے لیکن جب انھوں نے حلف توڑنے میں پہل کی تو ہینی بال کو اس بات کا حق حاصل ہو گیا کہ ان کی گوشمالی کر دی جائے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

ردما کے وفد کا صدر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چغے کو سینے پر کس لیا اور کہا۔ "بیرسا کے معزز سردارو! میں تمہاری باتوں سے تنگ چکا ہوں۔ میں اپنے چغے کی تہہ میں جنگ اور صلح کو لپیٹ کر لایا ہوں، قرطاجنہ کی قسمت کے مالکو! مجھے جواب دو کہ تم کیا پسند کرتے ہو؟"

قرطاجنی مجلس کا قائد اب بھی کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔ "کیا میں اپنے ساتھیوں کو ایک طرف لے جا کے مشورہ کر سکتا ہوں؟"

ردما کا صدر یہ فقرہ مان گیا لیکن جب قرطاجنی مجلس کا قائد اپنی جگہ پر دوبارہ واپس آیا تو اس نے خلافِ توقع جواب دیا۔ "ردما کے معزز نمائندو! اپنے چغے کی تہہ میں جو کچھ بھی لپیٹ کر لائے ہو اسے تم اپنی مرضی سے نکال لو!"

ردمی وفد کے صدر نے غیر جذباتی آواز میں کہا۔ "تو پھر جنگ ہے!"

بیرسا کے بڑوں نے بیک آواز جوش و خروش سے جواب دیا۔ "ہمیں منظور ہے، منظور ہے!"

ردمی وفد کے صدر نے قرطاجنی مجلس کو نہایت افسوس سے مخاطب کیا۔ "افسوس کہ تم نے وہ پسند کیا ہے جو بالآخر قرطاجنہ کی تباہی پر ختم ہو گا۔ ہم ردما والوں نے جنگ کے دیوتا جانوس کے مندر کو ایک عرصے سے مقفل کر رکھا تھا۔ لیکن اب وہ ہمارے واپس جاتے ہی کھول دیا جائے گا!"

ردمی وفد واپس چلا گیا۔ زیغو کا باپ اسی موقع کا منتظر تھا، وہ مجلس کے قائد کی طرف بڑھا اور عرض کیا۔

"کیا بیرسا کے بڑوں کا یہ فیصلہ عمل کر برقہ کے بیٹے ہینی بال تک پہنچایا جائے گا؟"

مجلس کے قائد نے جواب دیا۔ "ہاں، اسی وقت، ابھی کیونکہ ہمارے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے!"

زیغو کے باپ نے کہا۔ "تب پھر اس کام کو میرا یہ بیٹا قلبی انجام دے گا اسے دیوتاؤں کی طرف سے ہمت، عقل، استقلال اور دیانت کا جوہر عطا ہوا ہے!"

قلبی نے بے دلی سے جواب دیا۔ "لیکن خود کو میں اس کا اہل نہیں سمجھتا!"

زیغو کے باپ نے کہا۔ "یہ تمہارا انکسار ہے!"

مجلس کے قائد نے کہا۔ "تم اس نوجوان کو خواہ مخواہ مجبور کر رہے ہو۔ اس کام کے لیے ہمارے پاس اور بھی لوگ ہیں!"

زیغو کا باپ بیرسا کے قائد کے پاس پہنچ گیا اور سرگوشی میں کہا۔ "میں اس نوجوان کو اپنی بیٹی زیغو کی نظروں سے اوجھل کر دینا چاہتا ہوں اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ اسے ہینی بال کے پاس بھیج دیا جائے!"

اس کے بعد مجلس نے اپنا یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ قلبی اس وفد کے ساتھ جائے گا جو ہینی بال کو ردما والوں کے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے جا رہا ہے۔ قلبی تو کیا کسی میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ قرطاجنہ کے بڑوں کے فیصلے سے روگردانی کر سکتا۔

قلبی وہاں تو کچھ بھی نہ بولا لیکن گھر تک کے شدید غم اور غصے کا اظہار کیا۔ اس نے کہا۔ "میں خوب جانتا ہوں کہ مجھے قرطاجنہ سے دور کیوں بھیجا جا رہا ہے لیکن اب میرے لیے یہ بالکل ناقابلِ برداشت ہے کہ میں بیرسا کے بڑوں کے ہر اذیت ناک اور سوہانِ روح فیصلے کے آگے سر جھکاتا چلا جاؤں۔ ان سوہانِ روح فیصلوں کا میں انتقام لوں گا، بھیانک اور اذیت ناک انتقام!"

زیغو کے باپ نے نرمی سے کہا۔ "ردما والوں نے ہمارے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ بہترین موقع ہے کہ تم قرطاجنہ کو عملاً اپنی وفاداری کا یقین دلا دو۔ مقدس بیرسا کے بڑوں کا فیصلہ ایسا نہیں ہے جو بدلا نہ جا سکے۔ ہو سکتا ہے کل وہ تم سے خوش ہو کر ہمیں اجازت دے دیں کہ زیغو کو تمہارے حوالے کر دیا جائے!"

قلبی نے جواب دیا۔ "اب مجھے کسی بات کا یقین نہیں رہا!"

اس کے بعد جانے سے پہلے وہ زیغو سے ملا اور کہا۔ "زیغو! میں قرطاجنی وفد کے ساتھ ہینی بال کے پاس جا رہا ہوں!"

"جاؤ!" زیغو نے اس طرح جواب دیا گویا وہ کچھ اور سوچ رہی ہو، پھر پوچھا "واپسی کب تک ہو گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اس نے جواب دیا۔ "مجھے پتہ نہیں، مجھے یہ بھی یقین نہیں کہ ہینی بال تک پہنچتے پہنچتے میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں کیونکہ تم سب کی قومی عصبیت ان حالات میں مجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہتی!"

"ایسی باتیں مت کرو!" زیفو نے ناگواری سے کہا۔ "آخر تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ میں بھی اسی قوم سے تعلق رکھتی ہوں اور میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں جتنی ایک وہ پرستار اپنے دیوتا سے کرتا ہے جو بالآخر دیوتا کی قربان گاہ پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے!"

قلبی نے جواب دیا۔ "کیا پتہ؟"

زیفو تلملا گئی، اٹھ کر کھڑی ہو گئی، شدید جذبات میں تنفس تیز ہو گیا اور جسم تھرتھرانے لگا۔ بولی۔ "تم میری محبت پر یقین نہیں رکھتے؟ یہ سب کچھ ڈھونگ ہے؟ میں نے اپنی یہ حالت جو بنا رکھی ہے اس میں جھوٹ اور ریا کاری کارفرما ہے؟ میں نے عمر بھر کنواری رہنے کا عہد جو کیا ہے تو کیا میں اس سے پھر جانے کا ارادہ کر چکی ہوں!" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

قلبی پتھر کی طرح ساکت کھڑا رہا۔

زیفو نے اچانک اس کو شانوں سے پکڑ لیا اور بد دعا دیتی ہوئی بولی۔ "اگر میں جھوٹی ہوں تو مجھے صحت و تندرستی کا دیوتا ایشمون اپنی نعمتوں سے محروم کر دے اور میں اپاہج اور معذور ہو جاؤں، یہ میری بدقسمتی ہی تو ہے کہ میں جس کی وجہ سے ان حالوں پہنچی، وہی مجھ پر اعتبار نہیں کر رہا، کیا تم کسی ایسے نوجوان کا نام بتا سکتے ہو جس نے اتنی قربت حاصل کی ہو اور میں نے اس کے سامنے لطف و محبت کے دو بول بھی ادا کیے ہوں!"

قلبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیفو کہتی رہی۔ "بہرحال تم اب واپس آؤ یا نہ آؤ، مجھے کوئی پرواہ نہیں، میں نے جو عہد کیا ہے، مرتے دم تک اس پر قائم رہوں گی!" اس کے بعد وہ رونے لگی، اس نے قلبی کے شانے چھوڑ دیے اور گھٹنوں میں سر دے کے سسکیاں بھرنے لگی۔ "اے مقدس بیرسا کے دیوتا! کیا تم نے محبت اور سچائی کو اس دنیا سے اٹھا لیا ہے؟ آخر یہ کیسی دنیا ہے جہاں محبت کی کوئی قدر نہیں، اس محبت اور خلوص سے محروم دنیا میں خود کو اکیلی اور تنہا محسوس کر رہی ہوں، دیوتا! مجھ پر رحم کرو اور مجھے

پاس بلا لو!"

بے حس قلبی کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کی باتیں سنتا رہا اور آخر اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد زیفو اٹھی اور کھوئی کھوئی بیرسا کی چوٹی پر تانیت دیوی کے مندر میں چلی گئی، تانیت دیوی جو ہندوؤں میں دھرتی ماتا کہلاتی ہے، وہ تانیت دیوی کے قدموں میں لیٹ گئی اور آنسو بہا کے درخواست کی۔ "دیوی! مجھے اپنی آغوش میں چھپا لو، میں غموں سے تنگ آ گئی ہوں، تیرے بیٹوں نے میرے دل کو طعن و تشنیع اور دل آزار برتاؤ سے چھلنی کر دیا ہے!"

قلبی قرطاجنی وفد کے ساتھ ہینی بال کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے زیفو کے رویے میں پہلی بار یہ تبدیلی محسوس کی کہ وہ ساحل سمندر پر الوداع کہنے نہیں آئی، زیفو کی محبت پر شک کر کے قلبی نے اس کا دل دکھایا تھا، زیفو نے اس کے خلاف خاموش احتجاج کیا تھا۔ ورنہ اس کا دل اپنے اس رویے پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔

✤ ✤ ✤

قرطاجنی وفد کو ہینی بال کے پاس فوراً ہی پہنچا دیا گیا۔ اس وقت وہ بل کرت دیوتا کی سیڑھیوں پر کھڑا تھا، دراز قامت، کاندھے پر سیاہ شال پڑی ہوئی تھی، چوڑی اور کشادہ پیشانی کے نیچے پرعزم آنکھوں میں ایک خاص چمک پائی جاتی تھی۔ بال گھونگھریالے اور داڑھی چھوٹی تھی، کاندھے ذرا جھکے ہوئے تھے۔ قرطاجنہ کے بڑوں کا فیصلہ اس کے حوالے کر دیا گیا، اس نے مندر کی سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے اس فیصلے کو پڑھا اور وفد کو جواب دیا "میں اس فیصلے کو خوش آمدید کہتا ہوں، اب وقت آ گیا ہے کہ اہل قرطاجنہ روما کی سیاسی اور فوجی برتری کو خاک میں ملا دیں!"

اس نے وفد کو چند دنوں کے لیے اپنے پاس روک لیا۔ قلبی نے ہینی بال میں کچھ ایسی غیر معمولی صلاحیتیں دیکھیں کہ وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ہینی بال روما پر ایک غیر معمولی اور فیصلہ کن ضرب لگانے کا پہلے تہیہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اس کی فوج میں اسپین، فرانس، افریقہ جیسے دور دراز علاقوں کے سپاہی ایک ہی صف میں کھڑے تھے اور ان میں اتحاد تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

پال نے ان کے دلوں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ ان میں غلام بھی تھے اور آزاد بھی اور ان دونوں میں امتیاز نہیں برتا گیا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ یہاں اسے زیفو کی یاد بہت کم آتی تھی، چنانچہ جب ہینی بال نے قرطاجنی وفد سے یہ سوال کیا کہ "وفد کا کون رکن واپس جانا چاہتا ہے اور کون یہاں رکنا چاہتا ہے؟"

تو فلبی کا نام رکنے والوں میں شامل ہو چکا تھا۔

ہینی بال کو جب یہ معلوم ہوا کہ فلبی پارس سے تعلق رکھتا ہے تو اس نے فلبی سے وفاداری کا سخت عہد لیا۔ اس نے فلبی کو مل کرت دیوتا کے سامنے کھڑا کر کے حکم دیا کہ "اپنے سیدھے ہاتھ میں شگاف لگا کے خون بہاؤ اور قسم کھاؤ کہ تم سازش یا غداری کے مرتکب نہیں ہو گے!"

یہ عہد فلبی ہی سے نہیں، بعض اور لوگوں سے بھی لیا جا رہا تھا۔ فلبی نے شانے سے ذرا نیچے ہاتھ کی ہتھیلی میں شگاف دیا اور خون کے چند چھینٹے مل کرت دیوتا کے قدموں میں چھڑک دیئے اور ہینی بال کے حلفیہ کلمات ادا کر دیئے۔

صبح طلوعِ آفتاب کے بعد ہینی بال اپنی سپاہ کا جائزہ لینے نکلا جب وہ فلبی کے قریب پہنچا تو اس نے اہلِ قرطاجنہ کے وہ مظالم جو اس کی رود [illegible] ڈھائے گئے تھے ہینی بال کے گوش گزار کیے اور کہا۔ "برقہ خاندان کے عظیم سردار! میں زخم خوردہ انسان اپنی وفاداریوں کے عوض یہ چاہوں گا کہ میرے دل پر قرطاجنہ کے بڑوں نے جو گھاؤ لگائے ہیں، ان کا [illegible] سلوک سے اند [illegible] کر دیا جائے!"

ہینی بال نے کوئی خاص اثر لیے بغیر جواب دیا "اپنی وفاداریوں کا کس حد سے معاوضہ طلب کر رہے ہو، یہ گستاخی ہے۔ تم نے اپنی جان ہمارے عزائم کے ہاتھ بیچ دی ہے اب یہ ہماری مرضی پر موقوف ہے کہ اس کا کیا [illegible] طرح اپنی مرضی سے معاوضہ دیں اور اس کی صحیح قیمت اس وقت متعین [illegible] جب تم واقعی اپنی وفاداریاں ثابت کر سکو گے ورنہ ابھی تو تم ایک عام انسان ہو، عشق زدہ، ایک نوجوان حسینہ کی زلف گرہ گیر کے اسیر [illegible] میں عشق کرنا کوئی قابلِ تحسین یا لائقِ عزت کارنامہ نہیں ہے۔ [illegible] کرتے ہیں!"

فلبی اس پتھر دل نوجوان سے خوف زدہ ہو گیا۔ ہینی بال کہہ رہا تھا "یونان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ملک گیری اور کشور کشائی کے علاوہ کسی کام میں دلچسپی لیں، اسی سے وہ خود کو اور اپنی قوم کو سربلند رکھ سکتے ہیں۔ تخیلات، صنعت، سیاست، مذہب سبھی اس کے تابع ہیں، طاقت، تلوار اور ہتھیار عزت اور کامیابی کی کنجی ہیں، عورت کا عشق تو ایک سطحی اور اسفل جذبہ ہے، اس آبلے کی طرح جو پانی میں تھوڑی دیر کے لئے آتا ہے، اس بلبلے کی طرح جو سطحِ آب پر ذرا سی دیر کے لئے نمودار ہو کر غائب ہو جاتا ہے!"

اس کے بعد اس نے اپنی سپاہ کو مخاطب کیا اور اس کو بتایا کہ "دیکھو ہم عنقریب روما میں داخل ہو جائیں گے، ایک فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے، وہاں گداز جسم اور تیکھے نقوش والی غزال صفت عورتیں تمہارے دلوں پر چھاپے ماریں گی، خبردار جو تم نے ان عورتوں کے ہاتھوں مفتوح ہونا پسند کیا، اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ تم پر ہنسیں گے اور کہیں گے کہ تم کتنے بے وقوف انسان ہو کر روما کے مردوں کو تو فتح کر لیا لیکن ان کی عورتوں کے ہاتھوں مفتوح ہو گئے، یہ وہ ذلیل ترین داغِ رسوائی ہے جو کسی مرد کی درخشاں پیشانی پر لگ سکتا ہے!"

ہینی بال کی تقریر اور خیالات نے فلبی کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی۔ وہ زیفو سے عشق کرتا تھا۔ شدید عشق لیکن ہینی بال کی تقریر کے بعد اسے یہ محسوس ہوا جیسے وہ اب تک عشق نہیں گناہ کرتا رہا ہے، کوئی جرم کرتا رہا ہے۔

ہینی بال نے اپنی تقریر کی صداقت کو عملاً یوں ثابت کیا کہ اس نے اپنی حسین بیوی املکہ اور چھوٹے سے بچے کو افریقی قرطاجنہ روانہ کر دیا۔ جس جہاز پر اس کا خاندان قرطاجنہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ ہینی بال اس کا نظارہ ایک ساحلی دیدبان سے کرتا رہا۔

* * *

فلبی کے لیے یہ دنیا عجیب تھی، طاقت ور اور عظیم شخصیت کس طرح [illegible] شخصیتوں کو مغلوب کر لیتی ہے، اس کی بہترین مثال ہینی بال اور اس کے آس پاس کے ماحول میں موجود تھی، یہاں ذہین لوگ بھی موجود تھے اور [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

مغز بہادر بھی، یہاں فرماں برداروں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی اور سرکشوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، اور ان سب پر ہینی بال کی شخصیت حاوی تھی کیونکہ قرطاجنہ کی سرزمین بھری رہتیں، چاروں طرف سے فوجی آتے چلے جا رہے تھے۔

افریقہ کے نومدی اپنی مخصوص وضع میں دور ہی سے پہچانے جاتے [illegible] یہ بغیر لگام کے گھوڑوں پر سوار ہاتھی کی کھال کی ڈھالیں اپنی پشت پر ڈالے سانگ (چھوٹی برچھی) اور چھروں سے لیس گردنیں پرچھی کیے ملوں گزر جاتے [illegible] دنیا کی شجاعت اور بے جگری ان پر ختم ہو گئی ہے، یہ نومدی بے لگام گھڑسوار جنگ کے دوران اپنے حریف پر سبقت لے جاتے کیونکہ ان کے حریف کا ایک ہاتھ تو گھوڑے کی لگام پکڑے ہوتا اور دوسرے ہاتھ سے وہ مقابلہ کرتے یہ سرفروش نومدی دونوں ہاتھوں سے جنگ کرتے اس لیے کہ یہ بے لگام گھوڑوں پر سوار ہونے کی وجہ سے دونوں ہاتھ خالی رکھتے تھے۔ ان کی سانگ (چھوٹی برچھی) کی مار بہت مشہور تھی یہ اپنے حریف کو سانگ کھینچ کر مارتے تھے جو کی زرہ توڑ کر جسم میں داخل ہو جاتی تھی، اس سانگ کے علاوہ فلاخن (گوپھن) کی گولیاں پھینک کر بھی چلاتے تھے اور یہ گولیاں بھی اکثر زرہ توڑ کر جسم میں [illegible] ہو جاتی تھیں۔

اسپین کے رہی پری بھی اپنے جھنڈوں سے پہچانے جاتے تھے [illegible] والا سورج اور ہلال ان کے جھنڈوں کے امتیازی نشان تھے، اسی طرح قلطی تھے جو چرمی کنٹوپوں میں منہ چھپائے اور بڑے بڑے برچھے سنبھالے ایک سرکشی سے آگے بڑھ جاتے، ان کے کنٹوپ میں لوہے کی کڑیاں لگی ہوتیں [illegible] میدانِ جنگ میں بڑا بچاؤ کرتی تھیں، ان میں قلطی بھی شامل تھے جو اپنی تلواروں اور فولادی لٹھ کی وجہ سے دور ہی سے پہچانے جاتے تھے، ان میں عالی خاندان لوگ بھی شامل تھے یہ گل بوٹوں کی سرخ قبائیں پہنے اپنے گھوڑے اچکاتے ادھر ادھر بھاگتے نظر آتے۔ یہ سب پچاس ہزار تھے ان میں [illegible] ہاتھی تھے۔ ہینی بال اپنے لشکر کے ساتھ ابرو ندی کی طرف بڑھا، یہ ندی ہے جس کی بابت رومائی حکومت بڑی فکر مند بنی تھی اور اس نے [illegible] قرطاجنہ کے بڑوں سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ ابرو ندی کے شمالی ساحل [illegible] رومائیوں کے اقتدار کی حد شروع ہو جاتی ہے اور ہینی بال کی حدود اس کے جنوبی [illegible]

[illegible] تھیں اور یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہینی بال کی افواج رومائی مرضی کے بغیر ان حدود کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ ہینی بال پچاس ہزار کے لشکر کے ساتھ ابرو ندی کی طرف بڑھا اور ابرو ندی کو پار اتر گیا۔ اس نے ہنستے ہوئے زیرِ لب کہا: "خوب! معاہدہ تو یہ تھا کہ ہم افریقی ہتھیاروں کے ساتھ ابرو ندی نہیں پار کریں گے لیکن آج میں اپنے پچاس ہزار لڑاکا جوانوں کے ساتھ دوسرے کنارے پر اتر چکا ہوں، رومائیو! آؤ دیکھو یہ میں نے کیا کیا!"

ہینی بال کے سپاہی ابھی تک اس کے عزائم سے پوری طرح باخبر نہ تھے، انہیں تو بس اتنا معلوم تھا کہ ہینی بال روما پر حملہ کرنے جا رہا ہے لیکن یہ حملہ روما پر کس سمت سے کیا جائے گا۔ ابھی تک کسی کو بھی نہیں معلوم تھا۔ ابرو ندی کے اس پار وہ [illegible]ت کی پہاڑیوں میں داخل ہو گیا۔ یہاں کے بہادر لوگ اس کا راستہ روک کر کھڑے ہوئے لیکن ہینی بال عظیم رومن امپائر کی بربادی کا ارادہ لے کر چلا تھا۔ الرجت کے [illegible] بہادر اس کے ایک ہی ریلے میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے اور شکست کھانے کے بعد بہتوں نے اس کی فوج میں نوکری کر لی۔

ابرو ندی سے پائرینز کے دروں کا فاصلہ ایک سو اسی میل تھا اور یہ فاصلہ [illegible] دنوں میں طے کیا جا سکتا تھا لیکن ہینی بال اپنے لشکر کے ساتھ جن دنوں یہ فاصلہ طے کر رہا تھا۔ موسم بہت خراب تھا اور قدم قدم پر موسم کی مزاحمت نے چھ دن کا سفر تین ہفتوں میں پورا کرایا تھا۔ اگر اس کے سپاہیوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ آہستہ آہستہ ایلپس کے اس کوہستانی سلسلے کی طرف بڑھ رہا ہے جس کے دوسری طرف جنوب میں روما سینہ تانے کھڑا ہے۔ تو شاید وہ آگے بڑھنے میں تامل سے کام لیتے۔

اس سفر کی سب سے عجیب کیفیت یہ تھی کہ ہینی بال یہ دشوار گزار سفر سردیوں سے پہلے پہلے ختم کر لینا چاہتا تھا۔ پائرینز میں قلطیوں نے راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن انہیں بھی پسپا ہونا پڑا، یہ قلطیوں کی آبادی تھی۔ ہینی بال راہ کی مشکلات پر قابو پاتا ہوا ایلپس کے کوہستان میں داخل ہو گیا، وہ جن علاقوں سے بھی گزرا دولت اور ثروت کی بہتات دیکھی لیکن ہینی بال نے اپنی فوج کو خراب نہیں ہونے دیا اور یہی کہتا رہا: "بہادرو! ان معمولی لوگوں پر اپنی قوت ضائع کرنے سے فائدہ، روما کی تسخیر کے بعد یہ لوگ خود بخود اطاعت قبول کر لیں گے، اس وقت تم لوگ آزاد اور خود مختار ہو گے اور جی بھر کے عیش کر لینا لیکن ابھی میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا!"

پائرینز کے دشوار گزار دروں کے ساتھ ہی ایلپس کا سلسلہ راستہ روک کے کھڑا ہو گیا اور فوجیوں کے حوصلے پست ہونے لگے۔ اس نے مذبذب اور کم ہمت سپاہیوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

چہرے پر خوف کا ہلکا سا سایہ محسوس کیا۔

اس نے اپنی پوری فوج کو مخاطب کیا اور کہا۔ "میں نے اپنے بہت سے سپاہیوں کے چہرے پر فکر اور تردد کی سیاہیاں محسوس کی ہیں، کیا تم لوگوں نے بھاگنے کا ارادہ کر لیا ہے؟ روما والوں کے سامنے روسیاہ ہونا پسند ہے؟ ممکن ہے تمہیں اپنی عزت کا پاس نہ ہو لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا اور میں اپنی فوج کے سیاہ چہرے والوں سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

ایک اسپینی نے سوال کیا۔ "پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ تم ہمیں لیے کہاں جا رہے ہو؟"

ہینی بال زور سے ہنسنے لگا، بولا۔ "سمجھا، سمجھا، تو یہ بات ہے۔" پھر سنجیدگی سے سوال کیا۔ "کیا میں نے تمہیں اپنے عزائم سے مطلع نہیں کر دیا تھا، میں روما والوں کو ایک ایسا سبق دینے جا رہا ہوں جسے وہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

"ہمیں یہ تو معلوم ہے!" ایک اسپینی سردار نے کہا۔ "لیکن اب ہم برفیلے پہاڑوں میں نہیں جا سکتے۔"

ہینی بال نے کہا۔ "تم بزدل ہو، جنگ سے ڈرتے ہو۔"

اسپینی سردار نے جواب دیا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں، ہم لڑائی سے بالکل نہیں ڈرتے مگر ہم نامعلوم پہاڑوں میں جانا بھی پسند نہیں کرتے کیونکہ ہم اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ ان نامعلوم پہاڑوں میں اجنبی دیوی دیوتا مسلط ہیں۔ ہمیں اپنی جان عزیز ہے، اپنے وطن کے میدان پیارے ہیں، ہم آگے نہیں جانا چاہتے!"

قلبی کو اپنا بوڑھا یاد آ گیا، وہ بھی اسی طرح وطن کی رٹ لگائے رہتا تھا۔ اسی دوران اسے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ہینی بال اپنا لشکر ہاتھیوں سمیت ایلپس کے پار لے جانا چاہتا ہے، اس کے سامنے حد نظر تک سفید پوش پہاڑوں کا پیچ در پیچ کوہان در کوہان سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

ہینی بال نے اسپینی سرداروں سے سوال کیا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

اسپینی سرداروں نے بیک آواز جواب دیا۔ "اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہیں!"

"بہتر ہے!" ہینی بال نے اسپینی سرداروں کا فیصلہ خندہ پیشانی سے قبول کیا، اس نے باوقار انداز میں مزید کہا۔ "جو لوگ واپس جانا چاہتے ہیں میں انہیں واپسی کی اجازت دیتا ہوں لیکن جو لوگ میرا ساتھ دینا چاہتے ہیں انہیں آفرین کہتا ہوں اور یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا مرنا جینا انہی کے ساتھ ہوگا!"

ہینی بال کی طرف سے اجازت ملتے ہی سات ہزار اسپینی، فوج سے الگ ہو گئے۔ قلبی کے جی میں آئی کہ وہ بھی انہی کے ساتھ ہو لے لیکن یہ اسپینی تھے اور اسپین اس کا وطن نہیں تھا۔

واپس جانے والوں نے دوسرے فوجیوں میں بد دلی اور مایوسی پھیلا دی تھی جب یہ لوگ دریائے رہون کے اس پار پہنچے اور ایلپس کے بلند ترین سلسلوں پر نظر ڈالی تو بہت زیادہ گھبرا گئے۔ ہینی بال ان پر گہری نظریں رکھے ہوئے تھا اور وہ انہیں کسی طریقوں سے قابو میں رکھنے کا قطعی فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے ان پریشان حال بد حواس سپاہیوں کو اپنے روبرو طلب کیا اور کہا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ بعضوں کے چہرے کی سیاہیاں گہری ہوتی جا رہی ہیں، آخر اس کا کوئی خاص مطلب ہے؟"

کسی سپاہی نے بدقت تمام عرض کیا۔ "میں نے نہایت غور سے آسمان اور زمین پر پہاڑی سلسلوں کو دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہی وہ بلند و بالا پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں نظر نہیں آتیں اور جن کی بابت عقل مندوں نے کہا ہے کہ یہ ٹیلے آسمان تک بلند ہیں!"

کسی دوسرے سپاہی نے کہا۔ "یقیناً ان بلند و بالا پہاڑوں نے ہمارا راستہ روک دیا ہے اور دوسری آفت یہ ہے کہ یہاں پھسلن بہت زیادہ ہے۔ مرطوب جنگل، ہوا کی وجہ سے کپڑے ٹھکانا یا بدن گرم رکھنا ناممکن ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اس کی بلندیاں دیوتاؤں کے دیس تک چلی گئی ہیں!"

ہینی بال نے بے رخی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو لیکن یہ جاننے کے بعد کہ ان پہاڑوں کی بلندیاں دیوتاؤں کے دیس تک چلی گئی ہیں، انہیں پار کرنے کا شرف حاصل کیے بغیر واپس نہ جاؤں گا!"

اس کے بعد وہ ایک مقامی سردار کو پکڑ لایا اور ان شاکی اور بزدلوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جوش میں بولا۔ "معزز دوستو! میں تمہارے روبرو کھڑا ہوں اور اپنے ساتھ ایک ایسے سردار کو بھی لایا ہوں جو ان پہاڑیوں کو کئی بار عبور کر چکا ہے ذرا اس کی بات تو سنو، دیکھو یہ کیا کہتا ہے؟"

یہ مسلح سوار صفوں میں سے نکلا اور ہینی بال کی طرف بڑھنے لگا پھر اس کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا، ایک نظر مجمع پر ڈالی اور کہنے لگا۔ "میرے خوف زدہ اور ہراساں دوستو! میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ [illegible] میں کئی بار عبور کر چکا ہوں، یہاں کوئی دیوتا نہیں [illegible] راستے البتہ ہیں اور ان راستوں پر کوئی بھی چل سکتا ہے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اس کے بعد ہینی بال مخاطب ہوا: "میں کہتا ہوں، تم لوگ خیالی اندیشوں میں مت پڑو اور حقیقت سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ ایلپس جسے تم یقیناً عبور کرو گے بس یہ قد آور اونچا پہاڑ ہے لیکن تم یقین کرو کہ یہ پہاڑ آسمان نہیں چھوتے، جب تم ان پر سے گزر رہے ہو گے تو یہ دلچسپ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ ان میں آباد قلقلی خاندان کھیتی باڑی کر رہے ہوں گے!"

ادھر ہینی بال ایلپس کو عبور کرنے کی کوشش میں تھا دوسری طرف روما والے اس کی آمد سے خبردار ہو چکے تھے اور ان کا وہ لشکر جو پانچ رکنی وفد کے اعلانِ جنگ کے بعد قرطاجنہ جانے والا تھا روک لیا گیا تھا کیونکہ ہینی بال بلائے آسمانی کی طرح ان کے سروں پر منڈلانے ہی والا تھا۔

* * *

ہینی بال ایلپس میں داخل ہو گیا۔ یہاں جگہ جگہ ندیوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ اس عظیم لشکر میں فیلی کی حیثیت ایک بھٹکے جیسی تھی اور اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ اب وہ نہ وطن واپس جا سکے گا، نہ قرطاجنہ یا اسپین اور اسے یہ یقین بھی نہ تھا کہ وہ روما کی کسی جنگ میں شرکت کر سکے گا لیکن اسے یہ یقین ضرور تھا کہ وہ ایلپس کو عبور کرتا ہوا کہیں بھی کسی کھڈ میں غائب ہو جائے گا۔

ہینی بال نے بہت سارے آدمیوں کو برف توڑنے اور کھڈوں کو قابلِ عبور بنانے کے لیے بڑے بڑے شہتیروں سے پاٹنے کے کام پر مامور کیا۔ یہ ایک کھڈ پاٹتے تو دوسرا سامنے آ جاتا۔ اسی طرح چٹانیں بھی حائل ہو رہی تھیں، ایک کے بعد ایک۔ یہ انہیں نہایت مشکلوں سے عبور کرتا بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اس کا ہر قدم ایلپس کی رکاوٹیں روک رہی تھیں۔ ہاتھی نہایت احتیاط سے آگے بڑھتے اور جب ایک بار اپنا توازن کھو بیٹھتے تو دوبارہ وہ کہیں نظر نہ آتے، کسی کھڈ میں ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتے۔ گرتے ہوئے ہاتھی کی چنگھاڑ سے پہاڑی چٹانیں گونج اٹھتیں اور سپاہ کے دلوں میں زلزلہ سا آ جاتا۔ باربردار گاڑیاں بھی حرکت میں تھیں۔ لوگ ایلپس کی بلندی پر جا رہے تھے۔ سپاہ ادھر ادھر منتشر ہو چکی تھی اور مختلف سمتوں سے اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی عالم میں انہیں طوفانِ باد و باراں کا مقابلہ کرنا پڑا اور کتنے ہی راستے کی صعوبتوں کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے ایلپس کی گہرائیوں میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئے۔

اس پُرصعوبت سفر کے نویں دن ہینی بال پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا اور وہاں اپنے ان

ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا جو دوسرے راستوں سے اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہاں وہ دو دن مقیم رہا۔ اس عرصے میں دوسرے لوگ بھی وہاں پہنچ گئے۔ برف اور طوفانِ باد و باراں نے بہتوں کو بیمار ڈال دیا اور ان میں سے کئی اوپر پہنچتے پہنچتے مر گئے۔ سپاہیوں میں سخت بے دلی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں انہیں کھانے پینے کی دشواریاں بھی پیش آئیں۔ جس پہاڑی سطح پر وہ پہنچے تھے اس کے دونوں طرف ایلپس کے سفید حصار کھڑے حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ سپاہیوں میں اب مزید چلنے کا یارا نہ رہا تھا۔ ان کے بدن اکڑ چکے تھے اور بھوک نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ زندگی کی طرف سے مایوسی نے سپاہ میں سرکشی اور سستی پیدا کر دی تھی۔ ہینی بال کے لیے یہ وقت بہت برا تھا۔ اس نے اپنے نیم مردہ ساتھیوں کو ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا کہ تھوڑی دیر کے لئے ساتھ چلنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس بار اس نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ وہ اپنے ساتھ انہی لوگوں کو لے کر آگے بڑھے جو سردار ہوں کیونکہ سرداروں میں حوصلہ اور برداشت زیادہ پایا جاتا ہے۔

یہ صبح کا وقت تھا۔ اس نے پہاڑ کی بلندی سے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ادھر دیکھو مشرق میں وہاں تمہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟"

سرداروں نے دور نیچے کی طرف دیکھا وہاں دھندلے جنگل اور کھیت دکھائی دے رہے تھے۔

ہینی بال نے کہا، "یہ روما کے کھیت ہیں۔" اس کے بعد اس نے اپنا سیاہ چغہ پیچھے سے ہٹا دیا۔ اس کے ہٹتے ہی تلوار کا مرصع قبضہ صاف نظر آنے لگا۔ اس نے ایک شانِ بے نیازی سے کہا، "یہ روما کے میدان ہیں اور یہ پہاڑ جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں روما کی فصیلیں ہیں۔ ہم اپنے دشمن کی فصیلوں پر قابض ہو چکے ہیں۔ اب نیچے آبادیوں میں حسین عورتیں اور دولت تمہاری منتظر ہیں اور انہیں ہم اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب ان فصیلوں سے نیچے اتر جائیں گے۔"

سرداروں کے مردہ چہروں پر رونق آ گئی۔ عورت، دولت اور شہرت ایلپس کے نیچے دنیا کی ساری نعمتیں ان کی منتظر تھیں۔

ہینی بال نے ان سرداروں کو حکم دیا۔ "جاؤ اور اپنے اپنے سپاہیوں کو بھی خوش خبری سنا دو کیونکہ اس خوش خبری کے بغیر ان کے مردہ چہروں پر رونق نہیں آ سکے گی!"

ہینی بال کا یہ پیغام ایک ایک سپاہی تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ باربردار اور پہرے دار تک اس خوش خبری سے آشنا ہو چکے تھے۔ راستے کی صعوبتیں اٹھاتے، بھوک پیاس سے نڈھال اور اپنے وطن سے کئی سو میل دور ہر سپاہی خوشی سے ایک دوسرے کو یہ بتا رہا تھا کہ "دوستو! ہمیں کوئی ڈر نہ گیا۔ اس وقت ہم روما کی فصیل پر قابض ہیں، نیچے آ ... روما کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

شہر ہیں جہاں گوشت، شراب، عورت، دولت، شہرت اور آگ کے الاؤ ہیں، وہاں سونے چاندی کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور وہاں کی مہذب عورتیں! کہتے ہیں، انہیں ساقی گری آتی ہے!"

طوفان باد و باراں، راستے کی صعوبتیں اور بھوک پیاس کی سختیاں جھیلی ہوئی فوج تازہ دم ہو گئی اس میں زندگی کی حرارت دوڑ گئی۔

* * *

دو دن قیام کرنے کے بعد تیسرے دن پہاڑوں سے نیچے اترنے کے لیے فوج میں آ گئی۔ اتار چڑھائی سے زیادہ دشوار ثابت ہوا، پہاڑی راستے جگہ جگہ جمی ہوئی برف کے نیچے چھپ گئے تھے۔ برف کی تہوں میں جمی ہوئی پہاڑوں میں مویشیوں کے لیے چارہ ملنا تھا اس لیے بھوک کے جانور اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ ہر قدم پر لڑکھڑا کر گر جاتے، کہیں کہیں برف کی پتلی تہہ ان مویشیوں کا بوجھ نہ سہار سکتی اور ٹوٹ جاتی تو جانوروں کے پیر ٹوٹی ہوئی برف میں دھنس جاتے اور جانور اس میں پھنس کر اچھا خاصا تماشا بن جاتے اور ہینی بال کے لشکری ان دلچسپ مناظر سے خوش ہونے کے بجائے خوف زدہ اور پریشان ہو جاتے۔ ہینی بال کے سالاروں کو یہ تشویش تھی کہ اگر پہاڑوں کے نیچے اترتے ہی ان پر مقامی لوگوں نے حملہ کر دیا تو ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا لیکن ہینی بال کا چہرہ فکر و تشویش کے تاثرات سے بالکل عاری تھا۔

لشکریوں کی بڑی تعداد برف کے تودے توڑ توڑ کر راستے بنانے میں مصروف تھی، چلتے چلتے یکایک یہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں برف کی تہہ میں چھپا ہوا راستہ ایک دم ختم ہو جاتا تھا اور سامنے ایک بہت بڑی چٹان ان کا راستہ روکے کھڑی تھی، چٹان کے نیچے وادی میں سرسبز و شاداب جنگل یوں کھڑا تھا جیسے بھوکوں کے سامنے ناقابلِ دسترس حد میں لذیذ اور خوش ذائقہ کھانوں کے خوان، پورا لشکر اس چٹان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ہینی بال کے حکم سے چٹان توڑنے والے کدالیں لے کر آگے بڑھے بمشکل الاؤ جلایا گیا اور چٹان کی دراڑوں میں سرکے کے مرتبان انڈیل دیے گئے، آگ اور سرکے کے اثرات نے چٹان کو کسی حد تک نرم کر دیا، اس کے بعد ان پر کدالوں کی بارش ہونے لگی، کدالوں کی پے در پے شدید ضربات نے چٹان کو توڑ دیا، راستہ نکل آیا کہ یہ لشکر وادی میں نظر آنے والے جنگل میں داخل ہو گیا۔ کہتے ہیں اوپر سے نیچے آنے میں ہینی بال کے پندرہ دن ضائع ہوئے تھے اور ہزاروں آدمیوں اور جانوروں نے زندگی سے ہاتھ دھو لیا تھا۔

نیچے اطالیہ کی پہلی بستی کے لوگ ہینی بال کی سپاہ کو پہاڑ کی چوٹی سے اترتے دیکھ رہے

ان کے لیے ہینی بال کی سپاہ کی جد و جہد بڑی پر لطف اور مزے دار تھی اور اس جد و جہد کو وہ اس شوق سے دیکھ رہے تھے جیسے تھیٹر کو تماشائی دیکھتے ہیں لیکن جیسے جیسے یہ لوگ نیچے آتے مقامی لوگوں کو ہوش آتا گیا، انہوں نے ہینی بال کے دو دو آدمیوں کو نڈھال اور بے حال دیکھا، اسی طرح ان کے مویشیوں کو لنگڑا لنگڑا کر چلتے دیکھا تھا۔ ان کے پاؤں سوجے ہوئے تھے۔ مویشیوں کی پشت پر راسیدہ کپڑے پڑے تھے۔ مقامی لوگ تیزی سے اپنے گھروں میں داخل ہوئے ہتھیاروں سے لیس ہو کر ہینی بال کے مقابلے پر آ گئے، انہیں قرطاجنی سپہ سالار کے ارادوں میں کوئی کھوٹ محسوس ہوئی تھی ان کا خیال تھا کہ اگر اس تھکے ماندے پریشان حال لشکر پر ایک دم ہلا بول دیا جائے گا۔ تو بڑی جلدی قابو میں آ جائیں گے، انہوں نے ان تازہ واردان پر ایک دم ہلا بول دیا۔ تھکی ماندی قرطاجنی سپاہ جان پر کھیل کر یہاں تک آ پہنچی تھی اسے کھانا درکار تھا۔ آگ جلانے کے لیے اور سر چھپانے کے لیے ٹھکانوں کی تلاش تھی۔ انہوں نے حملہ آور ہونے والوں کو بلاتے ہیں وہاں کی بستی کو گھیر لیا اور بہتوں کو قتل اور گرفتار کر لیا، کچھ گھروں سے فرار ہو گئے اور جب جنگ کا مطلع صاف ہوا تو مقامی لوگوں کی پوری بستی ویران اور سنسان پڑی تھی، ہینی بال نے ان خالی مکانوں میں اپنی سپاہ کو گھس جانے کا حکم دیا اور کہا۔ "ہم کچھ دن یہیں ستائیں گے اور ساز و سامان درست کریں گے ہمارے مویشی نڈھال ہیں، ان کی توانائی بحال کریں گے۔ اس کے بعد آگے کا ارادہ کریں گے، یہاں اسے اپنے دوستوں کا ابھی انتظار کرنا تھا جو اب تک نہیں پہنچے تھے اور انہوں نے راہ میں اس کی رفاقت اور اطاعت اختیار کی تھی لیکن کافی انتظار کرنے کے بعد بھی جب یہ لوگ وہاں نہیں پہنچے تو ہینی بال کے ساتھ ہی دوسرے فوجی افسروں کو بھی یہ یقین ہو گیا کہ ان حلیفوں نے انہیں دھوکا دیا ہے اور اب وہ شاید کبھی بھی نہ آئیں گے۔

ہینی بال کے عمر رسیدہ اور تجربہ کار سپہ سالار پرنٹ اور مہربال اس فکر میں پھنسے ہوئے تھے کہ اگر ان کے حلیف واقعی نہ آئے تو ان چھبیس ہزار سپاہیوں سے روما کس طرح فتح کیا جائے گا۔ جہاں ہزاروں میں سے اب صرف چھبیس ہزار سپاہی بچے تھے۔ ان دونوں سپہ سالاروں نے یہ بھی سوچا کہ اگر مقابلہ ان چھبیس ہزار سپاہ سے ہی کرنا پڑ جائے تو پھر اس جنگ کو سر دست ملتوی کر دینا چاہیے اور یہیں واپس چلا جانا چاہیے، پرنٹ اور مہربال سپاہیوں کے درمیان بیٹھے مستقبل کے لائحہ عمل پر غور کر رہے تھے، ان کے ہم خیالوں میں فلبی بھی شامل تھا۔ اس نے کہا۔ "اہل قرطاجنہ نے جن دانشمندیوں سے ڈر کر کوہ آرکس خالی کر دیا تھا اور پھر ساردینا اور کورسیکا سے بھی بے دخل ہو گئے تھے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ کیا ہم اپنے اس طاقت ور دشمن کو اپنی تھکی ماندی چھبیس ہزار فوج سے شکست دے دیں گے؟"

عمر رسیدہ سپہ سالار مہربال نے بھی فلبی کی اس رائے سے کسی حد تک اتفاق کیا، بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

پنارسی نوجوان! تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرا جنگی میدانوں کا وسیع تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اب حا[لات] ذرا بدل گئے ہیں اور ہم معقول تعدادی فوج سے روما والوں کو شکست دے سکتے ہیں لیکن تھ[وڑی] تعداد اور تھکی ہوئی فوج سے یہ کارنامہ نہیں انجام دیا جاسکتا!"

ہینی بال کے بڑے بڑے کان اپنی سپاہ کے ایک ایک آدمی کی باتیں ہی نہیں ان [کے] دل کی دھڑکنیں تک سن رہے تھے۔ وہ مہربال کی چوپال میں ہونے والی باتیں نہایت غور سے سنتا رہا۔ پھر اچانک اندر داخل ہو گیا اور قلبی کو جھڑکتا ہوا بولا: "او پنارسی نوجوان! کہیں تو ہماری [صفوں] میں سازش اور نفاق کے بیج تو نہیں بو رہا؟ تجھے یہاں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، ہم روما [والوں] کا قہر بن کے ٹوٹے ہیں اور تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ روما والوں سے وہ سار[ا حساب] کیا جائے گا جو اب تک اہل قرطاجنہ ان سے لے نہیں سکے ہیں۔ کوہ ارکس، سارڈینا [کو] خالی کر دینے کی ذلت کا حساب میں اہل روما کو ان کی اپنی زمین میں غلام بنانے آیا ہوں!"

پھر وہ بوڑھے مہربال سے مخاطب ہوا: "تم میرے باپ کے زمانے سے سپہ سا[لاری] کرتے چلے آرہے ہو، اگر میری جگہ اس فوج کے تم سپہ سالار ہوتے تو ان حالات میں کون سا قد[م] اٹھاتے؟"

جرأت مند مہربال نے جواب دیا: "ہینی بال! تم ابھی نوجوان ہو اور تمہیں وہ تجربہ حا[صل] نہیں جو میرا برف کے گالوں میں چھپا ہوا دماغ رکھتا ہے! تم جو کچھ کر رہے ہو اس میں نوجوانی کا [جوش] اور غیر مآل اندیشی کارفرما ہیں۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو یقیناً روما میں داخلے کے لئے یہ تباہ کن را[ستہ] نہ اختیار کرتا اور اگر غلطی سے یہ راہ اختیار بھی کر لیتا تو یہاں سے، جہاں اس وقت ہم سب [جمع] ہوئے ہیں چپ چاپ واپس چلا جاتا کیونکہ طاقت ور اور چاق و چوبند دشمن کے ہاتھوں خواہ مخواہ قتل ہو جانے سے یہ بہتر ہے کہ اپنی سپاہ کو بخیر و عافیت یہاں سے واپس لے جا[ئیں]۔"

* * *

ہینی بال نہایت توجہ سے مہربال کی باتیں سنتا رہا، پھر زور سے ہنس دیا۔ بولا: "م[...] یہی جوانی کا جوش اور غیر مآل اندیشی کہہ رہے ہو اس میں میرا تدبر کارفرما ہے، روما والے ان [راستوں] کا شان دار اور ناقابل تسخیر دفاع کر سکتے ہیں جن سے ان کا کوئی بھی دشمن وارد ہو سکتا ہے [لیکن] یہ راستہ جسے ہم بروقت عبور کر کے روما میں داخل ہو گئے ہیں، یوں ہی خالی پڑا تھا۔ اور روما وا[لے] یقین کئے بیٹھے ہیں کہ ان ناقابل گزر راستوں سے، برف باری کے زمانے میں کم از کم کوئی انسان نہیں گزر سکتا نہ کہ دشمن کی سپاہ، میں ان کی اسی غفلت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ ذرا سوچو [جب] اہل روما کے عمائدین اور سپاہ کو یہ معلوم ہو گا کہ میں کوہ ایلپس کی چوٹیوں سے اپنی فوج لے کر

ٹوٹ پڑا ہوں تو ان پر اس خبر کا ملنا بڑا نفسیاتی اثر ڈالے گا۔ آدھی جنگ تو اسی نفسیاتی اثر ہی سے جیت لی جائے گی!"

مہربال نے سرکشی سے جواب دیا: "یہ خیالی باتیں ہیں، میں ان پر اس وقت تک یقین نہیں کر سکتا جب تک اس کے نتائج خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں!" پھر ٹھنڈی سانس بھر کے کہا: "اور حسب توقع نتائج دیکھنا شاید ہماری قسمت میں نہیں لکھا!"

ہینی بال نے سختی سے کہا: "بہرحال اور کوئی بات یقینی ہو یا نہ ہو لیکن ایک بات حتمی ہے اور وہ یہ کہ ہم یہاں سے واپس نہیں جائیں گے!"

اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ جو لوگ اس سے جنگ کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں انہیں ایک میدان میں کھڑا کیا جائے۔ جب یہ زنجیروں اور رسیوں میں جکڑے ہوئے قیدی میدان میں کھڑے کئے گئے تو اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ وہ بھی وہیں جمع ہو جائے کیونکہ ایک دلچسپ کھیل دکھایا جائے گا۔

قرطاجنی سپاہ بھی وہاں پہنچ گئی۔

ہینی بال ان قیدیوں کی قطاروں کے سامنے سے گزرتا چلا گیا پھر واپس آ کے ان کی صف کے درمیان کھڑا ہو گیا اور باآواز بلند اعلان کیا: "تم میں جو بھی آزادی کا خواہاں ہو اپنی صف سے باہر آ جائے!"

سبھی آزادی کے خواہاں تھے۔ ہینی بال مسکرایا، کہنے لگا: "آزادی یوں ہی نہیں مل جایا کرتی اس کی حصولیابی کا ایک واحد طریقہ ہے اور وہ یہ کہ طاقت سے حاصل کی جائے، ہتھیاروں کی مدد اور شجاعت کے اظہار سے!"

ہینی بال کہنا کیا چاہتا ہے، سبھی یہ جاننے کے لیے بے چین تھے۔ ہینی بال نے قیدیوں کی صف سے دو آدمی نکال لئے، بولا:

"کیا تم اس پر تیار ہو کہ دونوں اپنی مرضی اور پسند کے ہتھیاروں سے ایک دوسرے کا مقابلہ کرو۔ آزادی صرف اس کا حصہ ہو گی جو اپنے مقابل کو شکست دے کر قتل کر دے گا۔ آزادی اور ہتھیار اسی فاتح کا حق ہوں گے!"

دونوں قیدی بخوشی مقابلے پر آمادہ ہو گئے۔ انہیں قید و بند سے آزاد کیا گیا اور انہیں ان کی پسند کے ہتھیار دے دیے گئے۔ پھر ہینی بال کے ایک اشارے پر وہ دونوں آزادی کی خوف ناک جنگ لڑنے لگے۔ ان دونوں کو یہ احساس بھی تھا کہ اپنوں اور غیروں کی نظریں ان پر ہیں اور ربھی ہم آزاد ہیں۔ دونوں نے بے مثال شجاعت اور بے جگری سے مقابلہ کیا اور ایک طویل مقابلے کے بعد ایک زخمی ہلکان ہو کے زخم کھا کے گر گیا اور دوسرا فاتح خوشی سے دیوانہ سا ہو گیا۔ ہینی بال کی سپاہ اور قیدیوں نے نعرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

والے ہیں بھی ایک خاص ادا دیکھی وہ اس شاندار مقابلے میں شرمندگی سے بچنے کے لئے تمکنت اور خودداری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

ہینی بال نے اپنی سپاہ کو مخاطب کیا۔ "اس دلچسپ تمثیل میں تمہاری قسمتوں کا فیصلہ موجود ہے۔ اہل روما کے مقابلے میں فتح کی شادمانی اور انعام و اکرام کا خود کو مستحق ثابت کر دیا پھر اس کی طرح بہادرانہ موت مر جاؤ، تیسرا کوئی راستہ نہیں!"

* * *

ہینی بال کے شمالی روما میں مقابلے شروع ہو گئے۔ ہینی بال کی سپاہ نے اس کی تمثیل کو گرہ میں باندھ لیا تھا۔ انہوں نے ہر محاذ اور ہر معرکے میں بے مثل شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اہل روم پر ہینی بال ہوا بن کر نازل ہوا تھا۔ ہینی بال کا اندازہ بالکل درست نکلا۔ سردیوں میں ایلپس کے دشوار گزار سلسلوں کو عبور کر کے روما پر حملہ آور ہونا ایک بڑا اور ناقابل فہم کارنامہ تھا' اہل روما کے ہوش اڑ گئے۔ ہینی بال نے اپنی فوج کی کمی کو یوں پورا کیا کہ مفتوحہ علاقوں کے نوجوانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔ ہینی بال شمال سے جنوب کی طرف بڑھا اور بحیرۂ اڈریاٹک کے ساحلی شہر کنائے تک پہنچ گیا اور یہی وہ شہر تھا جس کا اہل روما نے بھرپور دفاع کیا تھا۔

شروع شروع میں قلبی کا یہ خیال تھا کہ روما کے لوگ ہینی بال کو شکست دے دیں گے لیکن نتائج برعکس نکل رہے تھے، وہ خود جنگ و جدل کا خوگر نہ تھا۔ اس نے میدانِ جنگ کی ہولناکیاں جو دیکھیں تو دل دہل گیا، یہ ایلپس کی دشوار گزار راہوں سے زیادہ پرخطر راہ تھی' اس کی ذہنی عصبیت یہاں بھی جاگ اٹھی۔ اس کے لئے یہ منظر انتہائی اذیت ناک ہوتا تھا کہ قرطاجنہ کے لوگ رومیوں کو اپنے ہتھیاروں سے ہلاک کر کے گھوڑوں سے روند ڈالیں' اسے ان نوجوانوں پر بھی غصہ آتا تھا جو دولت کی طمع میں ہینی بال کی فوج میں شامل ہو گئے تھے اور خود اپنے ہی ہم وطنوں کو ہلاک کر رہے تھے۔

کنائے میں ہینی بال رک گیا کیونکہ یہاں رومیوں نے ان غیر ملکیوں کو خاک و خون میں ملا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بحیرۂ اڈریاٹک سے تین میل دور ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر ہینی بال نے اپنی سپاہ کا جائزہ لیا۔ افریقہ کے بے لگام سوار نومدی مہربال کی قیادت میں تھے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں میں سانگے پکڑ رکھے تھے۔

ہینی بال کے سامنے اس کی فوج کے مقابل میلوں میں پھیلے ہوئے رومی تھے' جو اپنے بہترین ساز و سامان، تعداد اور باضابطگی اور ترتیب سے ہینی بال کی سپاہ کو متاثر کر رہے تھے۔

بال اپنی سپاہ کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ اس نے ان کا دل بڑھانے کے لئے ہنسی مذاق شروع کر دیا۔ اس نے اس جنگ میں جو تدبیر اختیار کی تھی اس کی کامیابی پر وہ کامل یقین رکھتا تھا۔ اس نے اپنے ٹیلے سے رومی سپاہ کا جائزہ لیا اور اپنے لشکر کی ترتیب اس طرح قائم کی کہ اس کا قلب بالکل کمزور رہ گیا۔

اعلانِ جنگ ہوا اور دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ تلواروں کی سنانیں سورج کی روشنی میں چمکیں اور رومی سپاہ کے سینوں میں پیوست ہونے لگیں۔ رومی نہایت آسانی سے ہینی بال کے کمزور قلب میں داخل ہو گئے۔ ہینی بال کا قلب خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹتا چلا گیا، ہینی بال نہایت اطمینان سے یہ تماشا دیکھتا رہا۔ اس کے دائیں بائیں بازوؤں نے اردو کے ہندسے آٹھ (۸) کی شکل میں ایک طرف سے سکڑنا اور دوسری طرف سے پھیلنا شروع کر دیا۔ ہینی بال کا کمزور قلب (۸) کے نقطۂ اتصال سے نکل کر رومی افواج کی پشت پر آ گیا اور ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ ہینی بال نے سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق اپنے دائیں بائیں بازوؤں کو اشاروں میں حکم دیا کہ درمیان میں گھر جانے والے رومیوں کو زنبور کی طرح اپنے قابو میں لے کر بے دریغ' اس پر حرف بہ حرف عمل ہوا اور آناً فاناً تقریباً ستر ہزار رومی موت کے گھاٹ اتر گئے جبکہ اس جنگ میں اسی ہزار رومیوں نے حصہ لیا تھا۔ ہینی بال کا یہ ایک عجیب حربی پھندا تھا اور کسی تباہی خیز جنگ کی اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے۔ جو رومی زندہ بچ گئے تھے، وہ ادھر ادھر پناہ کی تلاش میں چھپتے پھر رہے تھے اور ہینی بال کی سپاہ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل یا گرفتار کر رہی تھی، ہینی بال نے اپنے گھوڑے پر پامال میدان جنگ میں گشت لگایا اور اپنے فوجیوں کے نعرہ ہائے تحسین کا مسکراہٹوں اور ہاتھ کے اشاروں میں جواب دیتا ہوا اپنے خیمے میں داخل ہوا۔

فاتح سپاہیوں کی ہینی بال کی طرف سے ایک شاندار دعوت کی گئی۔ قلبی کا دل رومیوں کی شکست پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔ جب ہینی بال کے حکم سے رومی جنرل کی لاش میدان جنگ سے ڈھونڈ کر لائی گئی تو قلبی نے اس کے سرہانے کھڑے ہو کر آنسو بہائے۔ اس جنگ میں وہ بادلِ ناخواستہ شریک ہوا تھا۔ ہینی بال نے مقتول رومی جنرل کی لاش پر کھڑے ہو کر کہا۔ "میں نے بچپن میں عبادت کے روبرو اپنے باپ ہمل کر برقہ کی ہدایت پر یہ قسم کھائی تھی کہ میں رومیوں کا دوست نہیں ہوں گا۔ آج کنائے کے معرکے میں، میں نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے۔" پھر قلبی سے کہا۔ "اس رومی جنرل کے سرہانے کھڑا تو کیا کر رہا تھا؟"

قلبی نے جواب دیا۔ "روما کی عظمت پر بین کر رہا تھا۔ اگر میرا یہ عمل تمہاری نظر میں مجرمانہ ہے تو میں ہر اس سزا کے لئے تیار ہوں جو تمہاری طرف [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

ہینی بال نے پُر وقار لہجے میں کہا۔ "تجھے رومیوں سے محبت ہے، حالانکہ تو نے قرطاجنہ کا نمک کھایا ہے اور تجھے ہم سب کا شکر گزار اور احسان مند ہونا چاہیئے!"

قلبی نے اپنی داستانِ حیات مختصراً سنا کے جواب دیا۔ "میں ایک سچا انسان ہوں اور اپنے دلی جذبات چھپانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ہینی بال! تم اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کے مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میری جگہ تم ہوتے تو اہلِ قرطاجنہ سے کیا سلوک کرتے اور ان کی بابت تم کیا سوچتے؟"

ہینی بال بات کو ٹال گیا۔ بولا۔ "اہلِ روما نے بھی ہم پر کچھ کم ظلم نہیں کیے۔"

قلبی نے کہا۔ "ہملکر برقہ کے بیٹے! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم اس عہد کے بہت بڑے انسان ہو اور دیوتاؤں نے تمہیں بہت سے اوصاف سے نوازا ہے۔ اس بڑائی کا یہ تقاضا ہے کہ میرے معاملے میں انصاف سے کام لو اور سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ہی کہو۔ کیا تمہاری قوم نے مجھ پر ظلم نہیں کیے؟ کیا بیرسا کے بڑوں نے میرے معاملے میں ناانصافی سے کام نہیں لیا؟"

ہینی بال ہنس دیا۔ "میری فوج میں بہت سی قومیں جمع ہو گئی ہیں اور میں ان سب سے محبت کرتا ہوں لیکن میں اپنی قومی عصبیت کو اپنی ذات سے جدا نہیں کر سکتا اور میں اہلِ قرطاجنہ کو ان سب پر فوقیت دیتا ہوں، قرطاجنی ان سب پر فوقیت رکھتے ہیں، میں اس عہد کا بہت بڑا انسان، قرطاجنی ہوں!"

قلبی تھوڑی دیر خاموش رہا۔ ہینی بال نے طنزاً پوچھا۔ "کیا تو قرطاجنہ جانا چاہتا ہے؟"

قلبی محارباتِ روما سے اکتایا ہوا تھا، پوچھا۔ "اگر میں ہاں کہوں تو کیا مجھے قرطاجنہ واپس بھیج دیا جائے گا؟"

"بالکل!" ہینی بال نے جواب دیا۔ "کناتے کی فتح کی خوش خبری اور رومی امراء کی مہریں لے کر میرا چھوٹا بھائی ماگو کل قرطاجنہ روانہ ہو جائے گا، اگر تو جانا چاہے تو میں تجھے بھی بھیج دوں گا!" پھر اس کی ہنسی اڑاتا ہوا بولا۔ "کیونکہ میں نے خوب اچھی طرح یہ سمجھ لیا ہے کہ تو پنگھوڑے کا آدمی ہے جہاں پہلے تیری ماں تجھے پہلو میں لٹاتے لوریاں سنایا کرتی تھی اور اب جب کہ تو جوان ہو چکا ہے تو تجھے ماں کی جگہ ایک خوبصورت کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے اور یہ عورت بھی تقریباً وہی فرض انجام دے گی۔ یعنی تیرے پہلو میں لیٹ کر عشق و محبت کی لوریاں دیا کرے گی!"

قلبی کو ہینی بال کے طنز پر غصہ بھی آیا اور شرمندگی بھی ہوئی، لیکن ہینی بال

چپ نہیں ہوا تھا۔ وہ اب بھی کچھ کہہ رہا تھا۔ "میں قرطاجنہ کے بڑوں کو ایک خط لکھوں گا اور اس میں تیری سفارش کروں گا کہ جس لڑکی سے تو محبت کرتا ہے وہ تیرے حوالے کر دی جائے۔ میرا خیال ہے بڑے لوگ کم از کم میری یہ حقیر سی درخواست رد نہیں کریں گے؟"

ہینی بال کی تلخ اور طنزیہ گفتگو اسے خاصا پریشان کرتی رہی، وہ اس سلسلے پر بہت دیر تک سوچتا رہا اور عجیب و غریب منصوبے بناتا رہا!

دوسرے دن ایک بحری جہاز ہینی بال کے سب سے چھوٹے بھائی ماگو کی نگرانی میں قرطاجنہ روانہ ہو گیا۔

❖ ❖ ❖

بیرسا کی مقدس چوٹی پر سرخ پردوں والے ایوان میں قرطاجنی مجلس کے ارکان سر جوڑ کے بیٹھے۔ ماگو نے ہینی بال کی فتح مندیوں کی داستان سنائی اور ثبوت میں ارکانِ مجلس کے سامنے وہ تورا الٹ دیا جس میں رومی امراء کی چھ ہزار طلائی انگوٹھیاں رکھی تھیں، مجلس کے حاسد ارکان نے اس خوش خبری کو جوش و خروش سے نہیں سنا۔ انہوں نے ماگو سے کہا۔ "تمہارے بقول اگر ہینی بال نے اتنی ہی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں تو وہاں اب کیا کر رہا ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے؟"

ماگو نے دل شکستہ لہجے میں کہا۔ "میرے بھائی کو چار ہزار نومدی سوار، چالیس ہاتھی اور کچھ سونا چاندی درکار ہے تاکہ وہ اپنا ادھورا کام تکمیل کو پہنچا سکے!"

مجلس نے بے دلی سے یہ درخواست منظور کر لی۔

اس کے بعد ماگو نے مجلس کے سامنے ہینی بال کا وہ سفارشی خط پیش کرنا چاہا جس کا قلبی سے تعلق تھا۔ لیکن قلبی نے کچھ سوچ کر ماگو سے وہ خط لے لیا اور کہا۔ "ماگو! ابھی اس سفارش کا وقت نہیں ہے، قرطاجنی ایک بڑی جنگ میں الجھے ہوئے ہیں تم ہینی بال کی مطلوبہ امداد لے کر واپس جاؤ۔ فی الحال مجھے میرے حال پر چھوڑ دو!"

قلبی کی واپسی کو زینفو کے ماں باپ نے خوش دلی سے نہیں قبول کیا لیکن زینفو بہت خوش تھی گو اس خوشی کا اس نے اظہار نہیں کیا۔ ان میں سے قلبی کے علاوہ کسی کو بھی اس سفارشی خط کا علم نہیں تھا جو ہینی بال نے بیرسا کی مجلس کے نام لکھا تھا۔

قلبی اس جگہ پہنچا جہاں پنارسی بوڑھے کی ہڈیاں دفن تھیں، وہ کچھ دیر اس ویران مقبرے پر کھڑا رہا یا رو دیا سا کچھ دیکھتا رہا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بوڑھے کی روح اسے یاد دلا رہی ہے کہ "آبا و اجداد کی زمین کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، خبردار جو تو نے ان فنیقیوں کی زمین کو اپنا وطن بنایا!" اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ پنارسی اس پر لعن طعن کر رہا ہے کہ وہ ہینی بال کی فوج میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ONEURDU.COM

شامل اہلِ روما کا خون بہانے میں ان کا معاون یا خاموش تماشائی رہ چکا ہے!"

قلبی برداشت نہ کر سکا۔ اس نے بوڑھے کی ہڈیوں سے کہا۔ "اے میرے ہم وطن پنارسی بزرگ! کچھ تم نے سنا قرطاجنہ کے ہمل کربرقہ کا بیٹا ہینی بال ایک بہت بڑا فاتح بن کر ابھر رہا ہے۔ اس نے روما کو اتنا ذلیل کر دیا ہے کہ کسی اور عہد میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ لیکن اپنے اس بڑے آدمی کا قرطاجنہ کے بڑوں کی مجلس نے اس طرح احترام کیا ہے کہ وہ اس کے کارناموں کو حسد اور شک و شبے سے دیکھتی ہے!"

پھر وہاں سے واپس ہوتے ہوئے اس نے بوڑھے کی ہڈیوں کو آخری بار سلام کیا اور کہا۔ "میرے بزرگ! مجھے ہمت بخشو کہ میں اپنے فیصلے پر عمل کر سکوں اور زندگی بھر اس پر قائم رہوں!"

یہاں سے وہ زیفو کے پاس پہنچا۔ یہ دونوں ابھی تک ایک دوسرے سے دور دور اور کھنچے کھنچے سے رہتے تھے۔ اس نے نہایت افسوس سے زیفو کو مخاطب کیا۔ بولا۔ "زیفو! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے وطن پنارس واپس چلا جاؤں!"

زیفو کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔ "کیا تم نے میرے باپ سے اس کی اجازت لے لی ہے؟"

"نہیں!" قلبی نے جواب دیا۔ "کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ میرے اس ارادے میں مزاحم نہیں ہوں گے!"

زیفو جو کچھ کہہ رہی تھی اس میں اس کے سوا کوئی خواہش نہ تھی کہ وہ کسی بھی بہلے سے روک لے۔ وہ خود یہ درخواست نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "تمہیں میرے باپ نے خریدا تھا۔ تم میرے باپ کی ملکیت ہو۔ اس لیے اپنے جانے نہ جانے کے بارے میں تم خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس میں میرے باپ کی اجازت ضروری ہے!"

قلبی زیفو سے اس قسم کی گفتگو کی امید نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی یہی امید بھی ٹوٹ گئی۔ سوگوار لہجے سے جواب دیا۔ "تمہارے والد میرے اس فیصلے میں اس لیے مزاحم نہیں ہوں گے کہ وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں۔ لیکن اگر تم بھی یہی چاہتی ہو تو میں تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دوں گا!"

اس کے بعد قلبی نے زیفو کے باپ کے سامنے اپنا مدعا رکھا۔ اس نے نہایت خوش دلی سے اسے وطن چلے جانے کی اجازت دے دی۔

قلبی زیفو سے سرسری ملاقات کر کے قرطاجنہ کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ اس وقت اس کے تصور میں پنارس کی زمین تھی، جہاں اس کے بزرگوں کا قبرستان تھا، عزیز رشتے دار بستے تھے، جس کے آب و گل سے اس نے جنم لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ URDUWEB.COM

وہ ایک تجارتی جہاز میں بیٹھ کر پارس روانہ ہو گیا اور ہینی بال کا سفارشی خط اس نے ایک واقف کے ذریعے زیفو کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیا کہ "ہینی بال کا یہ سفارشی خط شکریے کے ساتھ اسے واپس کر دیا جائے اور اسے بتا دیا جائے کہ فلبی بھگوڑے کا آدمی نہیں ہے اور یہی بات ثابت کرنے کے لئے اس نے زیفو کی ترنج المصول آغوش کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے!"

زیفو نے ہینی بال کا خط پڑھا اور فلبی کے زبانی پیغام کو جب خط کی عبارت سے ملا کر مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کی تو یہ سب کچھ عقدۂ لاینحل بن کر رہ گیا۔ ہاں بس ایک بات البتہ اسے کسی حد تک سکون پہنچاتی رہی کہ اس نے محبت کا اعتبار نہ کرنے والے متعصب فلبی کے سامنے خود کو کبھی سستا نہیں ثابت کیا اور یہ کہ اس نے ہمیشہ اپنے بڑوں کے فیصلے کو بے چون و چرا تسلیم کیا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

بالاخانے کی دلہن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اس نے گھوڑے کو پیپل کے نیچے چھوڑا اور لگام قریب ہی لگے ہوئے امرود کے درخت کی ایک شاخ سے پھنسا دی۔ ابھی سورج غروب نہ ہوا تھا۔ ہلکی زردی مائل دم توڑتی شعاعیں عالیشان مکان کی سرخ کھپریلوں پر پڑ رہی تھیں۔ اندر سے مختلف سازوں کی آوازیں آ رہی تھیں اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ مکان کے آس پاس ہرے بھرے درختوں کے جھنڈ تھے۔ رنگ برنگے کھلے ہوئے پھولوں کے درمیان سے گزرتا ہوا جب وہ دروازے پر پہنچا تو ایک دبلے پتلے نوجوان نے اس کا راستہ روک لیا، بولا۔ "یاور خان واپس جاؤ۔ آج کلیانی نہیں ملیں گی۔"

یاور خان کے اداس چہرے میں غصے کی آمیزش ہو گئی۔ "کیوں، کیا بات ہے؟ میں کلیانی سے ملے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔"

ابھی ان دونوں میں رد و کد جاری تھی کہ اندر سے ایک نہایت حسین عورت نمودار ہوئی۔ اٹھارہ انیس کا سن گلے میں پڑے ہوئے قیمتی موتیوں کے ہار کو پیٹ تک جانے سے سینے کی بلندیوں نے روک لیا تھا۔ آنکھیں بادام کی طرح جن میں خمار بھرا ہوا تھا۔ اوپر کا ہونٹ پتلا نیچے کا موٹا۔ لمبی لمبی انگلیاں رنگ اتنا صاف کہ رگوں میں دوڑتا ہوا خون صاف دکھائی دیتا تھا۔ یاور خان نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "کلیانی! تمہاری محفل کا یہ آج کیسا نیا دستور ہے کہ یہ نہالی میرا راستہ روک رہا ہے۔"

کلیانی کی نظریں یاور خان کی بغل پر گئیں جہاں ایک قیمتی شال دبا ہوا تھا۔ وہ مسکا

رہی تھی۔ نہالی کو ہاتھ سے ہٹا کر ایک طرف کر دیا اور کچھ آگے بڑھ کر یاور خان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بولی۔ "میں تو تمہارے فراق میں المیہ گیت گا رہی تھی اور یہ نہالی تمہارا راستہ روکے کھڑا ہے۔ آؤ، اندر میرے ساتھ آؤ۔"

نہالی ایک طرف ہو گیا۔ شرمندہ ہو کر کہنے لگا۔ "راستہ میں نے اپنی مرضی سے تھوڑی روکا تھا۔ جمنا کاکی نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔"

جب کلیانی یاور خان کو لے کر اندر بڑھی تو اسے پتہ چلا کہ اس کے پاؤں میں گھنگرو بندھے ہوئے ہیں۔

اندر کا سماں ہی کچھ اور تھا۔ سفید چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں اور ان پر جگہ جگہ گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ چھت سے لگے ہوئے جھاڑ فانوس ابھی سے روشن کر دیے گئے تھے کمرے کے آخری سرے پر سرخ ریشمی غلاف چڑھا ہوا تکیہ کسی معزز مہمان کی آمد کا منتظر معلوم ہوتا تھا۔ اس سے پانچ سات قدم دور سازندے اپنے اپنے ساز سنبھالے بیٹھے تھے۔

یاور خان کا خیال تھا کہ کلیانی اسے اسی مخصوص گاؤ تکیے کے سہارے بٹھا دے گی لیکن وہ اسے ایک عام سے گاؤ تکیے کے پاس لے کر بیٹھ گئی۔ یاور خان بادل نخواستہ بیٹھ گیا۔ ہوشیار کلیانی نے اس کے چہرے سے اس کے احساسات کا اندازہ لگا لیا۔ کہنے لگی۔ "وہ نشست گاہ بھی تمہارے ہی لیے ہے لیکن اس وقت تم یہیں بیٹھو۔"

اس کے بعد اس نے یاور خان کی بغل سے شال کھینچ لیا اور سامنے پھیلا کر بے چینی سے بنائی کے نقش و نگار دیکھنے لگی۔ ہلکی کھتئی رنگ کی شال کی بناوٹ میں بنے ہوئے سرخ اور نیلے پھول بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ کلیانی خوشی سے پاگل ہو گئی۔ بولی۔

"بہت خوب! مجھے بہت پسند آیا تمہارا یہ تحفہ۔"

تحفے کی پسندیدگی اور شرفِ قبولیت بخشنے سے یاور خان کو بڑی خوشی ہوئی ——

"کلیانی!" یاور خان کہنے لگا۔ "تھوڑی دیر پہلے تک میں بہت ڈر رہا تھا کہ معلوم نہیں، تمہیں یہ شال پسند بھی آئے گی یا نہیں، اب جو تم نے پسند کر لی ہے تو میں بے حد خوش ہوں۔"

ابھی کلیانی کوئی جواب بھی نہ دے سکی تھی کہ ایک دروازے سے ایک ادھیڑ عمر عورت اندر آ گئی۔ یاور خان کی طرف ناگواری سے دیکھا، لیکن جب نظر شال پر پڑی تو ناگواری میں کچھ کمی آ گئی۔ کلیانی سے کہنے لگی۔ "کلیانی جب تجھے یہ معلوم ہے کہ اس وقت توقیر خان بھی تشریف لانے والے ہیں تو تو نے ان صاحبزادے کو کیوں روکے رکھا ہے؟"

توقیر خان کا نام سنتے ہی یاور خان کا چہرہ فق ہو گیا۔ یہ اس کے چچا تھے اور جائیداد اور جاگیر کا سارا انتظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ بھی یہاں آنے لگے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کلیانی نے جواب دیا۔ "کاکی! یہ سخت بداخلاقی کی بات ہے کہ میں انہیں دروازے پر ہی سے واپس کردیتی!"

کاکی نے بے رخی سے جواب دیا۔ "لیکن یہ بات بھی تو بداخلاقی میں داخل ہے کہ اس جگہ چچا بھتیجے کا آمنا سامنا ہو جاتے، آخر ہمیں بھی تو اپنے پیشے کے آداب اور اخلاق کا خیال رکھنا چاہیئے۔"
کاکی یہ کہہ کر واپس چلی گئیں۔

کلیانی کھڑی ہوگئی اور یاور خان کو افسوس سے مخاطب کیا۔ "یاور! مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں تمہیں زیادہ دیر تک نہ بٹھا سکوں گی!"

یاور خان بھی مجبور ہوگیا۔ کلیانی اسے دروازے تک چھوڑنے گئی۔ یاور خان نے جانے سے پہلے حسرت سے کلیانی کو دیکھا تو اس نے ادا سے نظریں جھکا لیں، کہنے لگی۔ "میں تمہیں چاہتی ہوں، صرف تمہیں، لیکن تمہارا چچا توقیر خان بھی مجھے چاہنے لگا ہے، ہمارا پیشہ ایسا ہے کہ انہیں دھتکار بھی نہیں سکتی، اب تمہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

یاور خان نے پیچھے مڑ کر دور تک دیکھا کہ کہیں چچا توقیر خان آ تو نہیں رہے، پھر کہنے لگا۔ "کلیانی! تم تو جانتی ہی ہو کہ مجھے لڑکیوں سے نفرت ہے گھر میں جب سے لڑکی پیدا ہوئی ہے دل نہیں لگتا۔ تم سے مل کر یہ سوچا تھا کہ یہاں کچھ دیر غم غلط کر لیا کروں گا لیکن اب شاید یہ بھی ممکن نہ رہے!"

کلیانی نے گھبرا کر کہا۔ "اب تم جاؤ۔ پھر بات کروں گی اس موضوع پر!"

یاور خان نے اس پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور واپس ہوا لیکن اسی وقت شام کے دھندلکے میں اس نے دیکھا کہ کئی گھوڑے پیپل کے درخت کے نیچے آکر کھڑے ہوگئے۔ یاور خان نے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر چھپنے کی جگہ تلاش کرنا چاہی، دروازہ بند ہو چکا تھا، وہ مہندی کے جھنڈ کی طرف بڑھا اور اس میں روپوش ہوگیا۔ اس نے ان آنے والوں کو درختوں کی جھربوں سے دیکھا، چچا توقیر خان اپنی نوکیلی مونچھیں ہلال کی طرح اوپر اٹھائے اور ریشمی گھنی داڑھی میں حنا لگائے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیا چار مصاحب پیچھے پیچھے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں قیمتی کپڑوں کے تحائف تھے۔ دستک سے پہلے ہی دروازہ کھل گیا اور کلیانی کا مسکراتا ہوا چہرہ ایک بار پھر نمودار ہوگیا، یہ مسکراہٹ بھی بالکل ویسی ہی تھی جیسی تھوڑی دیر پہلے یاور خان کے لئے تھی۔ اسے افسوس بھی ہوا اور غصہ بھی آیا وہ عورتوں سے یوں بھی نفور تھا اور انہیں قابل اعتبار بالکل نہ سمجھتا تھا۔ اب یہ اعتبار بالکل ہی اٹھ گیا۔ اس نے بوجھل قدموں سے چل کر گھوڑے کی لگام پکڑی، فوراً ہی یہ احساس ہوا کہ چچا توقیر خان نے یقیناً اس کے گھوڑے کو پہچان لیا ہوگا اور شاید وہ اسے ادھر ادھر تلاش بھی کریں! اس خیال کے آتے ہی وہ اچک کر گھوڑے پر سوار

ہوگیا اور دریائے چنبل کے کنارے کنارے دور تک بھگاتا چلا گیا۔ بے مقصد یوں ہی اور جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ وہ اتنی دیر تک گھومنا پھرنا چاہتا تھا، جتنی دیر تک اس کے خیال میں چچا توقیر خان کلیانی کی محفل میں وقت گزارتے لیکن پھر کچھ سوچ کر گھر چل دیا۔

سخت اندھیرا ہو کا عالم، تاروں کی مدھم روشنی میں آبادی کے مکانات طلسماتی سایوں کی طرح نظر آرہے تھے، جب اس نے اپنا گھوڑا اصطبل میں سائیس کے سپرد کیا تو اسے یہ تشویشناک پیغام ملا کہ۔ "اندر چچا توقیر خان اس کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں!"

وہ اس انتظار اور بے چینی کی وجہ سے واقف تھا، خوف سے اس کا دل دھڑکنے لگا اس خوف میں چچا کا ادب، احترام اور ان کی بزرگی کی دہشت شامل تھی، توقیر خان اس کا محض چچا ہی نہیں تھا خسر بھی تھا۔

بیوی نے بیزاری سے شوہر کو دیکھا اور بھوکی شیرنی کی طرح دہاڑی۔ "بابا جان کہتے ہیں کہ تم مجھے طلاق دے دو!"

یاور خان نے اطمینان سے پوچھا۔ "وجہ؟"

اسی لمحے توقیر خان بھی اندر داخل ہوا اور شال یاور خان کے منہ پر مارتا ہوا بولا۔ "تمہیں شرم نہ آئی اس قیمتی اور یادگار شال کو اس کنچنی کو تحفے میں پیش کرتے ہوئے یہ ہمارے خاندان میں شہنشاہ ہند سکندر لودھی کے عطیے کی حیثیت سے یادگار چلا آرہا تھا لیکن تم نے اسے اس دو ٹکے کی کنچنی کے حوالے کر دیا!"

یاور خان کوئی جواب نہ دے سکا۔ توقیر خان دیر تک لعنت ملامت کرتا رہا اور دو چار فقروں کے بعد طلاق کا مطالبہ کرتا رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ یاور خان جیسے اوباش اور عیاش سے اس کی لڑکی کا نباہ نہیں ہو سکتا۔ جب وہ بک جھک کر چلا گیا تو یاور خان نے بیوی سے پوچھا۔ "کیا تم بھی طلاق چاہتی ہو؟"

"ہاں!" بیوی نے بے تامل جواب دیا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم طوائفوں کے پاس جاتے ہو، تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے!"

یاور خان نے جواب دیا۔ "لیکن جہاں میں جاتا ہوں، وہیں تمہارے بابا جان بھی تشریف لے جاتے ہیں، اور تمہاری طرح تمہاری اماں کو بھی ان سے طلاق حاصل کر لینی چاہیئے؟"

بیوی نے غیر جذباتی آواز میں کہا۔ "ان کی دوسری بات ہے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

"کیوں، ان کی دوسری بات کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ اماں بوڑھی ہو چکی ہیں!"

"واہ!" یاور خان ہنسا۔ "خوب یہ خوب رہی۔ تمہارے بادا جان بھی تو بوڑھے ہو چکے ہیں انہیں تو اور زیادہ بکو کا رہنا چاہئے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی!" بیوی نے حتمی انداز اختیار کیا۔ "میں طلاق چاہتی ہوں!"

"میں خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ طلاق پر کیوں بضد ہو!"

بیوی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تم کیا جانتے ہو؟"

یاور خان نے تھیرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "تمہارا مہر دو لاکھ اشرفی قرار پایا تھا اور میری جاگیر کی مالیت بھی اتنی ہی ہو گی گویا تم لوگ اس طرح میری جاگیر کو ہتھیانا چاہتے ہو!"

یہ کہہ کر وہ پنگوڑے میں سوئی ہوئی بچی کے پاس چلا گیا۔ فرشتوں جیسی معصومیت لئے وہ سو رہی تھی، کچھ دیر کھڑا وہ اسے دیکھتا رہا، بچی سوتے ہی میں کسی لمحے منہ بسور نے لگتی اور کسی لمحے مسکرا دیتی، پھر کراہت سے اس نے منہ پھیر لیا اور بیوی کے قریب پہنچ کر بولا۔ "اگر تم لڑکی کی جگہ لڑکا پیدا کرتیں تو شاید میں اوباش نہ ہو جاتا۔ اس میں بھی قصور تمہارا ہی ہے!"

بیوی نے غصے سے جواب دیا۔ "بیکار کی باتیں ہیں، کوئی عورت بھی اس پر قادر نہیں ہوتی کہ اپنی مرضی سے لڑکی یا لڑکا پیدا کر سکے۔"

یاور خان کے چہرے پر نفرت اور بے قراری کی شکنیں پڑ گئیں، وہ چیخا۔ "مجھے لڑکیوں سے نفرت ہے، نفرت ہے، میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا!"

بیوی نے خوفزدہ ہو کر بچی کو گود میں اٹھا لیا اور بھاگ کر باپ کی طرف چلی گئی۔

اس کے بعد بیوی اور بچی کو اس سے چھپا دیا گیا۔ توقیر خان کو اس کا بالکل یقین تھا کہ جنونی یاور خان کسی وقت بھی جوش نفرت سے بچی کو ہلاک کر دے گا، یاور خان پہلے ہی اداسیت کا شکار تھا، اب اور زیادہ اداس رہنے لگا۔ چچا کی طرف سے روز بروز دباؤ بڑھنے لگا کہ ان کی لڑکی کو طلاق دے کر آزادی دی جائے، ابھی جوان ہے، اس کا دوسرا گھر بسایا جا سکتا ہے، لیکن یاور خان اس پر بالکل تیار نہ تھا کیونکہ اس کی عاقبت اندیشی اسے بتا رہی تھی کہ جس دن بھی اس نے بیوی کو طلاق دی، اسے اپنی جاگیر سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا۔ وہ گم سم رہ کر وقت گزارنے لگا۔

وہ کئی روز تک دن میں برابر کلیانی سے ملنے جاتا رہا لیکن اس سے ملاقات نہ ہو سکی، جمنا کاکی اسے نہایت خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہتیں جب بھی وہ جمنا کاکی سے کلیانی کی بابت پوچھتا یہی جواب ملتا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے فتح پور گئی ہوئی ہے۔ جمنا کاکی اس سے ملا جلی کی باتیں کرتیں، بیوی سے محرومی اور کلیانی کی دوری نے جمنا کاکی میں حسن بھرنا شروع کر دیا ——— ادھر جمنا کاکی بھی ایک سوچے سمجھے منصوبے پر عمل پیرا تھیں، ان کی عمر کوئی پچیس چھبیس سال رہی ہو گی، گٹھے ہوئے جسم میں اب بھی بلا کی کشش تھی، جب تک کلیانی سامنے رہتی جمنا کاکی کا حسن ماند پڑ جاتا لیکن اس کے ہٹتے ہی ان میں بلا کی دلکشی اور جاذبیت محسوس ہونے لگتی، آخر کلیانی کی عدم موجودگی میں وہ جمنا کاکی کی طرف مائل ہو گیا۔ جمنا کاکی اسے اپنی سریلی آواز میں گیت سناتی رہتی جو کچھ اس کے پاس تھا آہستہ آہستہ جمنا کاکی کو منتقل ہوتا رہا۔ اس کا دل بھی جمنا کاکی کی طرف شدت سے راغب ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ جمنا کاکی کے لئے دل میں کسک سی محسوس کرنے لگا۔ کسی کسی وقت کلیانی یاد آتی تو دکھ ہوتا لیکن یہ خیال زیادہ دیر تک نہ قائم رہتا۔

اس صورت حال کو کئی ماہ گزر گئے، وہ نہ بیوی کی شکل دیکھ سکا نہ کلیانی کی، اسے عورت درکار تھی، وہ جمنا کاکی کی صورت میں حاصل تھی لیکن پھر اس سے بھی دل اکتا گیا اب اسے کسی اور کی تلاش رہنے لگی، اس تبدیلی کو جمنا کاکی نے بھی محسوس کر لیا۔

اب وہاں کا جانا بھی کم ہو گیا اور دینے لینے میں بھی کمی ہو گئی، جاگیر سے اس کے حصے کی سالانہ رقم جو ملی تھی وہ تقریباً ختم ہو چکی تھی، اس نے جاگیر کے ناظر سے مزید رقم کا مطالبہ کیا تو معلوم ہوا چچا نے اسے منع کر رکھا ہے، اسے غصہ تو بہت آیا لیکن کچھ کر نہ سکتا تھا عورت کی خواہش نے اسے ایک بار پھر جمنا کاکی کے حضور میں پہنچا دیا لیکن دل میں شرمندہ تھا۔ پاس رقم نہ تھی، اور کئی دن کی غیر حاضری کے بعد وہ جمنا کے پاس پہنچا تھا، اسے خوب معلوم تھا کہ اس کوچے میں رقم کے بغیر جانے کا کیا مطلب ہوتا ہے، جمنا کاکی نے اس کا جوش و خروش سے استقبال کیا اور پاس بیٹھ کر جدائی کے گلے شکوے کرنے لگی۔ جمنا کاکی نے جس قسم کا بناؤ سنگھار کر رکھا تھا، اس سے شباب خفتہ گویا بیدار ہو گیا تھا۔ دل سے اتری ہوئی جمنا کاکی پھر اچھی لگنے لگی۔ جب جمنا نے اس سے نہ آنے کی وجہ معلوم کی تو اس نے جواب دیا۔ "جمنا! تم سے میں کچھ بات نہیں چھپانا چاہتا، قصہ دراصل یہ ہے کہ میرے حصے کی جاگیر کا انتظام بھی میرے چچا توقیر خان ہی کے ہاتھ میں ہے، آج کل ان سے ذرا کشیدگی چلی آ رہی ہے، مجھے جو سالانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

رقم ملی تھی وہ تقریباً ختم ہو چکی ہے، مزید رقم مل نہیں سکتی۔ اس کے لئے کم از کم مجھے تین ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔" پھر کچھ نادم ہو کر بولا۔ "اور یہاں خالی ہاتھ آتے اچھا نہیں لگتا۔"

جمنا کاکی کچھ دیر سناٹے میں رہیں، یاور خان کی شکل دیکھتی رہیں، پھر اور بڑی دل سے بولیں۔ "تمہیں آنا جانا تو نہیں بند کرنا چاہیئے تھا۔ تم یقین کرو، مجھے تم سے کچھ محبت سی ہو گئی ہے، جب نہیں آتے تو دل بجھا بجھا اور اداس اداس رہتا ہے۔"

یاور خان نے جمنا کو سینے سے لگا لیا اور فرطِ جوش میں اس کے بوسے لینے لگا۔ ابھی وہ کچھ زیادہ تجاوز نہ کر سکا تھا کہ ایک دروازے سے کلیانی نمودار ہوئی اور دونوں کو اس حال میں دیکھ کر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ جمنا کی، اس کی طرف پشت تھی اور یاور خان کا چہرہ اس کا سارا جوش خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ کلیانی کے چہرے کی حیرت غصے میں تبدیل ہونے لگی اس کے ہونٹ کپکپائے وہ چیخ کر بولی۔ "کاکی!"

جمنا کاکی سہم کر الگ ہو گئیں اور پلٹ کر کلیانی کو دیکھا، کلیانی اسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔

کاکی نے شرمندگی سے پوچھا۔ "اپنی ماسی کے پاس سے کب واپس آئیں؟"

کلیانی نے کوئی جواب نہ دیا اور یاور خان کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے چلی گئی۔ جمنا کاکی معلوم نہیں کدھر گم ہو گئیں، کلیانی شرمندہ یاور خان کو گاؤ تکیے کے سہارے بٹھا کر خود بھی سامنے بیٹھ گئی اور پھر برس پڑی۔ "تمہیں کاکی سے تعلقات بڑھاتے شرم آئی، وہ میری ماں ہیں، ماں اور بیٹی سے بیک وقت تعلقات رکھنا کس مذہب میں جائز ہے؟"

یاور خان گردن جھکائے کلیانی کی ڈانٹ پھٹکار سنتا رہا اور چپ رہا لیکن جب کلیانی حد سے بڑھی تو اسے بھی بولنا پڑا کہنے لگا۔ "کلیانی! میں تم سے محبت کرتا ہوں، جب تم سے مایوس ہو گیا اور تپا تو پھر تم سے ملنے جلنے لگے تو میں نے مجبوراً جمنا کاکی سے دل لگایا جمنا کاکی میں تمہاری شبیہ جو پائی جاتی ہے۔"

کلیانی نے طنزیہ کہا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو، مشابہت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اگر ماں میں بیوی کی مشابہت آ جائے تو اس سے بھی بیوی ہی کی طرح تعلقات رکھ لئے جائیں۔"

یاور خان نے کلیانی کو ڈانٹ دیا۔ "بس زیادہ بکو اس کی ضرورت نہیں، زبان

بند کرو۔"

کلیانی نے بھی چیخ کر کہا۔ "تم آئندہ یہاں مت آنا، اگر آئے تو میں تمہیں دھکے دے کر نکلوا دوں گی۔"

یاور خان نے کہا۔ "یہاں آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ جمنا کاکی سے ملنے سے تم مجھے نہیں روک سکتیں۔"

"پھر وہی بے شرمی کی بات!"

یاور خان نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "خوب! اس کوچے میں بھی شرم و حیا پائی جاتی ہے، یہ بات مجھے نہیں معلوم تھی۔"

کلیانی نے لاجواب ہو کر اسے گھور کر دیکھا۔

یاور نے مزید کہا۔ "کلیانی! اگر اب تک تمہیں معلوم نہیں تھا تو جان لو کہ تم جس کوچے سے تعلق رکھتی ہو، یہاں صرف ایک ہی رشتہ ہوتا ہے، تم اور تمہاری جمنا کاکی بکنے والی شے ہیں اور ہم لوگ خریدار ہیں، جب جس پر طبیعت آئے گی قیمت ادا کر کے خرید لیں گے۔"

کلیانی اپنی اہانت پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

یاور خان جانے کے لئے جیسے ہی کھڑا ہوا کلیانی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔ خجل ہو کر بولی۔ "تم نے ہماری جس حیثیت کی بابت ابھی نشان دہی کی ہے، میں اس کے لئے شکر گزار ہوں۔" اس کے بعد وہ مختصر کمرے کی طرف گئی اور دوسری طرف جھانک کر دیکھا اور مطمئن ہونے کے بعد مغموم لہجے میں کہنے لگی۔ "یاور خان! معلوم نہیں کیوں میں تمہیں چاہنے لگی ہوں، تمہیں نہیں معلوم کہ جب تمہارے چچا یہاں آتے تھے تو انہیں میں نے ہی یہاں سے کلٹنے کی تدبیر کی تھی کہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے اپنی ماں کے پاس چلی گئی تھی، میرا خیال ہے جمنا کاکی نے بھی اس خطرے کو محسوس کر لیا تھا اور اسی لئے انہوں نے یہ چال چلی اور تم اس کے شکار ہو گئے۔"

یاور خان بھی چونک پڑا اور کلیانی کی باتیں کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگیں۔ بولا۔ "اب کیا کہتی ہے کلیانی! اگر تم وعدہ کرو کہ میرے چچا کو اسی طرح مسترد کرتی رہو گی تو میں بھی تم سے وعدہ کرنے کو تیار ہوں کہ اب میں جمنا کاکی کو نظر بھر کے دیکھوں گا بھی نہیں۔"

کلیانی نے جواب دیا۔ "یہ ساری باتیں یوں کھڑے کھڑے نہیں ہو سکتیں، کل کسی وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

آجاؤ۔ آخر میں بھی تو تم سے کچھ ٹھوس وعدے چاہوں گی۔"

یاور نے حیرت اور سوالیہ نظروں سے کلیانی کو دیکھا۔ "کیسے وعدے؟"

کلیانی نے کہا۔ "کل دوپہر کے بعد دو ساعتوں کے لئے کاکی تمہارے چچا کے ساتھ کہیں جائے گی، تم اسی وقت آجانا، میں تم سے کھل کر کچھ باتیں کروں گی۔"

یاور خان نے حیرت سے پوچھا۔ "لیکن تم تو ابھی ابھی چلی آرہی ہو اپنی ماں کے پاس سے، تمہیں اپنی کاکی کے منصوبے کا کس طرح علم ہوگیا؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "یہ بات نہالی نے مجھے آتے ہی بتادی تھی۔"

یاور خان کے لئے یہ انکشاف بھی نیا تھا کہ کاکی جمنا سے چچا توقیر کے تعلقات بھی ہیں۔ اسے جمنا سے بھی نفرت ہوگئی۔ جاتے جاتے آہستہ سے بولا۔ "کل دوپہر کے بعد میں ضرور آؤں گا، تم میرا انتظار کرنا۔"

یاور خان رات کو دیر تک جاگتا رہا۔ چچا نے اس کی بیوی اور بچی کو کچھ اس طرح غائب کیا تھا جیسے کبھی ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ معلوم نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی لیکن جب آنکھ کھلی تو اس کے آس پاس کا منظر کچھ عجیب اور ہولناک تھا۔ چچا توقیر نے اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر بیدار کیا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا، وہ گھبرا کر بیٹھ گیا، اس کے آس پاس چھ آدمی تھے اور ان سب کے ہاتھوں میں خنجر اور تلواریں چمک رہی تھیں، ان کے چہروں سے بے رحمی آنکھوں سے خون خواری ٹپک رہی تھی۔ چچا نے ہاتھ کا کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس پر دستخط کردو۔"

یاور لڑنے کے لئے آمادہ تھا، اس نے خوف زدہ ہوئے بغیر پوچھا۔ "اس کاغذ میں کیا لکھا ہے؟"

"یہ بعد میں بتایا جائے گا!" چچا نے کہا۔ "پہلے دستخط کردو۔"

یاور نے خشمگیں نظروں سے چچا کو دیکھا اور جواب دیا۔ "اگر دستخط نہ کروں تو؟"

ایک وحشی آگے بڑھا اور خنجر کی نوک اس کے پہلو میں کچھ اندر اتار دی اور بولا۔ "اگر دستخط نہ کیے تو یہ خنجر یہاں سے اندر داخل ہو جائے گا۔"

دوسرے وحشی بھی ذرا قریب پہنچ گئے۔

یاور نے کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اسے پڑھنا چاہا۔ یہ طلاق نامہ تھا جس میں یاور کی طرف سے یہ لکھا گیا تھا کہ وہ بخوشی اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہے اور حق مہر میں اپنی جائیداد اس کے نام منتقل کر رہا ہے۔ اس نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کے نیچے سے زمین کھسک

رہی ہے اور آسمان سر پر آرہا ہے، اس نے نہایت کرب سے کہا۔ "یہ تو طلاق جبر ہے، کیا فقہ اسے مان لے گی۔؟"

چچا نے جواب دیا۔ "تم دستخط کردو، اگر فقہ نہیں مانے گی تو تم اسے از روئے فقہ کالعدم قرار دے دینا۔"

یاور نے سوچا اگر اس نے دستخط کیے تو یہ ظالم اس کے ساتھ کوئی مروت نہ برتیں گے اور اسی وقت اس کی تکہ بوٹی کر دیں گے اور اگر دستخط کر دے گا تو فقہ اسلامی کی رو سے اس طلاق کو کالعدم قرار دے دینے کا حق اور اختیار تو اسے حاصل ہی رہے گا۔

اس نے بے بسی سے چچا کو دیکھا اور اشک بار آنکھوں اور لرزتے ہاتھ سے کاغذ پر دستخط کر دیے۔

چچا جب اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس ہونے لگے تو انہوں نے یاور کو تسلی دی اور بولے "میں نے محض اس لئے کیا ہے کہ مجھے تمہاری طرف سے اس بات کا اطمینان نہ تھا کہ تمہارے ہوتے ہوئے میری بیٹی اور نواسی کی زندگی محفوظ ہے، اب تم آزادی سے رہو، تم سے کوئی الزام نہ ہوگا، میری بیٹی عدت کے دن گزار کر اپنے ماموں کے لڑکے احمد خان سے وابستہ ہو جائے گی۔"

یاور خان کیا بولتا، وہ تو یہ بازی ہار چکا تھا۔ جب چچا چلے گئے تو وہ اٹھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کی وہ باہر سے بند تھا، چچا اپنے آدمیوں کے ساتھ اب بھی باہر موجود تھے اور غالباً انہیں یہ معلوم تھا کہ ان کے جاتے ہی یاور باہر آنے کی کوشش کرے گا جیسے ہی دروازہ ہلا، باہر سے چچا نے کہا۔ "یاور! میں نے دروازے باہر سے بند کر دیے ہیں، تم صبح تک یہیں آرام کرو، فجر کی نماز کے بعد تمہارے کہے بغیر ہی یہ دروازے کھل جائیں گے اور ہاں ایک بات بطور خاص ذہن نشین رکھو کہ اگر تم نے انتقام لینے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا۔ میں نے اس کا بھی بندوبست کر لیا ہے!"

یاور قبل از وقت کچھ بھی نہ کہنا چاہتا تھا۔ چپ چاپ بستر پر گر گیا اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ پہلو کے زخم سے خون رس رہا تھا اور اس میں شدید سوزش ہو رہی تھی۔

صبح کچھ کھائے پیے بغیر ہی وہ گھر سے نکل گیا۔ دوپہر سے پہلے پہلے اس نے کئی عالموں سے طلاق جبری کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے متفقہ یہ فیصلہ دیا کہ طلاق ہوچکی۔ یاور خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

تھا کہ اس طرح کیسے طلاق ہو سکتی ہے لیکن علما نے کہا کہ اگر تم طلاق نامے پر دستخط نہ کرتے تو طلاق نہ ہوتی۔ یاور نے کہا کہ اگر میں دستخط نہ کرتا تو قتل کر دیا جاتا۔ علما نے کہا۔ وہ تو درست ہے لیکن قتل کیے جانے کی صورت میں قاتلوں سے قصاص بھی تو لیا جا سکتا تھا۔

یاور نے کہا۔ "قصاص کون لیتا؟ جن کو قصاص لینے کا حق پہنچتا ہے، وہی تو قاتل ہوتے!"

علما نے کہا۔ "کچھ بھی ہو فقہ یہی کہتی ہے کہ طلاق ہو گئی۔"

اب یاور کے لیے دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ دوپہر کے ذرا دیر بعد وہ کلیانی کے پاس پہنچا۔ کلیانی کو ابھی تک کچھ بھی نہ معلوم تھا کہ اب یاور صاحب جاگیر نہیں رہا۔ جمنا کاکی چاچا قمر کے ساتھ کہیں سیر سپاٹے کو چلی گئی تھیں، گھر میں نہالی تھا اور کچھ سازندے تھے۔ پورے گھر پر سکوت اور سناٹا طاری تھا۔ کلیانی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

یاور مخصوص گاؤ تکیے سے کمر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ کلیانی اس کے سامنے جا بیٹھی۔ ابھی باتیں شروع بھی نہ ہوئی تھیں کہ نہالی بھی آ گیا اور یاور خان کے قریب جا بیٹھا۔ کلیانی نے اسے اٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اٹھا۔ اسے اسی خدمت پر کاکی نے مامور کیا تھا۔ دونوں کو بات کرنا مشکل ہو گیا۔

یاور خان تو جیسے اپنے حواس ہی میں نہ تھا، پوچھا۔ "ہاں اب بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا باتیں کرنا ہیں!"

کلیانی نے اشاروں میں بات شروع کی۔ "تمہاری بیوی کا کیا بنا؟ اختلافات کچھ کم ہوئے یا ویسے ہی چل رہے ہیں ابھی؟"

یاور خان کو اس ذکر سے تکلیف پہنچ رہی تھی، کہنے لگا۔ "اس کے علاوہ باتیں کرو تو اچھا ہے!"

کلیانی نے نیا سوال کیا۔ "سنتی ہوں جتنی مالیت کی تمہارے حصے کی جاگیر ہے تمام تمہاری بیوی کا حق مہر ہے!"

"ہاں!" یاور نے بیزاری سے کہا۔ "لیکن میں کہتا ہوں کہ کیا آج اس موضوع کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو نہیں ہو سکتی؟"

کلیانی نے گویا نیا موضوع چھیڑا۔ "آج تم ضرورت سے زیادہ اکھڑے اکھڑے رنجیدہ نظر آتے ہو، کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کیوں؟"

"ہاں، بالکل پوچھ سکتی ہو!" یاور نے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ میں زندگی سے

عاجز ہوں!"

"کیوں، خیریت تو ہے؟"

یاور نے پوچھا۔ "کلیانی! تم ایک بات بتاؤ اور دیکھو جواب میں لاگ لپیٹ نہیں ہونی چاہیے!"

"پوچھو!"

یاور نے کہا۔ "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس کے حق مہر میں اپنی جاگیر اس کے نام کر دی اور اس وقت میں بالکل قلاش ہوں تو تم میرے ساتھ کیسا سلوک کرو گی؟"

کلیانی کو اس کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ بولی۔ "میں نہیں سمجھتی کہ تم اتنی بعید از عقل باتیں بھی کر سکتے ہو۔"

یاور نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا۔ "تم میری باتوں پر یقین کرو یا نہ کرو لیکن یہ سب کچھ ہو چکا۔ اب میں بالکل مفلس و قلاش ہوں کیا ان حالات میں بھی تم میرا ساتھ دے سکتی ہو؟"

کلیانی کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آ رہی تھیں۔ نہالی کی سمجھ میں بھی یہ باتیں نہیں آ رہی تھیں۔ یاور نے محسوس کر لیا کہ نہالی ان دونوں کی مخبری کی خدمت پر تعینات ہے تو اسے غصہ آ گیا، نہالی کو غصے سے مخاطب کیا۔ "تم یہاں فضول بیٹھے ہو، اب میں مفلس تماشائی ہوں، مجھے بالکل نہ گھورو اور ذرا سی دیر کے لیے یہاں سے ہٹ جاؤ۔"

کلیانی نے بھی اسے آنکھیں دکھائیں، نہالی باہر چلا گیا۔

یاور نے سب کچھ صاف صاف اسے بتا دیا تو کلیانی نے افسردگی سے کہا۔ "ان حالات میں اگر میں تمہارے ساتھ چلنا بھی چاہوں تو تم مجھے کہاں لے جاؤ گے، تمہارے پاس نہ کھانے کو رقم ہوگی نہ سر چھپانے کو ٹھکانا، پہلے ان دونوں کا کوئی انتظام کر لو، اس کے بعد آؤ پھر میں کچھ سوچوں گی۔"

یاور خان کھسیا کر ہنسنے لگا۔ بولا۔ "میں تو تمہارے بلاوے پر اس وقت آ گیا تھا ورنہ تم لوگوں کی فطرت سے واقف ہوں۔"

کلیانی چڑ گئی اور خفا ہو کر بولی۔ "اس وقت تم پریشان ہو اس لیے معقول باتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئیں گی۔"

یاور خان نے اٹھنا چاہا تو کلیانی نے کہا۔ "یاور خان! تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

میں سچ کہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے لیکن میرا خاندان ایسا ہے جس کی محبت کا یقین نہیں کیا جاتا اگر تم میرا امتحان کرنا چاہو تو جب کبھی تم سر چھپانے کی جگہ حاصل کر لو اور معاشی حالت سدھار لو تو میرے پاس آجانا، میں کسی بھی طرح یہاں سے نکل چلوں گی۔"

یاور خان نے یقین نہ کرنے والے لہجے میں کہا۔ "شکریہ۔ لیکن میں بھی تمہیں دھوکے میں رکھنا پسند نہیں کرتا۔ میرے دل میں تمہارے لئے انسیت ضرور ہے لیکن شاید اسے محبت نہیں کہا جا سکتا، تم مجھے اچھی لگتی ہو لیکن اب ایسا بھی نہیں ہے کہ اس دنیا میں تمہیں کو اتنا حسن ملا ہے، اور بھی حسین شکلیں ملیں گی، اور جب مجھے رہنے کا ٹھکانہ اور ذریعہ معاش بہتر آجائے گا تو کیا ضروری ہے کہ میں تمہی سے ملنے کی فکر کروں، رقم پاس ہو تو حسینوں کی کیا کمی۔"

کلیانی کے دل کو ان کھری کھری باتوں سے سخت چوٹ لگی۔ بولی۔ "تم صرف عورت اور شباب کی ہوس رکھتے ہو، تم محبت کے پاکیزہ جذبے سے بالکل واقف نہیں" پھر کچھ رک کر کہا۔ "اسی لئے تو تم کو مجھ میں اور جمنا کاکی میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا۔"

وہ آبدیدہ ہو گئی اور اس کے ہونٹ تھر تھرانے لگے۔

یاور خان نے کئی بار اٹھنا چاہا لیکن کلیانی نے اس ملاقات کو آخری سمجھ کر اٹھنے نہ دیا، یہاں تک کہ جمنا کاکی بھی گھوم پھر کر آگئیں۔ یاور خان سے جیسے ہی نظریں ملیں کاکی نے ہنس کر پوچھا۔ "یاور کیسے ہو؟ خیریت سے تو ہو؟"

یاور نے پھیکے لہجے میں جواب دیا۔ "خیریت کہاں؟ اس دنیا میں خیریت کہاں ہے، پھول اپنا سینہ چاک کر لیتے ہیں اور ہوا مضطربانہ خاک اڑاتی پھرتی ہے!"

جمنا کاکی نے کلیانی کو ہٹ جانے کا اشارہ کیا وہ چپ چاپ چلی گئی تو انہوں نے ایک قیامت خیز انگڑائی لی، یاور کو ایسا محسوس ہوا جیسے چولی مسک گئی ہو۔ اس کا گمان درست تھا اب جمنا کاکی گھر کی ساری روداد کرید کرید کر پوچھیں گی لیکن کاکی نے بالکل برعکس سوال کیا "کئی دن ہوئے میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے مور بھنور اور باز و بند درکار ہیں، نئی وضع کے مور بھنور جن کی شکل مور کی طرح ہوتی ہے، در کانوں میں پہنے جاتے ہیں، بہت جی چاہتا ہے کہ انہیں پہنوں، تم نے ان کی فراہمی کا وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر شاید بات ذہن سے نکل گئی۔"

یاور خان نے اپنی بدلی ہوئی حالت کا اظہار کر دیا۔ سب کچھ بتا کر کہنے لگا۔ "جمنا تمہیں اپنی فرمائشوں کی تعمیل کے لئے کچھ دنوں انتظار کی زحمت گوارا کرنا ہو گی۔ سر دست میں ان

حالات میں نہیں ہوں کہ تمہاری یہ حقیر سی خواہش پوری کر سکوں۔"

جمنا کاکی نے نگاہیں بدلیں کبے مروتی سے بولیں۔ "تو جناب جب آپ ان برے حالات میں مبتلا ہو چکے ہیں اور پلے بھی کچھ نہیں رہا تو کیا ضروری ہے کہ تماش بینی بھی بدستور کرتے رہیں، یہ جگہ جہاں آپ اس وقت تشریف فرما ہیں، بازار کی طرح ہے، رقم کے بغیر بازار جانے کا خیال ہی دل میں نہ لانا چاہیئے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہم لوگوں نے اس ذلیل پیشے کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کر رکھا ہے، یہاں کسی قلاش یا مفلس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔"

یاور خان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ فوراً کھڑا ہو گیا۔ بولا۔ "جمنا معاف کرنا اب تک تو میں اس غلط فہمی میں تھا کہ شاید تم مجھے چاہنے لگی ہو لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے بر وقت ہوشیار کر دیا۔"

جمنا کاکی نے قینچی کی طرح زبان چلائی، بولیں۔ "چاہنے وا ہنے کا کھیل شریف زادیاں ہی کھیلتی ہیں، ہم ٹھہرے کاروباری لوگ، گھوڑی گھاس سے آشنائی کرے گی تو کھائے گی کیا؟"

یاور خان نے ایسا محسوس کیا جیسے کرہ گردش میں ہو۔ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکلا اور ایک طرف روانہ ہوا، کہاں اور کیوں جا رہا ہے، اسے کچھ پتہ نہ تھا۔

وہاں سے نکل کر اس نے ایک جوا کھیلنا پسند کیا۔ آگرے پر بابر کا قبضہ ہو چکا تھا، لودھیوں کی حکومت ختم ہو چکی تھی لیکن پٹھانوں کا حسن خان میواتی اب بھی ہمت نہ ہارا تھا اور حکومت کی بازیابی کی کوششیں کر رہا تھا، اس نے رانا سانگا سے معاملہ کر لیا اور پٹھان اور راجپوت آپس میں اتحاد کر کے اس نئے مغل حملہ آور اور فاتح کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس آویزش میں یاور خان چاہتا تو بابر کے مخالفین کا ساتھ دیتا کیوں کہ اس طرف اس کے ہم قوم تھے اور فتح کے زیادہ امکانات بھی انہی کے حق میں تھے لیکن اس نے بابر کا ساتھ دینا طے کیا۔ اس کا چچا تو قیر، رانا سانگا اور حسن خان میواتی کے ساتھ تھا۔ آناً فاناً آگرے، بیانہ اور اس کے گرد و پیش کے صاف ستھرے اور شفاف مطلع پر جنگ کی بھیانک گھٹائیں چھانے لگیں، آبادیاں جنگ کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے ادھر ادھر منتقل ہونے لگیں، لیکن توقیر خان کو حسن خان میواتی اور رانا سانگا کی فتح اور شکست کا یقین تھا، اس نے اپنے خاندان کی منتقلی کو غیر ضروری سمجھا، اب توقیر خان معتی ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

سپاہی تھا' افغان سپاہی۔ شمشیر و سناں کو اولیت حاصل ہو گئی تھی اور طاؤس و رباب کو عقب میں ڈال دیا گیا تھا۔

یاور خان کے جی میں کئی بار آئی کہ وہ کلیانی کے پاس جائے اور جمنا کا کی سے ملے، مطلقہ بیوی کا اور بچی کو بھی دیکھنے کو جی چاہتا تھا لیکن ان سب کے خلاف نفرتیں اس کے دل پکڑ لیتی تھیں۔ وہ بابر کی فوج میں سپاہی کی حیثیت سے داخل ہوا اور چھ ماہ کے اندر ہی ایک ہزاری منصب حاصل کر لیا' اب اس کے پاس رقم بھی تھی اور اعزاز بھی۔ جب زیادہ دل گھبراتا اور نفسانی خواہشات تنگ کرتیں تو وہ کلیانیوں اور جمنا کابیوں کے پاس چلا جاتا۔ وہ اب شادی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا' اسے عورت سے نفرت ہو گئی تھی اور وہ اسے بیوی بنا رکھنے کو تیار نہ تھا۔

جمادی الآخر کی ۹ تاریخ تھی اور منگل کا دن ـــ کہ بابر نے اپنی چوبیس ہزار فوج کی صف بندی کی۔ پھر بارہ تاریخ کو اس نے یہ جگہ چھوڑ دی اور دو میل آگے بڑھ کر بیانہ کے قریب قصبہ کانوہ میں مقیم ہو گیا' ابھی ان لوگوں نے خیمے بھی کھڑے نہ کیے تھے کہ رانا سانگا اور حسن خان میواتی کی افواج کیڑے مکوڑوں کی طرح نمودار ہوئیں۔ گرد و غبار میں سورج چھپ گیا اور زمین لرزنے لگی' ہاتھیوں کی قطاریں سب سے آگے تھیں' راجپوتوں اور پٹھانوں پر مشتمل دو لاکھ فوجی اور دو ہزار جنگی ہاتھی بابر کی چوبیس ہزار افواج کے سامنے کھڑے اس کی قلت کا مذاق اڑا رہے تھے، مغلوں کی ہمتیں جواب دینے لگیں لیکن بابر اپنی تقریروں سے ان کی ہمت بندھاتا رہا۔

دونوں فوجیں آندھی طوفان کی طرح آگے بڑھیں اور ایک دوسرے میں گھس گئیں۔ نعرے، شور پکار، زخمیوں اور دم توڑتے مریضوں کی چیخیں میدان کو سر پر اٹھائے لے رہی تھیں۔ یاور خان اپنے گھوڑے کو ادھر ادھر دوڑا کر چچا توقیر خان کو تلاش کرتا رہا۔ بڑی مشکلوں سے قلب کے قریب میسرے میں توقیر کی جھلک دکھائی دی۔ وہاں تک پہنچنا آسان کام نہ تھا۔ اس نے کمان میں تیر جوڑا اور نشانہ لے کر تیر جو چھوڑا تو وہ توقیر کے حلق کو چھید کر دوسری طرف نکل گیا۔ توقیر چیخ مار کر گر گیا۔ اس نے لب بھینچ کر کہا۔ "حساب کتاب برابر ہو گیا' یہ تھا میرا انتقام!"

اس نے سوچا اب جب کبھی امن ہو گا تو وہ اپنی مطلقہ بیوی اور بچی سے ملنے ضرور جائے گا اور اب انہیں ملنے سے کوئی بھی نہ روک سکے گا۔

شام کے ہوتے ہوتے قسمت کا فیصلہ بابر کے حق میں ہو چکا تھا۔ حسن خان میواتی قتل ہوا اور رانا سانگا جان بچا کر بھاگ نکلا' قرب و جوار کی دشمن بستیوں میں آگ لگا دی گئی

اور ان کی آبادیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا اور اس میں بچے بوڑھے جوان' بیمار' عورت اور مرد کا کوئی خیال نہ رکھا گیا۔ بابر نے حکم دیا کہ مقتولوں کے سروں کا ایک مینار تعمیر کیا جائے، آناً فاناً سروں کا مینارہ کھڑا کر دیا گیا۔

چچا توقیر کا سر بھی مینارے میں لگ گیا۔ یاور نے چچا کے سر کو پہچان لیا' ہلالی مونچھیں اور ایک مشتی داڑھی میں سازشی اور بد دیانت چہرہ دور سے پہچانا جا سکتا تھا' اس نے قریب جا کر چچا کے منہ پر تھوک دیا اور کہنے لگا۔ "تم نے مجھ پر ظلم کیا تھا' خدا نے تمہیں اس کا بدلہ دیا کہو اب کس حال میں ہو اور تم پر کیسی گزر رہی ہے!"

چہرے نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن بصارت سے محروم تھیں' کان اپنی جگہ پر تھے لیکن سن نہ سکتے تھے۔ کئی دن بعد وہ ہمت کر کے اپنے آبائی گھر گیا لیکن اب وہاں کچھ بھی نہ تھا' پوری آبادی قتل کی جا چکی تھی' انہی میں اس کی بیوی اور بچی بھی شامل تھی کلیانی کا گھر تو موجود تھا لیکن وہاں متنفس ایک بھی نہ تھا۔ اس کے پتھر دل پر اس انقلاب کا کوئی اثر نہ ہوا' وہ فوج میں واپس گیا اور اپنے فرائض پوری تن دہی، مستعدی اور خوش اسلوبی سے انجام دینے لگا۔ اس طرح ایک سال گزر گیا۔

ایک دن وہ بابر کے دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا بابر کے رعب سے لوگوں کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور کھانے کے لئے ہاتھ نہایت ادب اور تکلف سے اٹھ رہے تھے بابر کے قریب ایک قاب میں حلوے جیسی کوئی چیز رکھی تھی' شریکِ طعام ایک پٹھان نے اس قاب کو بے تکلفی سے اٹھایا اور ادھر ادھر چمچے کی جستجو میں نظر دوڑائی جب چمچا نہ مل سکا تو اس نے کمر میں اڑسے ہوئے خنجر کو نکالا اور اس کی نوک سے قاب کی حلوہ نما شے کھانے لگا۔ بابر نے ندیمہ لگاتے ہوئے اس جری پٹھان کو دیکھا اور اپنے وزیر سے کہا۔ "ہمیں اس پٹھان میں سرکشی اور تمرد کے آثار ملتے ہیں' کیوں نہ اسے گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جائے"

بابر نے بات ترکی میں کی تھی لیکن پٹھان اس کے لبِ لباب کو پا گیا۔ کھانے کے بعد وہ باہر نکلا۔ یاور خان اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔

یاور خان نے اسے مخاطب کیا۔ "دوست! کیا میں آپ سے آپ کا تعارف چاہ سکتا ہوں؟"

پٹھان نے جواب دیا۔ "میرا نام فرید خان ہے' میں بھی پٹھان ہوں۔"

یاور خان نے پوچھا۔ "آج کھانے کے دوران کچھ بد مزگی سی ہو گئی؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں' یہ مغل خود کو معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں ہم تو یہ جانتے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کہ اگر ہمارے پٹھان بھائی ایکا کر لیں اور ہمارا ساتھ دے جائیں تو میں ان مغلوں کو یہاں سے اس طرح نکال باہر کروں جس طرح دودھ سے مکھی نکال دی جاتی ہے۔"

یاور کو اس کی باتوں میں خوش فہمی محسوس ہوئی، ضرورت سے زیادہ خوش فہمی۔ اس نے پوچھا۔ "تم جا کہاں رہے ہو؟"

پٹھان نے جواب دیا۔ "اپنی جاگیر جونپور، پھر وطن سہسرام چلا جاؤں گا۔ اب مجھے مغلوں کے دربار میں ٹھہرنے سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔" اس نے جاتے جاتے پوچھا۔ "تم بھی پٹھان ہو؟"

"ہاں!" یاور خان نے جواب دیا۔ "کیوں؟"

فرید خان نے کہا۔ "اگر کبھی تم پر وقت پڑے تو ہمارے پاس سہسرام چلے آنا۔ فرید خان کے علاوہ شیر خان بھی کہتے ہیں!"

فرید خان چلا گیا۔ یاور خان کو اس پٹھان میں کچھ غیر معمولی خصوصیات نظر آئیں۔ اس نے سوچا کہ اگر واقعی اس پر کوئی وقت پڑا تو وہ ضرور سہسرام جائے گا۔ یاور خان نے شیر خان کے جانے کے بعد تین سال بابر کی خدمت میں گزار دیے اور اس درمیان اس نے کئی بار یہ کوشش کی کہ اس کی جاگیر واگزاشت ہو جائے لیکن ناکام رہا۔ اب وہ جاگیر مغل سردار کے نام منتقل ہو چکی تھی۔ یاور جیسے دوسرے کئی پٹھان سردار اور منصب دار محسوس کر رہے تھے کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے یا ناقدری کے شکار ہیں، ہندوستان کے خود مختار درباروں کا رخ کر رہے تھے۔ یاور نے سن رکھا تھا کہ بنگال اور بہار کے حکمران آزاد یا نیم آزاد زندگی گزار رہے ہیں۔ سہسرام میں اس کا پٹھان دوست شیر خان موجود تھا لیکن وہ سردست شیر خان کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا۔ سہسرام سے پہلے بنارس کے جنوب چنار گڑھ تھا جہاں مفتوح ابراہیم لودھی کا نمائندہ تاج خان نامی افغان اب بھی حکمران تھا۔ سننے میں آیا تھا کہ اس کے پاس سابق ہندوستانی شہنشاہ ابراہیم لودھی کا خزانہ اب بھی محفوظ ہے۔ یاور خان نے چنار گڑھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

چنار گڑھ جانے سے پہلے وہ اپنی جاگیر میں گیا۔ اب اس کی حویلی میں کوئی [illegible] رہ رہا تھا۔ یہاں سے وہ کلیانی کی طرف گیا۔ اب وہاں کلیانی اور جمنا کا کی جگہ کلیانی کی ماسی اس کی دو لڑکیاں رہ رہی تھیں۔ کلیانی کی بابت اسے یہ معلوم ہوا کہ دارالحکومت کے آئے دن کے ہنگاموں سے تنگ آ کر ہندوستان کے کسی پرسکون علاقے میں چلی گئی ہے۔ اب جاگیر میں دلچسپی کی کیا چیز باقی رہ گئی تھی؟ اس نے خاموشی سے مشرق کا رخ کیا۔ چنار گڑھ اس کا

مستقر تھا۔

تاج خان نے اس کا پرجوش استقبال کیا اور اسے اپنی مصاحبت میں رکھ لیا۔ یہ بڑی اچھی جگہ تھی۔ یہاں کا قلعہ بڑا مستحکم تھا۔ تاج خان مغلوں کی بابت معلومات حاصل کرتا رہا۔ اسے اندیشہ تھا کہ جلد یا بدیر مغل حکمران چنار گڑھ کو بھی اپنی حرص کا نشانہ بنائیں گے۔ وہ یاور خان سے اس خطرے سے محفوظ رہنے کے مشورے کرتا رہتا۔ یاور خان نے مشورہ دیا کہ آس پاس کے پٹھان حکمرانوں اور قلعہ داروں کو مغلوں کے خلاف متحد ہو جانا چاہیے۔ لیکن یاور خان یہ بھی خوب جانتا تھا کہ اس کے اس مشورے پر پٹھان عمل نہ کر سکیں گے، خود تاج خان کی اپنی اولاد میں نہیں بن رہی تھی۔ تاج خان کی کئی بیویاں تھیں لیکن ان میں سب سے چہیتی لاڈو نامی بیوی تھی اور وہی تاج خان کی ملکہ بنی ہوئی تھی۔ یاور خان کو یہ جان کر بڑا دکھ ہوا کہ چنار گڑھ میں بھی عورت ہی نفاق اور اختلاف کا سبب بنی ہوئی ہے۔

اس نے چنار گڑھ میں کئی برساتیں گزاریں، یہاں زندگی گزارتا اور بھر پور گزارتا۔ چھوٹی سی آبادی میں کوئی بازار حسن نہ تھا، اور نفرت کے باوجود وہ عورت کی ضرورت شدت سے محسوس کرنے پر مجبور تھا۔ جب وہ تاج خان کی مصاحبت میں ہوتا اور زنان خانے سے چوڑیوں کے کھنکنے یا زمزمہ بار قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتیں تو اس کی بڑی بری کیفیت ہو جاتی۔ اس پر ایک دورہ سا پڑتا اور جی میں آتا کہ وہ دیوانہ وار تاج خان کے چھوٹے سے محل سرا میں گھس جائے اور برسوں کے ڈھکے بندھے سیل نفسانی کے بند کھول دے لیکن اس کے انجام پر غور کرتا تو حوصلہ اور جوش ٹھنڈا پڑ جاتا۔ تاج خان اس کی اس کیفیت کو کسی نہ کسی طرح محسوس ضرور کر رہا تھا۔ ہمیشہ اسے مشورہ دیتا کہ "یاور خان شادی کر لو!"

یاور خان کہتا۔ "عورت نے میرا بہت دل دکھایا ہے، اس پر سے میرا اعتبار اٹھ گیا ہے۔"

تاج خان ہنس دیتا۔ اور جواب دیتا۔ "بے وقوف! اس دنیا میں قابل اعتبار تو کوئی شے بھی نہیں، ہر شے ناقابل اعتبار ہے!" اس کے بعد وہ اپنے جوان لڑکوں کا ذکر چھیڑ دیتا اور کہتا۔ "میں تو ان پر بھی اعتبار نہیں کرتا۔ دولت اور جاگیر کے لیے یہ اولاد بھی کسی وقت بھی مجھے ہلاک کر سکتی ہے!"

یاور خان کو اس پر یقین نہ آتا اور ہنس کر کہتا۔ "تم تو مجھ سے زیادہ وہمی نکلے!"

تاج خان کہتا۔ "اولاد کو بھی چھوڑو۔ دولت، جائداد، جاگیر، حکومت، موسم، سردی گرمی، بچپن، جوانی، بڑھاپا اور زندگی، ان میں سے تم کس پر اعتبار کرو گے؟ یہ بھی ناقابل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

اعتبار ہیں، ہمیں شکوک اور اوہام میں مبتلا ہو کر چند روزہ عیش و عشرت کے لطف کو بدمزہ نہیں کرنا چاہیے۔"

یاور خان چپ ہو جاتا۔

ایک دن یاور خان نے عورت کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ تاج خان نے اس بے چینی اور اشتہا کو محسوس کر لیا، اس نے یاور خان کا سامنا ایک ایسی عورت سے کرا دیا جو حسن شباب کا پیکر تھی، عمر کوئی پچیس چھبیس سال رہی ہو گی، اس کا شوہر مر چکا تھا اور اس شوہر سے ایک لڑکا بھی تھا۔ سات آٹھ سالہ یونس خان۔ یہ عورت یاور خان کو پسند آ ئی اور تاج خان نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا لیکن اسی رات کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے یاور خان بہت خوفزدہ ہو گیا۔

یاور خان کی رہائش تاج خان کے بالکل قریب ہی تھی۔ مدتوں کا بھوکا ترسا یاور خان دیر تک جاگتا جگاتا رہا، رات کے پچھلے پہر شور و غل بلند ہوا۔ پہرے دار چیخ چیخ کر واویلا کر رہے تھے۔ "ملکہ لاڈو قتل کر دی گئیں۔ ملکہ لاڈو کو ان کے سوتیلے بیٹے نے قتل کر دیا۔"

یاور خان نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور تلوار لے کر باہر نکل گیا وہاں لوگ مشعلیں لئے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے، اچانک ایک طرف سے ایک نوجوان بھاگتا ہوا آیا، اس کے ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی، تھوڑی دور سے بھاگتے ہوئے تاج خان کی آواز گونجی۔ "کدھر جاتا ہے مردود، میں آ گیا ہوں تجھے جہنم واصل کرنے۔ اپنی ماں پر ہاتھ اٹھاتے تجھے شرم نہ آئی؟"

نوجوان ٹھہر گیا، مشعلوں کی روشنی میں یاور خان نے اسے پہچان لیا، یہ تاج خان کا بڑا بیٹا تھا۔

اب تاج خان بھی قریب آ چکا تھا لڑکے نے باپ سے غصے میں کہا۔ "واپس جاؤ ورنہ میں تمہیں بھی قتل کر دوں گا۔"

تاج خان نے پوچھا۔ "تو نے اپنی سوتیلی ماں پر ہاتھ کیوں اٹھایا؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "اس نے تمہیں دیوانہ بنا رکھا تھا اور اس کے ہوتے ہوئے ہمیں اپنی دولت اور جاگیر پر کوئی اختیار نہ تھا۔"

تاج خان پر محبت پدری حاوی آنے لگی، وہ چاہتا تو بیٹے کو زخمی کر سکتا تھا لیکن اس کے ہاتھ کی قوت جیسے زائل ہو گئی۔ مشعل بردار اور پہرے دار بھاگے چلے آ رہے تھے لڑکے نے ان کی آمد سے پہلے ہی تلوار کا ایک بھرپور وار باپ کی گردن پر رسید کیا جس سے

تاج خان کا سر یاور خان کے قدموں میں آ گرا، لڑکا یہ جا وہ جا، نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تاج خان کا لاشہ پھڑکتا رہا، یاور خان کو ایسا لگا، جیسے وہ کوئی عجیب خواب دیکھ رہا ہے۔

وہ ملول اور افسردہ بیوی کے پاس واپس گیا۔ چند لفظوں میں پیش آنے والے سانحے کا ذکر کیا اور پھر خاموش خاموش قدم اٹھاتا ہوا اس کمرے میں چلا گیا جہاں اس کا سوتیلا بیٹا یونس خان سو رہا تھا۔ وہ شامی شمع اس کے سرہانے روشن تھی، سانسوں کی آمد و رفت سے اس کا سینہ اور پیٹ مد و جزر کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ وہ اسی طرف کھڑے ہو کر وہ کچھ دیر ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا، اسے ایسا لگا جیسے یونس خان جوان ہو چکا ہے اور تلوار لئے اس پر حملہ آور ہو رہا ہے اس کے جی میں آئی کہ وہ یونس خان کا گلا دبا دے۔ پیچھے یونس خان کی ماں اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ یونس خان کے گلے کی طرف جھکا۔ پیچھے عورت کے تنفس میں شدت پیدا ہو گئی، وہ پیش آنے والے خطرے کی بو محسوس کر چکی تھی۔ یاور خان کے ہاتھوں نے جیسے ہی یونس کی گردن کو گرفت میں لیا، عورت چیخ کر اس سے چمٹ گئی۔ "یاور خان! تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

یاور خان ہوش میں آ گیا، ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی رہی اور اپنے چہرے کو کچھ اور جھکا کر دونوں ہونٹ یونس کے رخسار پر رکھ دیئے اور اسے پیار کرنے لگا۔

عورت بار بار پوچھ رہی تھی۔ "یاور خان! تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

یاور خان نے جذباتی آواز میں جواب دیا۔ "تمہارے بچے کو پیار کر رہا ہوں!"

عورت نے جلدی سے کہا۔ "لیکن اب یہ تمہارا بھی تو ہے!"

یاور خان نے تکلفاً اور رسماً کہا۔ "ہاں یہ اب ہمارا بھی ہے!"

یاور خان وہیں ایک طرف بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اسی طرح ایک دن اس نے اپنی بچی کو بھی ہلاک کرنا چاہا تھا کیونکہ اس وقت یاور خان کے خیال میں لڑکی عزت و آبرو کی دشمن تھی اور وہ کسی کا خسر ہونا سخت ناپسند کرتا تھا، لیکن آج تاج خان کے قاتل بیٹے نے اس کی سوچ کا رخ بدل دیا تھا، لڑکی عزت و آبرو کی دشمن ہوتی ہے تو لڑکا جان اور مال کا۔ تاج خان سچ کہتا تھا کہ اس دنیا کی ہر شے ناقابلِ اعتبار ہے۔

عورت یاور خان کے فکرمند اور سوچ میں ڈوبے ہوئے چہرے کو دیکھتی رہی اور آخر کچھ سمجھ کر اتنا ہی کہہ سکی۔ "میرا بیٹا یونس خان ایک شریف باپ کا بیٹا ہے، یہ تاج خان کے بیٹے جیسی کوئی حرکت نہ کرے گا تم اطمینان رکھو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

تاج خان کا قاتل بیٹا پکڑا گیا۔ لاڈو ملکہ معمولی زخمی ہوئی۔ تھی علاج معالجے سے ٹھیک ہو گئی۔ قلعے کے امرا اور دانشمندوں نے سوچا کہ اب تاج خان کی موت کے بعد قلعے کی حفاظت بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اس کا یہ حل نکالا کہ لاڈو ملکہ کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ سہسرام کے شیر خان سے شادی کر کے قلعے کا نظم و نسق اس کے حوالے کر دے۔ لاڈو تیار ہو گئی اور یہ کام بہت جلدی انجام پا گیا۔ شیر خان یاور سے مل کر بہت خوش ہوا اور اسے اپنی فوج کے ایک بازو کی سرداری بخش دی۔

آگرے میں بابر کا انتقال ہو چکا تھا اس کی جگہ ہمایوں تخت نشین ہوا۔ اب جو زندگی کا طوفانی عہد شروع ہوا تو ایسا لگا جیسے کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔ شیر خان کی ہمایوں سے آویزش شروع ہو گئی یاور خان کے شب و روز مختلف محاذوں پر گزرنے لگے۔ ہمایوں چنار گڑھ کی طرف بڑھا تو شیر خان نے رہتاس پر قبضہ کر لیا یہاں تک کہ کئی سال کی کشمکش کے بعد بنارس کے شمال میں چوسا کی جنگ میں ہمایوں کی شکست۔ فاتح نے شیر خان کو شیر شاہ بنا دیا۔ یاور خان جوش و خروش سے شیر خان کا ساتھ دے رہا تھا اسے اپنی جاگیر یاد آ رہی تھی، اور اسے یقین ہو چلا تھا کہ اگر شیر خانی فتوحات کا دائرہ اسی طرح وسیع ہوتا رہا تو آگرہ زیادہ دور اور زیادہ دنوں کا نہیں ہے۔

پھر ایک دن شیر خان نے اسے یہ خوش خبری سنائی کہ رات خواب میں میں ہمایوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دربار میں پہنچا۔ حضورؐ نے ہمایوں کے سر سے تاج اتار کر میرے سر پر رکھ دیا اور ہدایت کی کہ "شیر خان! عدل و انصاف سے حکومت کرنا۔" خواب بیان کر کے شیر خان نے کہا۔ "اب ہمیں ہندوستان کی بادشاہت تک پہنچنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔"

دونوں کا آخری مقابلہ قنوج کے قریب دریائے گنگا کے کنارے ہوا۔ ہمایونی فوج ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی اور شیر خانی سپاہ پچاس ہزار پر۔ زور دار رن پڑا۔ ہمایوں شکست کھا کر فرار ہو گیا اور شیر خان آگے بڑھ کر آگرے میں داخل ہو گیا۔ اب وہ شیر خان نہیں شیر شاہ تھا۔ شاہِ عالم شیر شاہ کیونکہ اس نے اپنے لئے یہی خطاب پسند کیا تھا۔ یاور خان تقریباً تیرہ چودہ سال ادھر ادھر گزار کر پھر اپنے وطن واپس آ گیا تھا۔ دریائے چنبل اسی طرح رواں دواں تھا اس کا آٹھ سالہ یونس خان اب تقریباً بیس سال کا ہو چکا تھا جب وہ اپنی بیوی اور یونس خان کو لے کر اپنی جاگیر پہ گیا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں اب یہاں کوئی نذیر خان نہ تھا پورا علاقہ تمام اسی کے تسلط میں تھا۔ ابھی وہ چین سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ اسے تین سال کے لئے پھر باہر جانا پڑ گیا۔ شیر شاہ مختلف محاذوں پر الجھا

...ا تھا۔ یاور خان کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ اس کی طبیعت جنگ و جدال سے الجھنے ...گی تھی، اس نے ان معرکوں میں کئی بار ایسے زخم کھائے تھے کہ زندگی سے مایوس ہو گیا تھا اس ...نے شیر شاہ سے درخواست کی کہ اسے چند سالوں کے لئے جاگیر پر واپس جانے کی اجازت مرحمت ...یا جائے۔ شیر شاہ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

اپنی حویلی میں داخل ہوتے ہی اس نے پہلی بار الماک اور زیر دیم میں گزرتے ہوئے ...ں کو دیکھا۔ وہ سامنے نشیب و فراز جن سے وہ گزر چکا تھا باری باری یاد آتے رہے بیوفا ...لا بے گناہ بچی، عیار اور لالچی چچا بھی یاد آئے اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کی یہ ...سری بیوی بہت اچھی تھی۔ اور اس سے ابھی تک کوئی شکایت نہ پیدا ہوئی تھی، انیس سالہ ...ں بھی حد درجہ سعادت مند نکلا تھا۔ وہ اپنی اس زندگی سے بہت خوش اور مطمئن تھا۔ وہ ...س کو لے کر جاگیر میں ادھر ادھر نکل جاتا اور دونوں مل کر گھڑ دوڑ کی سابقت کرتے، جب ...ں اسے پیچھے چھوڑ دیتا تو یاور خان بہت ہنستا اور بہت خوش ہوتا۔ اس نے یونس کو ...یباً کرتبوں میں طاق کر دیا تھا۔

اسے کئی بار مہندی کے درختوں کے جھنڈ میں کھپریلوں والے اس مکان کو دیکھا ...ں کلیانی اور حنا کا کی سہارتی تھیں اور آخری معلومات تک کلیانی کی ماسی اپنی دو بیٹیوں کے ...ا گھر رہنے لگی تھی، پھر آہستہ آہستہ اس میں یہ تبدیلی رونما ہوا کہ وہ ہر روز کسی نہ کسی ...قت ادھر سے گزرتا ضرور کئی بار جی چاہا کہ وہ گھوڑے سے اتر کر اندر چلا جائے لیکن کچھ سوچ کر ...ہ گیا۔

سردیاں شباب پر تھیں، صبح شام بتیسی بجنے لگی تھی، چاند کی سات تاریخ تھی اگر وہ ...ا اور سرد رات، ہر طرف سکوت ہی سکوت تھا۔ وہ آگرے سے واپس آ رہا تھا جب وہ ...کے مکان کے پاس سے گزر رہا تھا تو اسے گانے کی آواز سنائی دی، اس نے بے ارادہ گھوڑے ...کی لگام کھینچ لی اور کچھ دیر گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے ہی سوچتا رہا پھر گھوڑے سے اتر پڑا اور ...ڑے کی لگام پکڑ کر آہستہ آہستہ پیپل کے درخت کی طرف بڑھ۔ جب وہاں ہر روز کا درخت نہیں تھا ...کا ایک لیک تنے سے پھنسا دیا اور مہندی کے جھنڈ کی طرف چل پڑا۔ اب وہ درخت چھلے سے ...تھے وہ انہیں دونوں ہاتھوں سے ادھر ادھر ہٹاتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا اور آہستہ ...آہستہ دستک دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھولا شمع اس کے ہاتھ میں تھی اس ...روشنی میں یاور خان کو دیکھا اور پوچھا۔ "جناب کو کس سے ملنا ہے؟"

یاور خان کو اس تیس بتیس سالہ مرد میں نہالی کی شباہت محسوس ہوئی۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

منہ سے خود بخود نکل گیا۔ "مجھے کلیانی سے ملنا ہے، کیا وہ اندر موجود ہیں؟"

مرد نے ایک بار پھر غور سے یادو خان کو دیکھا اور مسکرا کر جواب دیا۔ "ذرا ٹھہرو، خبر کرتا ہوں۔"

وہ اندر واپس گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ واپس آیا۔ مرد نے شمع یادو خان کی طرف بڑھا دی، عورت نے اس کی روشنی میں خوب اچھی طرح یادو خان کو دیکھا اور ہونٹوں پر اداس مسکراہٹ لا کر بولی۔ "یادو خان!"

یادو خان نے جواب دیا۔ "ہاں یادو خان!" اس کے بعد اٹک اٹک کر پوچھا۔ "اور تم۔ شاید تم کلیانی ہو!"

"ہاں میں کلیانی ہوں!" کلیانی نے نظریں جھکا لیں۔

دونوں کا عجیب حال تھا، شاید دونوں جو کچھ دیکھ رہے تھے اس پر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

یادو خان نے کہا۔ "مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم یہیں ہو۔"

کلیانی نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ تم یہیں ہو اور تمہاری جاگیر تمہیں واپس مل چکی ہے۔"

یادو خان کے دل میں کلیانی کی محبت عود کر آئی، شکایتاً بولا۔ "جب تمہیں یہ معلوم تھا کہ میں یہیں ہوں تو تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

کلیانی نے حسرت سے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تمہیں میری موجودگی کا جیسے ہی پتہ چلے گا تم خود ہی بھاگے چلے آؤ گے۔"

"خوب!" یادو خان نے کہا۔ "مجھے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ تم کہیں چلی گئی ہو!"

"ہاں گئی تو تھی لیکن کہیں اور دل نہ لگا، واپس آ گئی!"

یادو خان نے پوچھا۔ "جمنا کاکی کہاں ہیں؟"

کلیانی نے منہ بسور کر جواب دیا۔ "پچھلے سال سورگباش ہو گئیں!"

یادو خان کو دکھ پہنچا، افسوس کرتا ہوا بولا۔ "بہت اچھی تھیں جمنا کاکی!"

نہالی نے اکتا کر کہا۔ "اب اندر ہی چل کر باتیں کرو، میرا تو شمع پکڑے پکڑے ہاتھ دکھنے لگا۔"

کلیانی نے بھی چونک کر کہا۔ "ہاں یہ تو میں بھول ہی گئی تھی، اندر آؤ۔ وہاں جی بھر کے باتیں ہوں گی۔"

یادو خان ان کے ساتھ اندر چلا گیا۔

اندر جو ٹھاٹھ تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اب کلیانی کے پاس بہت کچھ ہے، چھت سے لٹکے ہوئے جھاڑ فانوس بہت قیمتی تھے اور کمرے کو بہت زیادہ آراستہ کر دیا گیا تھا، سارے گاؤ تکیے ریشمی تھے۔ اس وقت کمرہ سونا تھا ساز ندے بھی کہیں دبکے ہوئے تھے۔

کلیانی نے یادو خان کو اسی جگہ بٹھایا، جہاں وہ پہلے بیٹھا کرتا تھا، اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ نہالی اندر چلا گیا، یادو اس آتش رفتہ کے سراپے کا جائزہ لیتا رہا۔ کلیانی کا دمکتا ہوا حسن اب پھیکا پڑ چکا تھا۔ چہرے پر ہلکی سی سیاہی بھی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن احتیاط اور حفاظت کی وجہ سے جسم میں تناؤ اور کساؤ اب بھی موجود تھا اور جس نے اس کو نوجوانی یا جوانی میں نہ دیکھا ہو، وہ اب بھی اسے دل دے سکتا تھا۔ یادو خان کو کلیانی اب بھی اچھی لگ رہی تھی۔

کلیانی نے شوخی سے پوچھا۔ "سنتی ہوں تم نے ایک لڑکے کی ماں سے شادی کر لی!"

"ہاں کر تو لی!" یادو خان نے جواب دیا۔ "بڑی نیک عورت ہے!"

کلیانی نے کہا۔ "عورتیں ساری ہی نیک ہوتی ہیں، تمہاری پہلی بیوی کیا بری تھی!"

"وہ بہت بری تھی!" یادو خان نے کہا۔ "وہ خود تو بری تھی ہی لیکن اس کا باپ اس سے بھی زیادہ برا تھا!"

"تھا تو وہ تمہارا ہی چچا!"

"اس سے کیا ہوتا ہے، برا تو برا ہی کہلائے گا!"

کلیانی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "رانا سانگا کی شکست اور بابر کی جیت نے تمہارے خاندان کو بالکل برباد کر دیا۔ مغلوں نے گھروں میں گھس گھس کر قتل عام کیا ہے اسی میں تمہاری بیوی اور بچی کو بھی قتل کر دیا گیا۔" پھر جھرجھری لے کر بولی۔ "اب بھی جب اس خون خرابے کو یاد کرتی ہوں تو کانپ جاتی ہوں۔" پھر یادو خان سے پوچھا۔ "سچ بتانا تمہیں پہلی بیوی اور بچی کی یاد اب بھی کبھی آتی ہے یا نہیں؟"

یادو خان نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "مجھے ان کے ذکر تک سے نفرت ہے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

"خوب!" کلیانی بولی۔ "آدمی کو اتنا جذباتی بھی نہیں ہونا چاہیئے!"

یاور خان کو کچھ سردی سی محسوس ہوئی تو کلیانی نے اسے کمبل اڑھا دیا اور پیروں پر شال ڈال دی۔

یاور خان نے کہا۔ "اب میں چلوں گا!"

"کہاں؟"

"گھر!"

"چلے جانا' جلدی بھی کیا ہے!" کلیانی خود بھی شال اوڑھ کر بیٹھ گئی۔ "تقریباً پندرہ سال بعد ملاقات ہوئی ہے ہم دونوں کی!"

"ہاں!" یاور خان کو اب وہ اتنی اچھی لگنے لگی تھی کہ سینے سے لگا لینے کو جی چاہنے لگا بولا۔ "کلیانی! ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانو گی؟"

"نہیں' کہو' برا کیوں مانوں گی تمہاری کسی بات کا؟"

یاور خان ماضی کی یاد دلاتا ہوا بولا۔ "تمہیں خوب یاد ہوگا کہ جب میں تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری ماں جمنا کاکی کی طرف راغب ہو گیا تھا تو تم نے اس پر بہت غصہ کیا تھا!"

"ہاں یاد ہے!" کلیانی نے کہا۔ "اور یہ بھی یاد ہے کہ تم نے مجھ سے کیا کچھ کہا سنا تھا!"

یاور خان نے شرمندگی سے کہا۔ "بعد میں' میں نے بہت کچھ سوچا تو اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس وقت میں ہی غلطی پر تھا مجھے بیک وقت تم دونوں سے تعلقات نہیں رکھنے چاہیئے تھے!"

کلیانی ہنسنے لگی' بولی۔ "نہیں تم غلطی پر نہیں تھے' بعد میں جب میں نے اس پر غور کیا تو پتہ چلا کہ میں خود غلطی پر تھی۔ تم نے سچ ہی کہا تھا کہ یہ کوچہ ہی دوسرا ہے یہاں سب کچھ روا ہے!"

یاور خان اور زیادہ شرمندہ ہو گیا۔ "میں بہت زیادہ شرمندہ ہوں کلیانی' مجھے اور زیادہ شرمندہ نہ کرو!"

کلیانی نے ایک نشتر اور اتارا۔ "جمنا کاکی میری ماں تھی اور تم ہم دونوں کے عاشق تھے تمہیں یاد ہے نا جب میں نے تمہیں اس سے منع کیا تھا تو تم نے یہ کہا تھا کہ یہاں صرف ایک ہی رشتہ ہوتا ہے' میں اور جمنا کاکی بکاؤ چیزیں تھیں' اور تم ان کے خریدار تھے جب جس

پر طبیعت آئے گی' قیمت ادا کر کے خرید لو گے؟"

یاور خان میں اب مزید صبر کا یارا نہ تھا۔ اٹھ کر کھڑا ہو گیا' بولا۔ "مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے کلیانی تم مجھے کیوں شرمندہ کر رہی ہو!"

کلیانی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بٹھانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "میں تمہیں خفا ہو کر ہرگز نہ جانے دوں گی' ابھی تمہیں کچھ دیر اور بیٹھنا پڑے گا۔"

"لیکن اس شرط پر کہ اب ماضی کا ذکر نہیں چھڑے گا!"

"منظور!" کلیانی بولی۔ "لیکن میں نے جو کچھ کہا' اس سے تمہیں چھیڑنا یا ستانا مقصود نہ تھا' میں تو اس حقیقت کا اعتراف کر رہی تھی جو اٹل اور ناقابل تردید ہے!"

یاور خان پھر بیٹھ گیا۔ پوچھا۔ "کیا میں اب بھی تم سے ملنے کے لئے آ سکتا ہوں؟"

"بالکل۔ تمہارا اپنا گھر ہے' جب چاہو آؤ' تمہیں کون روک سکتا ہے بھلا؟"

"شکریہ!" یاور خان نے کہا۔ "کلیانی! میں تمہارے لئے دل میں اب بھی کسک محسوس کرتا ہوں!"

"خیر اب یہ باتیں تو کرو نہیں' یہ ساری فضول باتیں ہیں!"

"تمہیں یقین نہیں آتا کیا؟"

"بھلا یقین آئے بھی تو کس طرح؟"

"کیوں یقین دلانے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟"

کلیانی ایک دم سنجیدہ ہو گئی' بولی۔ "اگر میرے لیے تمہارے دل میں کسک ہوتی تو تم مجھے یاد ضرور کرتے اور میری خبر ضرور لیتے!"

یاور خان نے جواب دیا۔ "تمہاری خبر کس طرح لیتا' تم یہاں تھیں ہی کب؟"

کلیانی نے کہا۔ "میں صرف دو سال باہر رہی' اس کے بعد پھر یہیں آ گئی!"

یاور خان چپ ہو رہا۔ کلیانی پھر بولی۔ "دل میں کسک میرے لئے ہوتی ہے اور شادی کسی اور سے رچاتے ہو' خوب" وہ ہنسنے لگی۔ "یاور خان! تمہاری وہی بات سچ ہے جو تم نے پندرہ سال پہلے کہی تھی' ہم بازار کی بکاؤ چیزیں ہیں' جب طبیعت للچائے' قیمت ادا کرو' مزے لوٹو اور پھر گھر کی راہ لو!"

یاور خان غصے میں کھڑا ہو گیا۔ "اچھا میں چلتا ہوں کلیانی اگر تم یہی چاہتی ہو کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

میں آئندہ یہاں نہ آؤں تو صاف صاف کہہ سکتی ہو، محل میں لپیٹ کر جوتے لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

کلیانی شوخی سے مسکراتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ "ارے تم خفا ہو گئے، خوب، شاید اب مجھ میں وہ پہلی جیسی دلکشی نہیں رہی، اسی لئے میں نے تمہارے لئے دوسرا بندوبست کر رکھا ہے، میری محبت کو دیکھو مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ میں نے تمہاری واپسی کی امید میں پال پوس کر دوسری کلیانی جوان کر رکھی ہے!"

اس کے بعد وہ یاور خان کو چھوڑ کر اندر چلی گئی، یاور خان اس کی باتوں کا جو مطلب سمجھا تھا، اس کے انتظار میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ دیر بعد جب کلیانی واپس آئی تو وہ تنہا نہ تھی، ایک نہایت حسین اور نازک اندام نوجوان لڑکی اس کے ساتھ تھی، کلیانی نے پیار سے اسے حکم دیا۔ "شانتا بیٹی انہیں سلام کرو۔"

شانتا نے نہایت حیا کے ایک ادا کے ساتھ یاور خان کو سلام کیا۔ یاور خان نے اشاروں میں سلام کا جواب دے کر کلیانی کو اس طرح دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو۔ "یہ کون ہے کلیانی؟"

کلیانی نے چچا توقیر کا ذکر چھیڑا اور ان سے تعلقات کی داستان سنا کر بولی۔ "یہ انہی کی یادگار ہے!"

یاور خان دزدیدہ نگاہوں سے شانتا کے شباب اور دلکشی کا جائزہ لیتا رہا لیکن وہ یہاں سے فوراً چلے جانے پر تیار نہ تھا۔ حسن پرستی کا جذبہ عود کر آیا، شانتا اس سے کہیں زیادہ حسین تھی جتنی کلیانی ہوا کرتی تھی۔

کلیانی اس کے احساسات پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی، بولی۔ "یاور خان! کھڑے کیوں ہو، تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ!"

یاور خان بیٹھ گیا۔ کلیانی شانتا کے ساتھ اس کے روبرو بیٹھ گئی۔

کلیانی کچھ دیر بعد بولی۔ "اب آج تو اتنا وقت نہیں ہے لیکن جب پھر کبھی آؤ گے تو میں تمہیں شانتا کا گیت بھی سناؤں گی اور ناچ بھی دکھاؤں گی، دیکھ کر دنگ رہ جاؤ گے اتنا اچھا ناچ تو مجھے بھی نہ آتا تھا!"

یاور خان کسی کشمکش کا شکار تھا۔ کلیانی اس کی نفسی کیفیات خوب سمجھ رہی تھی، پوچھا۔ "یاور خان! سچ بتانا اب میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

یاور خان لاجواب تھا۔

کلیانی نے کہا۔ "تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، صاف کہہ سکتے ہو کہ شانتا زیادہ اچھی لگ رہی ہے!"

یاور خان نے کہا۔ "لیکن یہ تمہاری بیٹی ہے!"

"اس سے کیا ہوتا ہے، جمنا کالی بھی تو میری ماں تھیں؟"

"ہاں!" یاور خان شرمندہ تھا، پانی پانی ہو رہا تھا۔

کلیانی نے دلاسا دیا۔ ڈھارس بندھائی، کہنے لگی۔ "یاور خان! اس کوچے میں اخلاقیات کا کیا کام، تم جوانی میں صحیح سوچ رکھتے تھے، یہ بازار ہے یہاں گاہک اور سوداگر میں بس ایک ہی رشتہ ہوتا ہے، تمہیں شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر تمہیں شانتا اچھی لگے تو اسے بھی اسی طرح حاصل کر سکتے ہو جس طرح مجھے اور جمنا کالی کو حاصل کیا تھا!"

پہلے تو یاور خان یہ محسوس کر رہا تھا کہ کلیانی اسے چھیڑ رہی ہے لیکن اب یہ محسوس ہونے لگا کہ کلیانی اس سے کاروبار کر رہی ہے، وہ اس سے دولت کھینچنا چاہتی ہے، اپنی لڑکی شانتا کو دولت کے عوض اس کے حوالے کرنا چاہتی ہے، یاور خان کا دل ڈانواڈول ہونے لگا۔ شانتا کے زہد شکن شباب اور خرد دشمن حسن نے اسے بے بس کر دیا اور اسے یہی سمجھایا کہ یہ بازار ہے، یہاں وہ اشیا بھی خرید سکتا ہے اور اشیا کا یاروانہ بھی خرید سکتا ہے، گھوڑی بھی خرید سکتا ہے اور گھوڑی کی جوان ہو جانے والی بچی بھی خرید سکتا ہے، وہ دونوں ہی سے متمتع ہو سکتا ہے، اس نے کلیانی سے وعدہ کر لیا کہ وہ پھر آئے گا اور شانتا کے فن سے لطف اندوز ہوگا۔

دوسرے دن کلیانی اور شانتا کی صحبت میں اس نے کئی ساعتیں گزار دیں، شانتا کا گانا بھی سنا اور رقص بھی دیکھا۔ وہ شانتا کے چہرے میں چچا توقیر کی شباہت تلاش کرتا رہا، شانتا کی ناک اور آنکھیں بالکل چچا جیسی تھیں، اسے شانتا پر افسوس اور مرحوم چچا پر غصہ آ رہا تھا کہ ان کا خون اس گندے ماحول میں زندگی گزار رہا تھا۔ کبھی یاد بھی آتی کہ وہ اس سے شادی کر لے اور عزت و آبرو سے گھر لے جا کر رکھے، اسے اس کوچے سے گھن آنے لگی، جہاں شرفا اپنا خون چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آلودہ زندگی گزارتا رہتا ہے، وہ چاہتا تو رقم دے کر شانتا سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ لیکن مرحوم چچا کا خیال آتے ہی وہ رک جاتا۔

کلیانی اسے زیادہ سے زیادہ موقع دیتی رہی، لیکن پھر اس نے یہ بات بھی محسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کی کہ در پردہ نگرانی بھی کرتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ یادرخان شاننا کے لئے تڑپنے لگا۔ اس نے اس پر بے تحاشا دولت صرف کردی۔ گھر میں بیوی سے ان بن رہنے لگی، وہ کہتی۔ "اگر تمہیں یہی کچھ کرنا ہے تو مجھے چار گڑھ پہنچا دو!"

یادرخان کہتا۔ "اری نیک بخت! یہاں بات کچھ ایسی ہے کہ میں سردست زبان نہیں کھول سکتا، عزت آبرو پر آ پڑی ہے!"

ایک دن یادرخان نے بیوی سے اجازت طلب کی، پوچھا۔ "اگر میں دوسری شادی کرلوں تو تم برا تو نہیں مانو گی؟"

بیوی نے جواب دیا۔ "اب اس عمر میں؟ اگر میں چپ رہوں گی تو لوگ کیا کہیں گے؟"

"مجھے لوگوں کی کوئی پروا نہیں!" یادرخان نے کہا۔ "بس تم اجازت دے دو۔"

بیوی نے بے دلی سے کہا۔ "کرلو لیکن اس کمبخت کو یہاں نہ لانا اس کے رہنے سہنے کا کہیں اور بندوبست کردینا۔"

یادو نے کہا۔ "چلو ایسا ہی کردوں گا!"

اس کے بعد وہ کلیانی کے پاس پہنچا اور اس سے بولا۔ "کلیانی! آج میں تم سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتا ہوں!"

کلیانی نے غور سے اسے دیکھا، بولی۔ "کب؟ ابھی کروگے وہ باتیں؟"

"ہاں!" اور وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑا کر شاننا کو تلاش کرنے لگا۔ "شاننا کہاں گئی؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "اندر ہوگی، بلوا دوں؟"

"ہاں، بلوا دو!"

کلیانی خود گئی اور شاننا کو بلا لائی، دھانی ریشمی ساری میں اس کا حسن پھٹا پڑ رہا تھا۔

یادرخان نے کلیانی کو ٹالنا چاہا، بولا۔ "کلیانی! میں ذرا تخلیہ چاہتا ہوں!"

"شوق سے!" وہ کھڑی ہوگئی۔ "میں جانتی ہوں لیکن ذرا احتیاط رکھنا!"

"مطمئن رہو، اس میں چچا توقیر کا خون ہے، میں کسی اور طرح اسے ناجائز سمجھتا ہوں!"

جب کلیانی جانے لگی تو یادرخان نے اسے چند اشرفیاں تھما دیں، وہ

چلی گئی۔

شاننا سر جھکا کر بیٹھ گئی، یادرخان نے ٹھوڑی میں انگلیاں دے کر چہرہ اوپر اٹھایا اور محبت سے دریافت کیا۔ "شاننا! میں کلیانی سے بات کرنے سے پہلے تم سے ایک اجازت چاہتا ہوں!"

شاننا اس کی شکل دیکھنے لگی۔

یادرخان نے کہا۔ "شاید تمہیں نہیں معلوم کہ تمہاری رگوں میں میرے چچا کا خون دوڑ رہا ہے!"

شاننا نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں پھر؟"

یادرخان نے کہا۔ "پھر یہ کہ میں تمہیں یہاں نہیں دیکھنا چاہتا!"

شاننا چپ رہی، شاید اس کا مطلب نہیں سمجھ رہی تھی۔

یادرخان نے پوچھا۔ "کیا تم میرا مطلب سمجھ گئیں؟"

شاننا نے نفی میں گردن ہلادی، یادرخان مسکرانے لگا۔ بولا۔ "تم بہت بھولی ہو شاننا، اور یہ بھی شاید اس لئے کہ تمہاری رگوں میں ایک شریف شخص کا خون دوڑ رہا ہے!" پھر کچھ توقف کر کے کہا۔ "شاننا! میں تمہیں اس ماحول سے نکال لے جانا چاہتا ہوں، تم میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو!"

"کہاں؟"

"جہاں میں لے چلوں" یادرخان دل کی بات مارے شرم کے کہہ نہیں پا رہا تھا۔ "شاننا یقین کرو میں تمہیں بہت اچھی طرح رکھوں گا!"

شاننا نے کہا۔ "یہاں بھی مجھے کوئی تکلیف نہیں!"

یادرخان نے کہا۔ "اوہ، تم میری بات کیوں نہیں سمجھتیں شاننا! میں تمہیں اس آلودگی سے نکالنا چاہتا ہوں، تم مجھ سے شادی کرلو!" یہ کہتے کہتے وہ جیسے پسینے میں شرابور ہوگیا۔

شاننا نے ساری کا کونا دانتوں تلے دبایا اور مسکرانے لگی۔ "تم مجھ سے شادی کروگے، لیکن میں تم سے شادی نہیں کروں گی!"

"کیوں؟" یادرخان کا دل ڈوبنے لگا۔

"یہ ماں جی سے پوچھ لو!" شاننا نے جواب دیا۔

یادرخان نے سوچا ماحول اور پیشے کا رنگ پوری طرح شاننا پر چڑھ چکا ہے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

وہ شادی وادی کے چکر میں کیوں پڑنے لگی۔ پھر بھی اسے سوچنے کے لئے یادر خان نے چپکے سے پچاس اشرفیاں تھمادیں، بولا۔ "انہیں کہیں چھپا دینا کلیانی کو نہ بتانا، پھر اور دوں گا!"

شانتا نے جواب دیا۔ "میں ان سے کوئی بات نہیں چھپاتی، یہ اشرفیاں بھی انہی کو دے دینا۔"

یادر خان نے بے بسی سے سوچا کہ اب یہ بات کلیانی سے براہ راست کرلینی چاہیئے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کلیانی کو بہت زیادہ دولت کا لالچ دیا گیا تو وہ یہ بات مان لے گی!

لیکن جب اس نے یہی بات کلیانی سے کہی تو اس نے اسے ہنسی میں اڑا دیا۔ کہنے لگی۔ "یادر خان! اتنی باریکیوں میں کون جاتا ہے تم تو بس یہ سمجھو کہ اس کوچے میں سب کچھ رولا ہے یہاں کچھ بھی ناجائز نہیں، سب کچھ جائز ہے، اس کوچے میں رشتوں کنبوں کا کہاں گزر ہے، ہم سب بکاؤ ہیں، قیمت دو، مال لو، خواہ مخواہ کیوں چکروں میں پڑتے ہو۔"

یادر خان نے تھک کر کہا۔ "کلیانی! یہ معاملہ ہی دوسرا ہے۔ میں نے جو پیشکش کی ہے اس پر خوب غور کرلو، یہ سودا ہر قیمت پر ہوتا ہے۔"

کلیانی نے شراتاً پوچھا۔ "میرے لئے اب تو کسک نہیں ہوتی تمہارے دل میں؟"

"ہوتی کیوں نہیں!" یادر خان نے مکاری سے جواب دیا۔ "شانتا کے لئے کسک نہیں ہوتی بلکہ یہ تو معاملہ ہی کچھ اور ہے!"

کلیانی نے جواب دیا۔ "معاملہ واملہ کچھ نہیں، یہ کیوں نہیں کہتے کہ شانتا بہت حسین ہے گدازہے، اس میں رس ہے اور جو کچھ اس میں ہے، مجھ میں نہیں ہے!"

یادر خان نے کہا۔ "تم بہت شریر ہو کلیانی ستانا تمہیں خوب آتا ہے!"

کلیانی نے جواب دیا۔ "تم مردوں سے کم ہی کم۔"

یادر خان زیادہ باتوں کا خواہشمند نہ تھا۔ کہا۔ "تمہیں میری پیشکش قبول کرنا پڑے گی، اس کے لئے میں اپنی آدھی جاگیر تک تمہیں دینے کو تیار ہوں!"

کلیانی نے رکھائی سے جواب دیا۔ "آدھی کیا اگر تم ساری جاگیر دے دو تب بھی یہ

کام نہ ہوگا!"

یادر خان نے کہا۔ "مجھے جلدی نہیں ہے پہلے خوب سوچ سمجھ لو، اس کے بعد کوئی جواب دینا، میں شانتا کے ساتھ تمہیں بھی اپنے گھر لے چلنے کو تیار ہوں!"

"خوب!" کلیانی کھلکھلا کر ہنس دی۔ "شانتا نے پوری طرح فتح کرلیا ہے تمہیں، سوچوں گی۔"

یادر خان کو امید بندھی اور وہ امید و بیم لئے گھر واپس گیا۔

سہ پہر کو نہالی یادر خان کے پاس پہنچ گیا، اس کا دل خوشی سے اچھلنے لگا، وہ سمجھا کلیانی نے رات بھر غور و فکر کرکے اس کی پیشکش قبول کرلی ہے اور نہالی کو بلانے کے لئے بھیجا ہے، وہ نہالی سے بات کیے بغیر اندر چلا گیا اور بیوی سے کہا۔ "جیسی کہ مجھے امید تھی، بات بن گئی ہے، میں شانتا سے عنقریب شادی کرلوں گا!"

بیوی نے جواب دیا۔ "شوق سے کرو لیکن میں یونس کو لے کر چاند گڑھ چلی جاؤں گی!"

یادر خان نے حیرت سے پوچھا۔ "تم تنہا جانا چاہو تو جاسکتی ہو یونس کو لے کر کیوں جاؤ گی؟"

"وہ خود بھی ان حالات میں یہاں نہیں رہنا چاہتا وہ کہتا ہے اماں یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل چلو یہیں۔"

یادر خان نے افسوس سے کہا۔ "وہ تمہارا بیٹا ہے۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ تم دونوں یہیں رہو، میں اپنی آدھی جاگیر یونس کے نام لکھنے کو تیار ہوں۔"

بیوی سوچ میں پڑ گئی، یادر خان نہالی کے پاس چلا گیا اور پوچھا۔ "ہاں اب بتاؤ کیسے آنا ہوا؟"

نہالی کہنے لگا۔ "کلیانی شانتا کو لے کر آگرے چلی گئیں انہیں آپ سے کوئی کام ہے کہہ گئی ہیں کہ میں آپ کو لے کر آگرے پہنچوں!"

یادر خان کو پکا یقین ہوچکا تھا کہ بات بن چکی ہے اور کلیانی آگرے سامان کی خریداری کے سلسلے میں گئی ہے، وہ اسی وقت تیار ہوا اور نہالی کے ساتھ آگرے روانہ ہوگیا راستہ زیادہ دیر کا نہ تھا۔ مغرب سے پہلے آگرے پہنچ گیا۔ کہرنے پردہ سا تان رکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

دکانوں میں روشن دیئے دھواں نظر آ رہے تھے۔

نہالی نے اسے ایک شاندار حویلی میں پہنچا دیا، لیکن یہ حویلی ہندوانہ مزاج کی تھی گھٹی گھٹی، تنگ تنگ۔ کلیانی نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ بولی۔ "یاور خان! تم سے ایک ضروری کام آ پڑا ہے، کیا کر دو گے؟"

یاور خان نے ٹوہ لینے کے انداز میں پوچھا۔ "کیسا کام؟ کچھ کھل کے بتاؤ۔"

کلیانی نے پوچھا۔ "شیر شاہ کے دربار میں تمہاری کتنی پہنچ ہے؟"

یاور خان نے شیخی بگھاری۔ "بہت۔ بادشاہ ہم پر بہت مہربان رہتا ہے!"

کلیانی اسے لئے ہوئے ایک بند کوٹھری کے سامنے پہنچی۔ کوٹھری کے سامنے ایک غمزدہ جوان سر پکڑے بیٹھا ہوا تھا۔ کلیانی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یاور خان! یہ میرے تایا کا لڑکا ہے کوٹھری میں اس کی جورو بند ہے!"

جوان نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ یاور خان اس کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ پوچھا۔ "کلیانی! یہ معاملہ کیا ہے؟"

کلیانی نے کہا۔ "وہی تو بتانے جا رہی ہوں۔ یاور خان! ہمارا خاندان برا نہیں ہے ہم لوگ برے دھندوں میں پڑ گئے ہیں، ورنہ دوسرے لوگ عزت و آبرو کے پیشے کرتے ہیں یہ میرے تایا کا لڑکا 'پنساری' ہے، چوک میں اس کی بڑی دکان ہے، کل اس کی جورو اپنے گھر میں برہنہ نہا رہی تھی باہر ہاتھی پر سوار بادشاہ کا بیٹا گنبد پا تھا اس کی ــــ برہنہ جورو پر نظر پڑ گئی اور از راہ مذاق ہنس کر اس کی طرف پان کا بیڑا اچھال دیا۔ عورت غریب شرم سے پانی پانی ہو گئی اور خودکشی کرنے ہی والی تھی کہ اس کا دوسروں کو پتہ چل گیا اور پکڑ دھکڑ کر اس کو کوٹھری میں بند کر دیا!"

یاور خان نے حیرت سے پوچھا۔ "پھر اس معاملے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

کلیانی نے کہا۔ "میرے تایا کے بیٹے کو شیر شاہ تک پہنچا دو، ایسا ظلم تو نہیں ہونا چاہیئے!"

یاور خان نے موقع غنیمت جانا۔ پوچھا۔ "اور اس میرے معاملے میں کیا سوچا تم نے؟"

"اس بارے میں بعد میں بات کروں گی!"

یاور خان نے پوچھا۔ "سر دست بس اتنا بتا دو کہ جواب ہاں میں ہو گا یا

نہیں میں؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "شانتا ایک شرط پر تمہارے گھر چلی جائے گی، معلوم نہیں کہ تم مانو گے بھی یا نہیں؟"

یاور خان نے سرشار ہو کر کہا۔ "اگر شانتا کسی شرط پر میرے گھر جا سکتی ہے تو میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں!"

دوسرے دن صبح ہی یاور خان نے کلیانی کے تایا زاد بھائی کو شیر شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مقدمے کی روداد سن کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے اسی وقت بیٹے کو گرفتار کر کے دربار میں بلوا لیا۔

درباری دم بخود تھے کہ دیکھئے کیا فیصلہ ہوتا ہے، بیٹے نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ شیر شاہ نے فوراً ہی مقدمے کا فیصلہ سنا دیا۔ "مجرم کی بیوی کو برہنہ کر کے اسی جگہ بٹھایا جائے اور فریادی کو ہاتھی پر سوار کر کے اس سامنے گزارا جائے، جب فریادی کی نظر مجرم کی برہنہ بیوی پر پڑے تو وہ اسی طرح پان کا بیڑا اس پر اچھال دے۔"

دربار پر سناٹا طاری ہو گیا۔ یاور خان کنکھیوں سے کلیانی کے تایا زاد بھائی کو دیکھنے لگا۔

شیر شاہ نے گرج کر کہا۔ "فیصلے کی تعمیل ہو۔"

مدعا علیہ قدموں میں گر گیا۔ اس کی آواز ــ "غلام نے انصاف پا لیا غریب پرور! یہ ناچیز شہزادے سے بدلہ نہیں لینا چاہتا۔"

بڑے بڑے میدانوں میں شیر کی طرح اڑ جانے والے بادشاہ پر رقت طاری ہو گئی، اٹک اٹک کر بولا۔ "ہم نے رسول اللہ سے تاج شاہی لیتے وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم حکومت عدل و انصاف سے کریں گے ہم اس وعدے سے کس طرح پھر سکتے ہیں!"

یاور خان نے دست بستہ عرض کیا۔ "جب مدعا علیہ خود معاف کر رہا ہے تو جہاں پناہ کو بھی خاموشی اختیار کرنی چاہیئے۔"

کلیانی اور دوسرے افراد کو اس فیصلے کی توقع نہیں تھی، وہ رات انہوں نے خوشی اور انبساط میں گزار دی۔ یاور خان نے جب بھی شانتا کی بات چھیڑی اس نے یہی کہا "بات گھر چل کر کروں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

کلیانی نے یاور خان کو دو ہفتے تک دم دلاسے دیے اس کے بعد ایک دم یہ شرط لگا دی کہ "آدھی جاگیر شانتا کو دے دو۔"

اس نے آدھی جاگیر شانتا کے نام لکھ دی اور کلیانی پر اعتماد قائم کرنے کے لئے کاغذات اس کے حوالے کر دیے کیونکہ اسے یہ اطمینان تھا کہ اگر کلیانی قول و قرار سے پھر گئی تو شیر شاہی عہد میں وہ اسے مزہ بھی چکھا دے گا۔

ادھر شادی کی بات پکی ہو گئی ادھر بیوی نے مردانگی کی تیاریاں شروع کر دیں یاور خان خاموشی سے سب دیکھتا رہا۔ اس نے اس عورت کے ساتھ بڑے اچھے دن گزارے تھے اس کی جدائی سے دکھ محسوس کر رہا تھا۔ یونس خان بھی چلا جائے گا۔ اس سے بیوی کو روکنا چاہا تو بیوی نے رکنے کی یہ شرط لگا دی کہ آدھی جاگیر یونس خان کے نام لکھ دو، کیونکہ اب تمہارا اعتبار نہیں رہا' تم کسی وقت کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہو۔"

یاور خان پس و پیش میں پڑ گیا۔ آدھی جاگیر شانتا کے نام منتقل کر چکا تھا' اب آدھی بیوی یونس خان کے نام منتقل کرانا چاہتی تھی اور اس نے بیوی سے وعدہ بھی کر رکھا تھا' اب ان حالات میں عقل کام نہ کر رہی تھی کہ کیا کرے' آخر وہ نتیجے پر پہنچا کہ آدھی جاگیر یونس کے نام کر دینی چاہیے، شادی کے بعد شانتا کی جاگیر تو اسے مل ہی جائے گی' اور یونس خان ساتھ ہی رہے گا۔ اس پر بھی خود اسی کا تصرف رہے گا۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی اس نے خلوص کے ساتھ بقیہ آدھی جاگیر یونس خان کے نام منتقل کر دی۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دن تاریخ کے لئے کلیانی کے پاس پہنچا تو کلیانی نے اس سے کچھ عجیب سی باتیں شروع کر دیں' اس نے ایک بار پھر ماضی کا ذکر چھیڑ دیا اور یاور خان سے پوچھا۔ "یاور خان وہ بھی کیا دن تھے جب تم اور تمہارے چچا' دونوں ہی مجھ پر دولت اور وقت صرف کر رہے تھے!"

یاور خان نے بے دلی سے کہا۔ "ہاں وہ بہت برے دن تھے۔"

کلیانی نے پوچھا۔ "وہ برے دن کیوں تھے؟"

یاور خان نے جواب دیا۔ "میرے مقابلے میں چچا مرحوم کو اپنی عمر کا خیال کر کے تم سے کنارہ کشی ضرور اختیار کر لینی چاہیے تھی۔"

کلیانی نے مسکرا کر شرارت سے اسے دیکھا' بولی۔ "اس کوچے میں عمر یا دوسرے آداب کیا حیثیت رکھتے ہیں بھلا؟"

یاور خان نے منطق سے اسے زیر کرنا چاہا' بولا۔ "اس کوچے سے باہر تو ہم دونوں چچا بھتیجے تھے ہم دونوں جس معاشرے سے چل کر تمہارے کوچے تک آتے تھے اس کے تو کچھ آداب ہیں' ان آداب کا چچا مرحوم کو ضرور خیال رکھنا چاہئے تھا!"

کلیانی نے کہا۔ "تمہی کنارہ کشی اختیار کر لیتے!"

یاور خان نے حیرت سے کہا۔ "وہ کیوں؟"

"یہ اس لیے کہ وہ تمہارے بزرگ تھے ان کا ادب تم پر لازم تھا!"

یاور خان نے اپنے حق میں دوسری دلیل دی۔ "اگر تم ان کی ہم عمر ہوتیں تو میں ضرور کنارہ کشی اختیار کر لیتا تم میری ہم عمر تھیں' میرے جوڑ کی تھیں میرے مقابلے میں تم سے چچا مرحوم کا عشق، عشق نہیں بوالہوسی تھا۔" یہ کہتے کہتے وہ ٹھٹھک گیا کیونکہ عمر کا وہی فرق اب شانتا اور اس کی عمر کے درمیان پایا جاتا تھا۔

کلیانی نے نشتر چبھویا۔ "کیا تمہاری شانتا سے محبت بھی بوالہوسی کا نتیجہ ہے کیونکہ تم دونوں کی عمروں میں وہی فرق موجود ہے جو کبھی تمہارے چچا کی اور میری عمروں میں پایا جاتا تھا۔"

یاور خان نے ایک نئی دلیل کا سہارا لیا۔ "لیکن یہاں میں شانتا کا واحد طلب گار ہوں' اس لئے اب ان باتوں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

کلیانی نے صاف جواب دیا۔ "لیکن یہ شادی نہیں ہو سکتی!"

یاور خان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی' سناٹے میں آ گیا' پوچھا۔ "کیوں' شادی کیوں نہیں ہو سکتی' میں نے اس شادی کی شرط میں اپنی آدھی جاگیر شانتا کے نام لکھ دی ہے' یہ تو سراسر دغا' زیادتی ہے تمہاری!"

کلیانی نے جاگیر کے کاغذات یاور خان کے منہ پر مار دیئے اور چیخ کر بولی ——
"مجھے نہیں چاہیے تمہاری جاگیر' سنبھالو اپنی جاگیر کے کاغذات' میری شانتا کو جاگیر کی کمی نہیں ہے!"

یاور خان نے نرم رویہ اختیار کیا۔ "تم ناراض کیوں ہو گئیں؟ آخر کوئی وجہ بھی تو معلوم ہو اس خفگی کی؟"

کلیانی انتہائی جذباتی ہو رہی تھی' بولی۔ "تم اپنی عمر دیکھو اور شانتا کی عمر دیکھو' تمہیں بات کہتے ہوئے شرم آنی چاہیے تھی!"

یاور خان نے مایوسی سے کہا۔ "جب ایسی بات تھی تو تمہیں یہ بات پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

SCANNED BY MUHAMMAD NADEEM @ ONEURDU.COM

تک نہیں بڑھانی چاہیے تھی، میں نے تو تمہاری خواہش پر اپنی آدھی جاگیر شانتا کے نام کر دی تھی؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "بات جاگیر کی نہیں ہے، دونوں کی عمروں کے فرق کی ہے، اب ایک دوسرے جاگیردار کا رشتہ شانتا کے لئے آگیا ہے یہ جاگیردار نہ صرف شانتا کا ہم عمر ہے بلکہ تمہاری ہی جتنی جاگیر کا مالک بھی ہے!"

یاور خان کی وہ کیفیت تھی جیسے سر پر آسمان پھٹ پڑا ہو، پوچھا۔ "کون ہے وہ جاگیردار؟"

کلیانی نے کہا۔ "وہ کوئی بھی ہو، تمہیں اس سے کیا مطلب؟"

یاور خان نے مردہ دلی سے پوچھا۔ "کیا اس نے اپنی جاگیر شانتا کے نام لکھ دی ہے؟"

"ہاں لکھ دی ہے!" کلیانی نے جواب دیا۔ "کیا تم وہ کاغذات دیکھنا چاہتے ہو؟"

"ہاں!" یاور خان نے عالم خواب میں کہا۔ "لیکن کلیانی، میں یہ جتائے دیتا ہوں کہ شانتا کی کسی اور سے شادی نہیں ہو سکتی!"

کلیانی نے خوشی میں کہا۔ "کیسے نہیں ہو سکتی کسی اور سے شادی! وہ شانتا کا ہم عمر ہے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تم خود یہ فیصلہ دے چکے ہو کہ اگر تمہارے مقابلے میں شانتا کا کوئی اس کا ہم عمر امیدوار ہوتا تو تم اس سے دستبردار ہو جاتے!"

یاور خان نے غصے میں کہا۔ "ہاں لیکن اب بات کچھ اور ہو گئی ہے تم نے مجھ سے فریب کیا ہے دھوکا دیا ہے، تمہیں اور شانتا کو اس دھوکا دہی کی سزا ضرور ملے گی اور ساتھ ہی اس جاگیردار کو بھی جو خواہ مخواہ ہمارے درمیان میں آگیا ہے۔" پھر کچھ ٹھیر کر بولا۔ "مجھے وہ دوسرے کاغذات بھی دکھاؤ، جو تمہیں کسی دوسرے نوجوان جاگیردار نے دیئے ہیں!"

کلیانی نے کہا۔ "تم وہ کاغذات ضائع تو نہیں کر دو گے؟"

یاور خان نے اپنے کاغذات دوبارہ کلیانی کے حوالے کر دیئے بولا۔ "انہیں ضمانت میں رکھ لو۔"

کلیانی نے یاور خان کے کاغذات قبضے میں کیئے اور اندر سے دوسرے کاغذات لا کر یاور خان کے سامنے ڈال دیئے۔ یاور خان نے جھپٹ کر کاغذات اٹھا لیئے اور ان کے

اندراجات پڑھتے ہی اسے چکر سا آگیا۔ آنکھوں تلے اندھیرا سا چھا گیا۔ انتہائی کرب سے پوچھا۔ "یہ یونس خان کو کس طرح پھانسا تم نے؟"

کلیانی نے تلملا کر جواب دیا۔ "ہم نے نہیں، خود یونس خان نے شانتا کو پھانسا ہے!"

"خوب!" یاور خان پھیکی ہنسی ہنسنے لگا۔ "تو تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ شادی واقعی ہو جائے گی؟"

کلیانی نے طنز سے کہا۔ "خیال! خیال کی بھی ایک ہی رہی! میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ یہ شادی ہو کر رہے گی، اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا!"

یاور خان نے کاغذات اپنے قبضے میں رکھے اور کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "کلیانی! بات آن کی ہو گئی ہے، میں یہ کاغذات لئے جا رہا ہوں، میرے کاغذات تم اپنے پاس رکھو، شانتا کی شادی مجھی سے ہو گی، تمہیں یہ بات بالکل زیب نہ دیتی تھی، جب میں یہاں آ جا رہا ہوں تو میرے بیٹے یونس کو یہاں نہیں آنے دینا چاہیئے تھا!"

کلیانی چراغ پا ہو گئی۔ "اس کوچے میں سب کچھ جائز ہے یہ سبق تمہی نے مجھے دیا تھا، میں اسے کس طرح بھلا سکتی تھی بھلا؟"

یاور خان غصے میں جانے لگا۔ "تم جو چاہو کہو لیکن میں صرف ایک بات جانتا ہوں، شادی یونس سے نہیں ہو سکتی، مجھ سے ہو گی، یہ ضد اور آن کی بات ہے اور کچھ نہیں!"

کلیانی نے بھی اسی اعتماد سے جواب دیا۔ "اور میں یہ کہتی ہوں کہ یہ شادی تم سے نہیں ہو سکتی، ذرا ٹھیرو میں شانتا کو بلاتی ہوں!"

شانتا کے خیال سے یاور خان جاتے جاتے ٹھیر گیا۔ تھوڑی دیر بعد بنی سنوری شانتا اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی وہ چونک پڑا۔ حیرت کے پہاڑ تھے کہ اس پر پے در پے ٹوٹ رہے تھے شانتا کی شکل میں ہو بہو اس کی پہلی بیوی سامنے کھڑی تھی، وہی کپڑے، وہی زیورات سب کچھ وہی حتیٰ کہ شال تک وہی تھا جو کبھی اس نے کلیانی کو پیش کیا تھا اور جاتو قیر خاندان کی یادگار سمجھ کر واپس لے گئے تھے۔

یاور خان کا سر چکرانے لگا۔ اس نے سہمے سہمے لہجے میں پوچھا۔ "کلیانی! یہ سب کیا ہے؟ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

کلیانی کا دل بھر آیا ہونٹ تھرتھرانے لگے آنکھیں بھر آئیں۔ "شانتا میری بیٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہے، میں بانجھ ہوں، یہ تمہاری بیٹی ہے۔"

"میری بیٹی!" یادر خان کو چکر آ گیا، آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

"ہاں تمہاری بیٹی!" وہ کہنے لگی۔ "تمہارے چلے جانے کے بعد میں تمہارے چچا کے گھر بیٹھ گئی تھی، پھر جب رانا سانگا کی شکست کے بعد اس بستی کو تہ تیغ کیا گیا تو مجھے کمینی سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا، مجھے نہیں معلوم تمہاری بیوی کا کیا حشر ہوا۔ اس بچی کو ظالموں نے چھوڑ دیا تھا، یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ مجھے اس بچی کے ساتھ ہی تمہاری بیوی کے چند صندوق بھی مل گئے تھے جن میں اس کے زیورات اور کپڑے رکھے ہوئے تھے۔"

یادر خان تصویر حیرت بنا کلیانی کو دیکھتا رہا۔ کلیانی نے مزید کہا۔ "میں نے اپنا پیشہ ترک کر دیا تھا، سازندوں کو رخصت کر دیا تھا لیکن شانتا کو رقص و موسیقی کی تعلیم ضرور دی تھی، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم دوبارہ پھر اپنی جاگیر پر واپس آؤ گے؟"

پھر گہرا سکوت چھا گیا۔ دونوں خاموش ہو گئے، شانتا نے شرم سے منہ پھیر لیا، یادر خان اور کلیانی سر جھکائے روتے رہے، یکایک کلیانی نے سر اٹھایا، بولی "یہ بات میں نے شانتا کو بھی نہیں بتائی تھی!" پھر شانتا سے بولی۔ "شانتا بیٹی! یہ تمہارے باپ ہیں انہیں سلام کرو۔"

شانتا کی بھی عجیب حالت ہو گئی۔ اس نے دلہنوں کی طرح گھونگٹ نکال لیا اور خالص ہندوانہ انداز میں یادر خان کے قدموں میں جھک کر پیر پکڑ لیے۔

کلیانی نے مزید کہا۔ "اب شانتا تمہاری ہے جس سے چاہو شادی کر دو، رہا نام کا مسئلہ تو یہ نام میں نے رکھا تھا، اب تم اس کا کوئی اسلامی نام رکھ سکتے ہو!"

یادر خان نے جوشِ دیوانگی میں سر دیوار سے ٹکرا دیا اور پے در پے اتنی ضربیں لگائیں کہ پورا سر اور چہرہ لہولہان کر لیا۔ خنجر پاس نہ تھا ورنہ شاید خودکشی کر لیتا۔ کلیانی نے بہت زیادہ سنبھالنے کی کوشش کی لیکن نہ سنبھال سکی جب یادر خان پر بے ہوشی نے غلبہ کیا تب قابو میں آیا۔

یادر خان جب ہوش میں آیا تو اپنے آس پاس ایک مجمع دیکھا، کلیانی، شانتا، بیوی اور یونس خان بھی موجود تھے، اس نے انہیں دیکھا اور شرمندگی سے آنکھیں بند کر لیں، شب و روز کی تیمارداری سے جب یادر خان کی حالت سنبھلی تو اسے چپ لگ چکی تھی

صحت مند ہونے کے بعد اس نے شانتا کی جاگیر اس کے نام اور یونس کی یونس کے نام لکھ دی، اس نے کلیانی سے کہا۔ "شانتا تو یونس سے منسوب ہو جائے گی، اب تم نے کیا سوچا ہے اپنے لئے؟"

کلیانی نے جواب دیا۔ "اب تک جو پاپ کیے ہیں انہیں دھونے کے لئے ہمیشہ کے لئے ہردوار چلی جاؤں گی۔"

یادر خان نے کہا۔ "تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتی ہو!"

کلیانی نے جواب دیا۔ "وقت گیا بات گئی، اب یہ نہیں ہو سکتا!"

یادر خان نے آہستہ سے کہا۔ "ان حالات میں تو اب میں بھی یہاں نہیں رہ سکتا میں بھی کہیں چلا جاؤں گا۔"

کلیانی نے پوچھا۔ "کہاں چلے جاؤ گے؟"

یادر خان نے اداس لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے بھی اس کا علم نہیں۔"

یونس اور شانتا کی شادی ہو گئی، کلیانی ہردوار چلی گئی، یادر خان بھی کہیں چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا، کچھ کہتے وہ کہیں ڈوب مرا اور کچھ کا یہ خیال تھا کہ کلیانی کے ساتھ ہردوار چلا گیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں جو عشق سویا ہوا تھا پوری شدت اور توانائی سے جاگ چکا تھا۔ وہ عشق جہاں ذات پات کی تفریق نہیں ہوتی، خاندان اور نسل کی روایات کا پاس نہیں کیا جاتا۔

کی کہانیاں

جرائم

جادو

ارواح

شیطان ازم

ذہانت

ظرافت

اسرار

طنز و مزاح

قیمت روپے

خوف، سسپنس اور تجسس کے ۲۶ شہ پارے

عجیب کہانیاں ○ ظریف کہانیاں ○ زہریلی کہانیاں

مکتبہ نفسیات ◎ پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴ ○ کراچی